افضلیتِ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اجماعی عقیدہ کو مشکوک بنانے والوں کے دلائل میزانِ انصاف میں

نہایۃ التّدلیل فی ردّ صُوَیحِب

غایۃ التبجیل

مسئلہ فضلیت اور اکابرِ اُمّت

ایک تحقیق ایک تجزیہ

مصنف

نقاد العصر فیصل خان رضوی مدظلہ العالی

تقدیم

مفتی سیّد ذوالفقار حسین گیلانی رضوی

والضُّحیٰ پبلی کیشنز

افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اجماعی عقیدہ کو
مشکوک بنانے والوں کے دلائل میزانِ انصاف میں

نہایۃُ الدّلیل

فی ردّ صویحبِ غایۃ التبجیل

مسئلہ افضلیت اور اکابرِ اُمّت

ایک تحقیق ایک تجزیہ

مصنف
نقاد العصر فیصل خان رضوی مدظلہ العالی

تقدیم
مفتی سیّد ذوالفقار حسین گیلانی رضوی

والضُّحیٰ پبلی کیشنز
سستا ہوٹل داتا دربار مارکیٹ لاہور
0300-7259263,0315-4959263

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب	نہایۃ الدلیل فی رد صویحب غایۃ التبجیل
مصنف	فیصل خان رضوی
تقدیم	مفتی ابوتراب سید ذوالفقار حسین گیلانی رضوی حفظہ اللہ
لیگل ایڈوائزر	محمد صدیق الحسنات ڈوگر؛ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
تصحیح	محمد رضاء الحسن قادری. دار الاسلام، لاہور
تاریخ اشاعت	20 جون 2013ء
تعداد	1100
قیمت	360 روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ فیضانِ مدینہ؛ مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد 0312-6561574.0346-6021452

مکتبہ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز؛ فیصل آباد. لاہور

دار الاسلام؛ اُردو بازار، لاہور

مکتبہ بہارِ شریعت؛ دربار مارکیٹ. لاہور

مکتبہ شمس وقمر. بھاٹی چوک. لاہور

مکتبہ غوثیہ ہول سیل، کراچی

رضا بک شاپ، گجرات

اسلامک بک کارپوریشن. راول پنڈی

مکتبہ زین العابدین. لاہور

مکتبہ قادریہ؛ لاہور، گجرات، کراچی، گوجراں والا

مکتبہ اہل سنت فیصل آباد، لاہور، خانیوال

مکتبہ امام احمد رضا. لاہور، راول پنڈی

نظامیہ کتاب گھر، اردو بازار. لاہور

ہجویری بک شاپ؛ گنج بخش روڈ. لاہور

ضیاء القرآن پبلی کیشنز. لاہور، کراچی

احمد بک کارپوریشن راولپنڈی

علامہ فضل حق پبلی کیشنز. لاہور

فہرست

❀	تقدیم	11
❀	تصویر کا دوسرا رخ	12
❀	سببِ تالیف	27
❀	مقدمہ	30
❀	تفضیلیہ کی حیلہ سازیاں	31
❀	مسئلہ افضلیت کو سمجھنے کے اہم اصول	36
❀	بدعتی کی روایات کا حکم	41
❀	سادات کرام رحمۃ اللہ علیہم اور مسئلہ تفضیل	44
❀	علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ	45
❀	مسئلہ تفضیل اور صوفیاء کرام کا مذہب	47
❀	تفسیر آلوسی میں تفضیل کے مسئلہ پر بحث	49
❀	باطنی خلافت اور مسئلہ تفضیل	49
❀	**سخن اولیں کا جواب** کچھ باتیں علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب سے	53
❀	ملا علی قاری اور شم العوارض میں ظنیت کے قول کی تحقیق	58
❀	(i) شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کا تحقیقی جائزہ	60
❀	حضرت قطب دکن بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک	62

❀	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ افضلیت پر فتویٰ کی تحقیق	63
❀	اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اور مسئلہ تفضیل	67
❀	گولڑہ شریف کے فتویٰ کی تحقیق	68
❀	شیخ محمود سعید ممدوح کی تعریف کے پُل	70
❀	**پہلے باب کا جواب** مسئلہ افضلیت پر ظنی اقوال کا تحقیقی جائزہ	72
❀	۱-امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	73
❀	۲-امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	75
❀	۳-امام المازری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	76
❀	۴-محقق شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	76
❀	۵-ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	77
❀	۶-امام سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	78
❀	۷-محقق علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	79
❀	۸-شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	79
❀	۹-فقیہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	80
❀	۱۰-علامہ سید ابو بکر بن شہاب حضرمی کے قول کی تحقیق	80
❀	سعید ممدوح کا اصولیین پر اعتراض	82
❀	مسئلہ افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ظنی اور قطعی کی بحث آخر کیوں؟	84
❀	**دوسرے باب کا جواب** مسئلہ تفضیل میں توقف کے اقوال کا تحقیقی جائزہ	93

✿	**تیسرے باب کا جواب** خلافت و افضلیت کے مابین تلازم کا تحقیقی جائزہ	100
✿	حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنے کی تحقیق	105
✿	شیخ ممدوح کا خلافت اور افضلیت کے متلزم کے حوالہ نقل کرنا	114
✿	**چوتھے باب کا جواب** حیاتِ نبوی میں افضل الصحابہ کی تحقیق	118
✿	**پانچویں باب کا جواب** افضل کا تعین کرنے والوں کے مذہب کا تحقیقی جائزہ	121
✿	شاذ اقوال پیش کرنے کے بارے میں علماء کرام کا فیصلہ	143
✿	**چھٹے باب کا جواب** افضلیت علی رضی اللہ عنہ میں مذاہب پر تحقیق جائزہ	159
✿	افضلیت مولا علی رضی اللہ عنہ میں مذاہب پر گفتگو	161
✿	الجواب بتوفیق الوہاب	162
✿	اہل بیت کرام سے مروی کتب کا تحقیقی جائزہ	162
✿	حدیث الطیر سے مسئلہ افضلیت پر استدلال کا تحقیقی جائزہ	163
✿	حدیث طیر پر شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ	167
✿	حدیث طیر پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ	168
✿	حدیث طیر پر امام عبدالوہاب شعرانی کا تبصرہ	168
✿	حدیث طیر پر امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ	168
✿	حدیث طیر پر علامہ عضدالدین رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ	169
✿	حدیث طیر پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ	170

❁	حدیث طیر پر علامہ بکی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ	173
❁	حدیث طیر پر محدث سندھ ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ	174
❁	شیخ محمود سعید ممدوح کا امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ''اعلمیت'' پر	177
❁	استدلال افضلیت	177
❁	اعلمیت سے افضلیت پر استدلال کرنا قطعاً صحیح نہیں	179
❁	من کنت مولاہ فعلی مولاہ پر تحقیقی جائزہ	183
❁	امام المفسرین امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ	183
❁	أنت منی بمنزلة هارون کا تحقیقی جائزہ	184
❁	امام المفسرین فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ	184
❁	شیخ ممدوح اور شیخ عبد اللہ الغماری کی جہالت	186
❁	عموم الفاظ کی بحث	187
❁	استثناء نبوت کی بحث	188
❁	استثناء کا دلیل عموم ہونا پر بحث	189
❁	حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے افضلیت پر استدلال کرنا	190
❁	حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے افضلیت پر استدلال	194
❁	حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کی تحقیقی جائزہ	196
❁	حضرت ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عدی الطائی رضی اللہ عنہ کی روایات سے استدلال	198
❁	ھشام بن محمد الکلبی	199
❁	ابن ابی مخنف	199
❁	نصر بن مزاحم (مصنف کتاب صفین)	200
❁	عمر بن سعد بن ابی الصید الاسدی	201

❁	ادھر دیکھ تیرا دھیان کدھر ہے؟	203
❁	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب سے استدلال کا تحقیق جائزہ	203
❁	ابن حزم کے استدلال کا تحقیقی جائزہ	204
❁	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق	206
❁	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ افضلیت	207
❁	حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ افضلیت	207
❁	امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	208
❁	علامہ ابوجعفر محمد بن عبداللہ الاسکافی کے قول کی تحقیق	211
❁	قاضی عبدالجبار اسد آبادی کے قول کی تحقیق	212
❁	ابن ابی الحدید کے قول کی تحقیق	212
❁	حافظ عبیداللہ بن عبداللہ المعروف بالحسکانی کے قول کی تحقیق	214
❁	حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا قول	216
❁	مقدسی کے حوالہ کی تحقیق	216
❁	جلیل القدر صحابی ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کے قول کی تحقیق	217
❁	صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عتبہ بن ابی لھب کے قول کی تحقیق	218
❁	حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق	219
❁	حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق	220
❁	حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق	220
❁	ابوالاسود دؤلی کے موقف کی تحقیق	222
❁	حضرت اُم سنان بنت خیثمہ مذجیہ کے قول کی تحقیق	223
❁	حضرت سودہ بنت عمارہ کے قول کا تحقیقی جائزہ	224

❀	حضرت زحر بن قیس کے قول کا تحقیقی جائزہ	225
❀	حضرت کعب بن زہیر کے قول کا تحقیقی جائزہ	226
❀	معمر بن راشد کے قول کی تحقیق	226
❀	یحییٰ بن آدم کے قول کی تحقیق	229
❀	عبید اللہ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	230
❀	یحییٰ بن یعمر کا مذہب	232
❀	محمود سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کا تسامح یا دھوکہ	233
❀	امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	235
❀	فضل بن ابولہب کا مذہب	237
❀	بکر بن ماد التاہرتی کا مذہب	238
❀	رمضان آفندی کا مذہب	239
❀	شیخ محمد معین ٹھٹھوی سندھی کا مذہب	240
❀	تیسری حدیث پاک کا جواب	261
❀	بشر بن معمر کا مذہب	264
❀	مورخ المسعودی کا عقیدہ	264
❀	صاحب بن عباد کا عقیدہ	265
❀	علامہ سید محمد بن عقیل باعلوی کا عقیدۂ تفضیل کا جائزہ	266
❀	شیخ عبد العزیز بن صدیق الغماری کے عقیدہ کا جائزہ	268
❀	علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر الزام کی جسارت	268
❀	آل باعلوی کے عقیدہ کی تحقیق	270
❀	سید احمد بن صدیق الغماری کے عقیدہ کی تحقیق	271

❀	سید عبداللہ بن صدیق الغماری کے عقیدہ کی تحقیق	272
❀	**ساتویں باب کا جواب** ''اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا مذہب تفضیل علی ہی ہے'' کا تحقیقی جائزہ	273
❀	**آٹھویں باب کا جواب** ''اجماع کے دعووں کا جائزہ'' کا تحقیقی جائزہ	277
❀	**نویں باب کا جواب** ''ناپسندیدہ اقوال کا جائزہ'' کی تحقیق	286
❀	لفظ شیعہ کا پس منظر اور اسکی حقیقت	290
❀	ابان بن تغلب کا عقیدہ	293
❀	حافظ ابن حجر کے اقوال پر ایک نظر کا تحقیقی جائزہ	294
❀	امام خلال رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب السنۃ پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ	298
❀	علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ کا منکرین افضلیت عثمان رضی اللہ عنہ پر رد	301
❀	امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول بعض اقوال پر اعتراضات کا تحقیقی پس منظر	302
❀	امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ	307
❀	محمود سعید ممدوح کے چند باطل احتمالات	312
❀	امام سفیان ثوری کا عقیدہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما	313
❀	امام سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہ	313
❀	جوزجانی کی غلط بیانی	313
❀	جوزجانی کے بارے میں محدثین کی رائے	314
❀	منصور بن المعتمر کا عقیدہ	315
❀	ابوغسان مالک بن اسماعیل نہدی، عبیداللہ بن موسی العبسی اور ابونعیم کا مذہب	316

عبید اللہ بن موسیٰ العبسی کا عقیدہ	316
حسن بن صالح بن حی ہمدانی کا مذہب	317
زیدی فرقہ کے عقائد	318
محدث عبدالرزاق کا عقیدہ	319
امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ اور معمر بن راشد کے کا مذہب تفضیل پر ایک تحقیق	320
شیخ محمود سعید ممدوح کا شاہ ولی اللہ دہلوی پر ناصبیت کا الزام اور اسکی حقیقت	322
سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تفضیل اور اس کا تحقیقی جائزہ	324
محمد بن ابی سری رضی اللہ عنہ پر محدثین کرام کی جرح	325
امام معمر سے مروی سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدے کی تحقیق	326
دسویں باب کا جواب حدیث واثر میں غور وخوض کا تحقیقی جائزہ	328
قول ابن عمر رضی اللہ عنہ پر یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے اشکال کا تحقیقی جائزہ	333
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق	335
علامہ ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق	339
عبداللہ بن عمر العمری اور محدثین کرام	350
تفضیل میں قول علی رضی اللہ عنہ پر کلام کا تحقیقی جائزہ	353
(مقام اول سبب)	353
حکیم بن جبیر الکوفی اور محدثین کرام کی جرح	359
عبداللہ بن بکیر الغنوی اور محدثین کرام کی جرح	362
اثر مرتضوی پر امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی تقریر کا تحقیقی جائزہ	366

تقدیم

مفتی ابوتراب سید ذوالفقار حسین گیلانی رضوی حفظہ اللہ

ہم نے پردے میں تجھے پردہ نشین دیکھ لیا

رسول اکرم ﷺ شفیع معظم، شہنشاہ کل علم ﷺ کو دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے ۱۴ صدیوں سے زائد کا عرصہ گذر چکا ہے آپ ﷺ کے اس دنیا میں جلوہ افروز رہتے ہوئے بھی اور وفات ظاہری کے بعد آج تک اہل سنت و جماعت مسئلہ تفضیل میں کسی تردد کا شکار نہ ہوئے اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی لاریب کتاب قرآن مجید اور آپ ﷺ کے فرامین کے مطابق افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پھر حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں اور فرماتے رہیں گے۔ اس مسئلہ میں کبھی بھی اہل سنت و جماعت نے اس کے خلاف قول نہ کیا اور نہ کریں گے۔ اگر کسی نے اسکے برعکس قول کیا تو کم از کم اس کا تعلق اہل سنت و جماعت سے نہیں تھا اور نہ ہوگا یعنی ابتداء سے ہی اہل سنت و جماعت افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں۔ اور اہل تشیع حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مانتے ہیں یعنی تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دعویٰ کرنے والوں کا تعلق تشیع سے ہوتا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ ۱۴۰۰ سال کے درمیان جو کام نہ ہوا وہ اب ہونے لگا یعنی تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دعویٰ کرنے کے لئے اہل سنت کا پلیٹ فارم استعمال کیا جانے لگا۔ یاد رکھیئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لئے افضلیت مطلقہ کا دعویٰ کرنا اہل سنت کے عقائد سے ہرگز تعلق نہیں رکھتا۔ قارئین یقیناً انگشت بدنداں ہوں گے کہ کیا اہلسنت بھی یہ عقیدہ رکھ سکتے ہیں؟ تو میرے مسلمان بھائیو دراصل آج جو لوگ تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں یہ لوگ ابتداء سے ہی ایسے نہ تھے۔ شروع سے یہ لوگ بھی تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے قائل نہ تھے اور اہل سنت میں یہ کہہ کر داخل رہے کہ ہم مسئلہ تفضیل میں اہل سنت کے ساتھ ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ سوچی سمجھی سازش کے

تحت ان لوگوں نے مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کی کوشش کی جس سے عوام تو عوام خواص بھی انکے دام فریب میں مبتلا ہو گئے۔ جبکہ علماء اہل سنت مسلسل انکی اس سازش سے آگاہ کرتے رہے ایک مخصوص مدت کے گذرنے کے بعد اس گروہ کے لوگوں نے تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دعویٰ کر دیا۔

تصویر کا دوسرا رخ

گذشتہ چند سالوں سے پاکستان اور برطانیہ میں تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے عقیدے کا بڑا شدومد سے پرچار کیا جا رہا ہے۔ دراصل یہ ایک مخصوص ٹولہ ہے جو پہلے پہل اس بات کا مدعی ہوا کہ "مسئلہ تفضیل میں کوئی بھی حرف آخر موجود نہیں۔ مسئلہ تفضیل میں تعارض ہے لہٰذا یہ مسئلہ ظنی ہے" حالانکہ اہل سنت قطعیت کے قائل ہیں۔ علماء اہل سنت اس بات پر حیران تھے کہ اہل سنت کے معتقدات میں سے یہ مسئلہ قطعی ہے تو پھر اس مسئلہ پر ظنیت کا قول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ دوراندیش اور صاحب نظر علماء کرام اسی وقت قول کو آگاہ کر چکے تھے کہ یہ سب سلسلہ شیعہ کو تقویت دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔

کتب عقائد میں سے عبارات کو جوڑ توڑ کر اور قطع و برید کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دامِ فریب میں لانا اس ٹولے کا اہم ترین مشغلہ ہے جبکہ علماءِ اہلسنت کا سامنا کرنے کی بالکل ہمت نہیں رکھتے۔ بہرحال علماء اہلسنت کی غفلت کے پردے اس وقت اٹھ گئے جب یہ پتہ چلا کہ مسئلہ تفضیل میں دجل و فریب سے دخل اندازی امام الطائفہ شیخ التفضیل محمود سعید ممدوح کی کتاب غایۃ التبجیل کے سے جا رہی ہے۔

محمود سعید ممدوح شیعہ کی کتاب کی طباعت سے پہلے مسئلہ تفضیل میں اہل سنت و جماعت کے پلیٹ فارم کو استعمال کر کے تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دعویٰ کبھی نہیں کیا گیا مگر افسوس صد افسوس کہ محمود سعید ممدوح کی چلی گئی چال میں کچھ سنی علماء بھی پھنس گئے اور بڑی شدومد سے اس کے حواری بن گئے اور المرء مع امن احب کے مصداق ہوئے۔ دراصل جو لوگ محمود سعید ممدوح زیدی کی سازش کا شکار ہوئے یہ پہلے ہی اس انتظار میں تھے کہ اہل سنت و جماعت کے نام پر شیعیت کو فروغ دیا جائے۔ چونکہ محمود سعید شیعہ کی کتاب عربی زبان میں ہے اس کتاب کو عربی

سے اردو ترجمہ کرانے میں بھی تفضیلیہ ہی محرک رہے۔ جن میں سید زاہد حسین شاہ، سید عظمت حسین شاہ گیلانی اور شاہ حسین گردیزی اور علی محمد حسینی اور انکے دیگر حوارین سرفہرت ہیں۔ زاہد حسین شاہ بخاری حال مقیم انگلینڈ (جو کہ خیر سے اپنے آپ کو محدث اعظم کا شاگرد بھی گردانتے ہیں) تو امام التفضیلیہ کا درجہ رکھتے ہیں اور صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں ہجو کرنے میں یدطولی رکھتے ہیں۔ زاہد حسین شاہ کے گستاخانہ رویے کے بارے میں پڑھ کر ہوسکتا ہے کہ کسی کہ ذہن میں آئے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ پہلے پہل تو ہمیں بھی اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا تھا اگر کسی کو حق الیقین حاصل کرنا ہو تو YouTube پر Historical Agenda and Ahlebait کے عنوان کے تحت سن لیں۔

اس تقریر میں زاہد حسین شاہ نے اولیاء کاملین اور دیگر جید شخصیات پر کیچڑ اچھالا ہے۔ امام التفضیلیہ زاہد حسین شاہ کی تقریر کا ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ اس سے قبل انکے گروہ کے کچھ لوگ مسئلہ تفضیل میں ظنیت کے قائل نظر آتے تھے اور شیخین کی افضلیت کو ظنی کہتے تھے اس تقریر میں واضح طور پر تفضیل علیؓ کا عقیدہ بیان کردیا۔ دراصل ظنیت کی بحث چھیڑنے کی وجہ یہ تھی کہ مناسب وقت پر تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ظاہر کریا جائے۔

مناسب ہے کہ زاہد حسین شاہ کی تقریر کا جواب ان صفحات پر ہی دے دیا جائے اور انکے وارد شدہ اعتراضات کا تحقیقی جواب دیا جائے۔

اعتراض: امام حسن بصری کی مراسیل کیوں قابل حجت نہیں؟ دراصل انکا تعلق خاندان نبوت سے تھا انہوں نے اہل بیت کی خدمت کی ہے اس لئے ایک خاص ایجنڈے کے تحت امام حسن بصری کی مراسیل کو محدثین کرام حجت نہیں مانتے جو کہ بغض اہل بیت کا واضح ثبوت ہے۔ (العیاذ باللہ)

جواب: کاش کہ زاہد حسین شاہ اگر صاحب مطالعہ ہوتے تو انہیں اس اعتراض کے کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ دراصل مراسیل کے معاملہ میں علماء حدیث کے مختلف طبقے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو کہ مراسیل کو بالکل قبول نہیں کرتا اور نہ ہی مراسیل کو حجت مانتا ہے جبکہ ایک طبقہ اسکے برعکس ہے اور ایک تیسرا طبقہ وہ ہے جو مراسیل کو حجت مانتا ہے مگر شرائط کے ساتھ۔

تو جس طبقہ کے نزدیک مراسیل قابل قبول نہیں وہ امام حسن بصری اور دیگر تابعین کی مراسیل کو قبول نہیں کرتا اس میں صرف امام حسن بصری کی تخصیص نہیں۔ اگر تفضیلیہ کو تخصیص کی اطلاع ہے تو ہمیں بھی مطلع کریں۔ اور جس طبقہ کے نزدیک شرائط کی قید ہے وہ مراسیل کو شرائط

کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔

امام حسن بصری کی مراسیل کے قبول نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے اقوال اس معاملہ میں مختلف ہیں کہ وہ صحابہ سے ملے یا نہیں؟ اور اگر ملے تو ان سے سماع کیا یا نہیں؟ اس معاملہ کی جانچ پڑتال یہ ہے کہ تلمیذ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ، حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ما حدثنا الحسن عن احد من اھل بدر مشافھة۔

(المعرفۃ والتاریخ ج ۲ ص ۳۵، رقم: ۷۷۶، مراسیل ابن ابی حاتم رقم: ۹۵)

یعنی امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کسی بدری صحابی سے بالمشافہ روایت نہیں کی۔

اور یوں ہی المجروحین ج ۲ ص ۱۶۴ پر ہے۔

الحسن ما رای بدریا قط خلا عثمان بن عفان یعد فی البدریین ولم یشاھد بدراً۔

امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کسی بدری صحابی کو نہیں دیکھا سوائے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بدر میں شامل نہ تھے۔

جبکہ اس موقف کے برعکس امام حسن بصری سے بدری صحابہ کرام سے ملاقات کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان روایات کا تحقیقی جائزہ ملاحظہ کریں تاکہ حقائق واضح ہوسکیں۔

۱۔ امام علقمہ بن مرثد رحمۃ اللہ علیہ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگرد) سے روایت ہے۔

ان الحسن قال واللہ لقد ادرکت سبعین بدریاً۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۳۴)

بے شک امام حسن بصری نے کہا کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو دیکھا۔

اس روایت میں امام حسن بصری کا ستر بدری صحابہ سے روایت تو بیان ہوئی مگر کیا اس روایت کی سند بھی قابل قبول ہے؟ تحقیق کی روشنی میں یہ روایت قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن سعید العطار ضعیف بلکہ شدید ضعیف ہے۔

امام یحیی بن معین نے کہا	منکر الحدیث	الجرح والتعدیل ج ۹ ص ۱۵۲
جوزجانی نے کہا	منکر الحدیث	کامل ابن عدی ج ۷ ص ۱۹۳
علامہ عقیلی نے کہا	منکر الحدیث	الضعفاء ج ۴ ص ۴۰۳

علامہ ساجی نے کہا منکر الحدیث تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۲۱

اور اسی طرح اس روایت میں ایک راوی یزید بن عطاء الیشکری کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب التہذیب، رقم: ۷۷۵۶ پر لین الحدیث کہا ہے۔

۲۔ امام حسن بصری سے ایک روایت مروی ہے۔

صلیت خلف ثمانیة و عشرین بدریاً۔

(تاریخ کبیر ج ۳ ص ۱۶۵، کامل ابن عدی ج ۳ ص ۲۳)

اس روایت کی سند میں خالد بن عبد الرحمن البصری ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

متهم بالوضع، كذاب، مفضوح۔ (لسان المیزان ج ۳ ص ۳۷۹)

۳۔ امام ثعلبی نے اپنی کتاب کشف البیان میں ایک روایت بیان کی ہے کہ

قال ادركت ثلاث مائة من اصحاب النبی ﷺ منهم سبعين بدرياً۔

یعنی امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تین سو صحابہ کرام کو پایا جن میں ستر بدری صحابی تھے۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی کثیر بن مروان ہے اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شديد الضعف، متهم بالكذب۔ (تاریخ ابن معین، رقم: ۴۹۹۷)

اسی طرح مذکورہ روایت کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن یزید آدم الدمشقی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۱۹۷)

۴۔ ابن ندیم نے الفہرست میں نقل کیا ہے کہ

ان الحسن سمع من سبعين بدرياً۔ (الفہرست لابن ندیم ص ۲۳۵)

یہ حوالہ بھی قابل حجت نہیں کیونکہ اول تو ابن ندیم اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے ان کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا گیا۔ مزید یہ کہ ابن ندیم کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الوارق، المعتزلی، الرافضی لکھا ہے۔ (لسان المیزان ج ۵ ص ۷۲)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا کہ بعض محدثین کرام نے مراسیل کے معاملہ میں تقابل کو مدنظر رکھا۔

جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عطاء کی مرسل، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل سے زیادہ بہتر ہے۔ (کتاب الام ج ۳ ص ۱۸۸)

یوں ہی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عطاء کی مرسل حسن بصری کی مرسل سے زیادہ بہتر ہیں۔ (معرفۃ السنن والآثار، رقم: ۱۱۷۶۰)

جبکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ عطاء اور حسن بصری دونوں کی مرسل حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما کی مرسل سے بہتر نہیں۔ (المعرفۃ والتاریخ ج ۳ ص ۲۳۹)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہما کی مرسلات کے عدم قبول اور اسکے سبب پر ارشاد فرماتے ہیں:

مرسلات سعید بن المسیب اصح مرسلات و مرسلات ابراهیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ لا بأس بها، ولیس فی المرسلات شیء اضعف من مرسلات الحسن و عطاء بن ابی رباح فانهما یأخذان عن کل احد۔ (المعرفۃ والتاریخ للفسوی ۳ ص ۲۷۴)

یعنی امام سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما کی مرسلات صحیح ترین ہیں اور مرسلات ابراھیم نخعی رضی اللہ عنہ میں کوئی حرج نہیں۔ اور مرسل میں سب سے زیاد ضعیف امام حسن بصری اور عطا بن ابی رباح کی مرسل ہے کیونکہ یہ دونوں ہر کسی (ضعیف، کذاب، مجھول) سے روایت لیتے تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلہ پر ارشاد فرماتے ہیں:

من ضعف المرسل فانه ضعف من قبل ان هولاء الائمة حدثوا عن الثقات و غیر الثقات فاذا روی احدهم و ارسله لعله اخذه عن غیر ثقة قد تکلم الحسن فی معب الجهنی ثم روی عنه۔ (شرح علل لابن رجب حنبلی ص ۵۳۶)

امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی مرسلات کے عدم قبول پر ابن جریر طبری کا قول بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی اکثر روایات مجاھیل سے ہیں۔

(تہذیب الآثار، مسند علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۱۳)

ایک اور مقام پر ابن جریر طبری کا قول کچھ یوں ہے کہ امام حسن بصری بہت بڑے عالم، فقیہ اور قاری تھے انکے صدق میں کوئی شک نہیں لیکن ان کی مراسیل اکثر مجاہیل سے ہیں۔

اسی سلسلہ میں امام خطابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان الحسن لایبالی ان یروی الحدیث ممن سمع۔

(معالم السنن ج ۲ ص ۲۷۳ تحت رقم الحدیث: ۱۱۷۲)

یعنی امام حسن بصری رضی اللہ عنہ اس بات کی کوئی پرواہ نہ کرتے کہ وہ کس سے حدیث سن رہے ہیں۔ امام حسن بصری کے مرسلات کے عدم قبول کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ آپکے شیوخ میں سے مجاہیل بھی ہیں۔

زاہد حسین شاہ اور انکے حواریوں پر افسوس صد افسوس کہ معاملہ کی تحقیق کئے بغیر محدثین کرام پر حکومتی ایجنڈے کے تحت کام کرنے اور اہل بیت کے مخالف ہونے کا الزام لگایا۔ اب بھی وقت ہے ان غلط باتوں سے چھٹکارا پا کر اہل سنت کے گروہ میں داخل ہو جائیں اور اگر جواب دینا چاہیں تو راقم گیلانی منتظر ہے۔ امام حسن بصری کی مراسیل کے عدم قبول پر چند سطور آپ نے ملاحظہ فرمائیں جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا کہ مراسیل کے معاملہ میں محدثین کرام کے مختلف اقوال ہیں لہٰذا ایسا ہرگز نہیں کہ کسی ایجنڈے کے تحت یا بغض اہل بیت کی وجہ سے امام حسن بصری کی مراسیل کو مطلقاً قبول نہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ زاہد حسین شاہ نے بتانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ درج ذیل محدثین کرام نے شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے مراسیل امام حسن بصری کو قبول بھی کیا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل الآثار ج ۵ ص ۱۰۴ پر

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے علل صغیر ج ۵ ص ۷۵۴ پر

ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح علل ترمذی ص ۵۳۶ پر

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ابن ابی الدنیا کی کتاب المرض والکفارات رقم: ۲۸ پر

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے النکت علی ابن الصلاح للزرکشی ص ۵۹۴

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے العدۃ فی اصول الفقہ ابی یعلی ج ۳ ص ۹۲۳

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ ابن معین، رقم: ۴۲۴۸ پر

امام علی بن المدینی ؒ نے شرح علل الترمذی ص ۵۳۷ پر
امام ابوزرعہ الرازی ؒ نے الکامل ابن عدی ج ا ص ۱۳۲ پر
امام سخاوی ؒ نے المقاصد الحسنہ ،رقم: ۸۴ ۳ پر
امام ابونعیم اصفہانی ؒ نے حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۶۵ پر
امام ابن عبدالبر ؒ نے التمہید ج ا ص ۳۷ پر مراسیل امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کو قبول کیا ہے۔

ذرا نظر گذشتہ صفحات پر دوڑائیے تو معلوم ہوگا مذکورہ ائمہ میں سے وہ بھی ہیں جو مراسیل امام حسن بصری رضی اللہ عنہ پر جرح کرتے ہیں۔ جو مراسیل شرائط پر پوری اترتی ہیں محدثین نے انھیں قبول کیا بصورت دیگر عدم قبول کو مدنظر رکھا۔ افسوس زاہد حسین شاہ پہ جنھوں نے محدثین کرام کی ذات کو مشکوک کرنے کی کوشش کی۔

اعتراض: سید زاہد حسین شاہ نے دوران تقریر ایک اعتراض یہ بھی کیا کہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک روایت اس لئے بیان نہیں کرتا کہ حجاج بن یوسف سے ڈرتا ہوں، سر قلم ہو جائے گا۔ (اس اعتراض کے درمیان یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ جو بات امام حسن بصری ؓ نے حجاج بن یوسف کے ڈر سے بیان نہیں کی اس کا تعلق فضائل مولی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا فضائل اہل بیت سے تھا۔)

جواب: زاہد حسین شاہ اور انکے حوارین پر قیامت تک یہ قرض ہے کہ (قلم ہو جائے گا کے الفاظ روایت میں دکھائیں۔ بصورت دیگر علی الاعلان توبہ کریں۔ وہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ جو مولیٰ علی المرتضیٰ کے علوم کے فیض یافتہ ہیں، جو سلاسل طریقت کے پیشوا ہیں انکے بارے میں ایسی خرافات آپ کو ہی مبارک ہوں۔

امام حسن بصری سے مروی اس قول کی سند میں ایک راوی عطیہ بن محارب ہے۔ جس کو الجرح و التعدیل ج ۲ ص ۴۶۷ پر مجھول لکھا ہے۔

اس سند کا دوسرا راوی ثمامہ بن عبید ہے۔ اس راوی کو الجرح و التعدیل ج ۲ ص ۴۶۷ پر کذاب لکھا ہے۔

اس قول کی سند میں تیسرا راوی محمد بن موسیٰ بن نصیح ہے۔ اس کو حافظ ابن حجر ؒ نے تقریب

التہذیب، رقم: ۶۳۳۸ پر کمزور اور ضعیف راوی لکھا ہے۔

امام حسن بصری سے مروی قول کی سند میں ایک راوی محمد بن حنفیہ الواسطی کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان ج ۵ ص ۱۵۰ پر لیس بالقوی لکھا ہے۔

قارئین کرام، ایسے کمزور، ضعیف اور کذاب راویوں سے روایت پیش کر کے سید زاہد حسین شاہ نے مسلمانوں کے ایمان پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔

اعتراض: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم کے دو حصے حاصل کئے، اگر دوسرا حصہ بتادوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔ دراصل وہ ایجنڈت سے ڈرتے تھے۔ (یہ تاثر دینے کی کوشش کی دوسرا حصہ جو بیان نہ کیا اس میں فضائل اہل بیت تھے یا یزید کے خلاف روایات تھیں)

جواب: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ زاہد حسین شاہ کا عقیدہ صحابہ کرام کے بارے میں کیا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے مگر اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی بھی صحابی خوف خدا کے علاوہ کسی کا خوف نہیں رکھتے تھے۔

کاش زاہد حسین شاہ اپنے مطالعہ کو مزید وسیع کرتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ جس علم کے بارے میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں یہ علم ان واقعات سے متعلق تھا جو ۶۰ ھ کے بعد رونما ہونے والے تھے اور وہ ایسے امور تھے جو عقل کے ادراک سے بلند و بالا تھے اور ان کا تعلق احکام سے نہ تھا۔ جن روایات کا تعلق احکام سے تھا وہ بیان فرما چکے تھے اور علم کا دوسرا حصہ اس لئے بھی بیان نہیں کیا کہ کہیں لوگ اسے جھٹلا نہ دیں۔ جیسا کہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان عالیشان ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگوں سے دین کی وہ باتیں کہو جو وہ سمجھیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام جھٹلا دیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴)

اسی سلسلہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ بھی مشعل ہدایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اس حال میں ملے کہ وہ دنیا میں شرک نہ کرتا ہو وہ جنت میں جائے گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لوگوں کو یہ فرمان عالیشان نہ بتادوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں لوگ اس پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴)

نیز حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے یہ کب کہا کہ میں حکمران سے ڈرتا ہوں یہ حوالہ ثابت کرنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔

زاہد حسین شاہ کی تقریر سے یہ بھی تاثر ملتا ہے کہ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کرام کے فضائل حکمرانوں کے ڈر کی وجہ سے بیان نہیں کیے۔ کیا زاہد حسین شاہ صاحب کو سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے اس قول پر اطلاع نہیں ہے کہ جب سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ایک مقام پر امام حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا کہ میں اس شخص (امام حسن رضی اللہ عنہ) سے ہمیشہ محبت کرتا ہوں۔ (مستدرک حاکم: ۴۷۹۱)

اور اس روایت کی تعلیق میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی توثیق کی ہے۔

اسی تقریر کے دوران سید زاھد حسین شاہ صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اس وقت کے حکمرانوں سے ڈرتے تھے اور انکے خفیہ ایجنڈے پر عمل کرتے تھے۔ مگر سید زاہد حسین شاہ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور دلیری کے بارے میں کیا فرماتے تھے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بہت دلیر تھے۔ وہ دلیری کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایسی باتیں پوچھتے جو ہم نہ پوچھ سکتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۲۶۹)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی دلیری اور صداقت اور راست بازی کے بارے میں ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا۔ واپسی پر ۱۰۰۰۰ درھم کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر اس کے جواب میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے حکمران کے سامنے سچ کا بیان بے باکی سے کیا۔ اور کسی قسم کو خوف محسوس نہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان سے یہ مکالمہ اس وقت کا ہے جب انھیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے معزول کیا تھا۔ (طبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۳۳۵)

بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں بحال کیا مگر پھر حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ذمہ داری کی وجہ سے اس عہدے کو قبو نہ کیا۔

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شجاعت پر دلیل ایک دوسرا اہم واقعہ بھی ہے۔

جب حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زہر دیا گیا تو سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے اجازت چاہی۔ اور بنو امیہ پر اعتراض کیا۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے مروان کا مخاطب ہو کر کے فرمایا: تم نہیں، خلیفہ دوسرا ہے۔ تم ایسے کاموں میں دخل دیتے ہو جو تمہارے لئے مناسب نہیں ہیں۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۲۰۹، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۸)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جرآت اور بہادری کے باوجود حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے علم کا وہ حصہ بیان کیوں نہیں فرمایا؟

امام حسن بصری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے درست کہا کہ اگر وہ لوگوں کو یہ بتاتے کہ خدا کا گھر ویران ہو جائے گا یا جل جائے گا تو فرطِ عقیدت سے ان باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عن عبداللہ بن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ما حدث احدکم قوماً بحدیث لا یفھمونہ الا کان فتنۃ علیھم۔

(اتحاف السادۃ للزبیدی ج ۱ ص ۲۵۳)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے علم کا جو دوسرا حصہ بیان نہ فرمایا، اسکے کچھ اشارے ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی ملتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً فتنے برپا ہوں گے جس میں بیٹھا ہو شخص کھڑے ہونے والے سے، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا کوشش کرنے والے سے بہتر ہوگا۔ جس کو بھی ایسے واقعات کا سامنا ہو تو دبانے کی کوشش کرے اور جس کو پناہ اور امن کی جگہ نظر آئے تو پناہ پکڑے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۸)

اگر اس صورت حال میں لوگ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلا دیتے تو کیا نتیجہ ہوتا، اسکا جواب بھی انتہائی تلخ ہے اور پھر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ ایسے معاملات کو دبانے کی کوشش کی جائے۔ تو ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے بیان نہ کیا ہو۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے علم کے حصہ کو بھی بیان کیا ہے۔ سیدنا ابو ہریرۃ رض نے فرمایا کہ اے عرب، اس شہر سے آگاہ رہو جو جلد آنے والا ہے۔ کامیاب ہو ہو گا جس نے اپنے ہاتھ کو باندھ کر رکھا۔ (سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۲۲۷)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھ ہوگی۔ مروان نے پوچھا لڑکوں کے ہاتھوں سے؟ حضرت

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، اگر تم چاہو تو میں انکے نام بیان کروں؟ بنو فلاں بنو فلاں۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث:۳۰۶۵)

یوں ہی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قریش کا ایک قبیلہ لوگوں کو ہلاک کر دے گا۔ صحابہ نے پوچھا ایسی صورت میں ہمیں کیا حکم ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کاش لوگ ان سے جدا رہیں۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث:۳۰۶۸)

بہر حال جو علم حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ظاہر نہ فرمایا اس کا تعلق فتنوں سے تھا نہ کہ زاہد شاہ صاحب کی خوش فہمی (کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حکمرانوں سے ڈرتے یا اپنی جان کی پرواہ کرتے تھے یا حکمرانوں کے ایجنڈے پر عمل کرتے، تھے) کے مطابق تھا۔ (استغفر اللہ العظیم)

اعتراض: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آئمہ اہلبیت سے احادیث نہیں لیں۔

جواب: سید زاہد حسین شاہ صاحب اور انکے حوارین اہل تشیع کی راہ پر چلنے کا کوئی موقع ہاتھ سے خالی نہیں جانے دیتے۔ حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ زاہد حسین شاہ صاحب نے صحاح ستہ کا مطالعہ بھی نہیں کیا۔ اگر کیا تو حضور محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان سے یکسر محروم ہو چکے ہیں، کاش کہ آپ محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دامن سے وابستہ رہتے تو

یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا!

یہ معلوم نہیں کہ سید زاہد حسین شاہ صاحب اہل بیت میں کن کن ہستیوں کو شامل کرتے ہیں؟ مگر میرے مطالعہ کے مطابق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ اہل بیت سے روایات لیں ہیں، جس کی تحقیق پیش خدمت ہے۔

امام بخاری نے حضرت علی المرتضیٰ سے روایات لی ہیں۔

امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایات لی ہیں۔

امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایات لی ہیں۔

حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے کئی روایات لی ہیں۔

صحاح ستہ میں امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایات موجود ہیں۔

امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب المفرد میں روایت لی ہے۔

امام موسیٰ بن کاظم رضی اللہ عنہ سے امام ترمذی اور ابن ماجۃ رحمۃ اللہ علیہ نے روایات لی ہیں۔

امام علی بن موسیٰ الرضا رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایات لی ہیں۔

آئمہ حدیث کو سزاوار ٹھرانے سے پہلے کم از کم اتنا ضرور دیکھ لیتے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد امام ذہلی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی صحیح میں روایت نہیں لی، تو کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے استاد سے بغض تھا یا اس میں بھی بقول آپکے کوئی ایجنڈ ا کارفرما تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت اپنی صحیح میں نہیں لی۔

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کم از کم ایک لاکھ چودہ ہزار ہے جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کم وبیش ۱۰۰ کے لگ بھگ صحابہ سے روایات لی ہیں۔ اگر مذکورہ جواب کو آپ سوال سمجھیں تو راقم گیلانی غفرلہ منتظر جواب ہے کہ ان آئمہ حدیث نے تو اپنے اساتذہ سے بھی روایات نہیں لیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی صرف ۱۰۰ صحابہ سے روایات لیں۔

اعتراض: امام مالک نے موطا میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایات نہیں لیں۔

جواب: یہاں بھی سید زاہد حسین شاہ صاحب نے اپنی روایت کو برقرار رکھا اور بے جا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر بزدل ہونے کا الزام دھرا اور حیرانگی اس بات کی ہے کہ خود ہی معترف بھی ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دونوں بازو سچ بات کہنے پر اکھڑوائے، تو کیا ایسا کرنا بزدلوں کا شیوا ہوتا ہے۔ بہر حال موطا امام مالک نسخہ یحییٰ لیثی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ۲۵ روایات موجود ہیں۔

اعتراض: امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام علقمہ حنفی مذہب کے بانی ہیں یہ اپنے استاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

جواب: امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ مذہب حنفی کے بانی کب سے ہوئے، اگر آپ کے مطابق مذکورہ حضرات اگر مذہب حنفیہ کے بانی ہیں تو اس کا ثبوت فراہم کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ تلامذہ افضلیت مطلقہ کے قائل ہیں اسکا ثبوت فراہم کرنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔ جس سے آپ کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اور اگر پیش کردہ قول آپ کے نزدیک درست ہے تو پھر خود کیوں نہیں مانتے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل کیوں نہیں ہو جاتے؟

اعتراض: حد مفتری والی حدیث گھڑی گئی ہے اسکی کوئی اصل نہیں، قیامت تک اس کا جواب کوئی

نہیں دے سکتا، اس حدیث کی سند نہیں۔

جواب: حد مفتری والی حدیث غایۃ التبجیل مترجم ص ۳۲۴ پر ہے کہ ابو اسحق فزاری نے ثابت سند کے ساتھ اور انکی سند سے خطیب بغدادی نے الکفایۃ میں نقل کیا ہے اور شاید آپ یہ بھول رہے ہیں کہ غایۃ التبجیل پر آپکی تحریر تائیداً موجود ہے۔ غایۃ التبجیل کے تعریفی پل باندھتے وقت یہ اعتراض مدنظر کیوں نہ رہا؟ اب اس بات کا تعین آپ نے کرنا ہے کہ آپ کی تائیدی تحریر صحیح ہے یا شیخ محمود سعید ممدوح کی تحریر؟

اعتراض: شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ میری بصیرت یہ کہتی ہے کہ مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم افضل ہیں لیکن مجھے مجبور کیا گیا ہے اس لیے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانتا ہوں۔ وہی مجبوری کہ لوگ شیعہ کہیں گے۔

جواب: زاہد شاہ صاحب کا یہ رویہ انکو اور انکے حوارین کو لے ڈوبی اگر سنیت کی آنکھ سے دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے اپنی کتاب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ حضرت علی ؓ کو حضرت ابو بکر صدیق ؓ پر فضیلت نہ دیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو ماننا بھی ایجنڈا ہے تو

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

اعتراض: شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مولی علی افضل ہیں اور ملا علی قاری کی زندگی کی آخری کتاب شم العوارض میں بھی لکھا ہے۔

جواب: شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہاں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں؟ اس کا جواب بھی قیامت تک ادھار رہے گا۔ اور شم العوارض ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی آخری کتاب ہے اس کی نشاندہی بھی آپ ہی فرمائیں گے یا اپنے جھوٹے ہونے کا اعلان کریں گے۔ کیوں کہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ شم العوارض ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔

اعتراض: بڑے بڑے لوگوں نے تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر کام کیا مثلاً سید علی ہمدانی نے تفضیل علی ؓ پر کتاب لکھی۔ پیر معروف حسین شاہ صاحب بھی تفضیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں۔

انکے جد امجد شریف احمد شرافت نوشاہی نے کتاب فضائل قادریہ میں تفضیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کاذکر کیا ہے۔

جواب: سید علی ہمدانی نے کتاب میں افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کاذکر کس مقام پر کیا ہے؟ افسوس صد افسوس اس غلط بیانی پر۔ پیر معروف شاہ نوشاہی صاحب نے دوران گفتگو بتایا کہ وہ مسلک اعلیٰ حضرت پر سختی سے کاربند ہیں اور رہیں گے۔ ان کے تمام عقائد وہی ہیں جن پر اعلیٰ حضرت نے مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے اور انہوں نے کتاب فضائل قادریہ دوبارہ نہیں چھپوائی اور نہ ہی اس کتاب میں افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کاذکر ہے۔

اعتراض: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اہل بیت کے ناموں پر کسی نے نام نہیں رکھے اور یہ بھی ایجنڈے کے تحت ہوا۔

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اہل بیت کے نام پر علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے نام علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الکاشف رقم: ۳۸۷۱ تا رقم: ۳۹۸۰ ملاحظہ کیجئے۔ ۱۰۰ سے زائد نام ہیں۔ کیا آپ کو مطالعہ کرنے کی اتنی بھی فرصت نہیں کہ مذکورہ حوالہ میں اہل بیت اطہار کے ناموں کو اعتراض کرنے سے پہلے ملاحظہ فرما لیتے۔

جناب سید زاہد حسین شاہ صاحب اپنی پوری تقریر کے دوران ایجنڈے کا لفظ الاپتے رہے مگر یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کون سا ایجنٹ تھا جس کی طرف اشارہ کرتے رہے اور کس کا طے کیا ہوا ایجنڈہ تھا؟ کیا کسی ایک شخص نے اس ایجنڈے کو طے کیا یا بعض افراد نے یا پوری امت اس ایجنڈے میں ملوث تھی؟

(نوٹ: زاہد حسین شاہ صاحب کی تقریر میں کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات مکمل ہوئے)

تفضیلیہ نے انتہائی چالاکی سے اہل سنت کے سادہ لوح عوام کے اذہان میں یہ راسخ کرنے کی کوشش کی کہ مسئلہ تفضیل میں اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو افضل مانا جائے تو اس سے کوئی بھی حرج نہیں ہوتا۔ مسلمانو یاد رکھو سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو تمام صحابہ سے افضل ماننے والا تفضیلی ہے اور تفضیلی بالاتفاق اہل سنت سے خارج ہے۔

جوابی کتاب لکھنا ایک اہم ذمہ داری ہے اور خصوصاً یہ ذمہ داری اسوقت بہت بڑھ جاتی ہے جب کتاب میں قطع وبرید اور دجل سے کام لیا گیا ہو۔ چونکہ غایۃ التبجیل میں صاحب کتاب نے انتہائی

مکاری سے اہل سنت کے علماء کے حوالہ جات قطع و برید سے پیش کئے ہیں۔اور بعض مقامات پر ان لوگوں کو اہل سنت بنا کر پیش کرنے کو کوشش کی ہے جن کا تعلق دور سے بھی اہل سنت سے نہیں۔اس صورت حال میں جوابی کتاب کا لکھنا ایک ایک اہم ترین ذمہ داری ہے۔ایک طرف مصنف کی مکاری وعیاری کی نشاندہی کرنا پڑتی ہے اور دوسری جانب قطع و برید کو واضح کرنا پڑتا ہے جوکہ ایک عظیم بارِ گراں ہے۔مگر میں اس وقت انگشت بدنداں ہوگیا جب غایۃ التبجیل کاردایک سنی راسخ العقیدہ جناب فیصل خان کے ہاتھوں سے لکھا ہوا پڑا۔جناب فیصل خان کے قلم کی دھار کتاب کی صورت میں دیکھتا گیا اور حیرت کی وادیوں میں گم ہوتا چلا گیا اور سوچتا رہا کہ یا خدایا یہ کیا ماجرا ہے کہ تفضیلیہ کی کمر پر سومن کا پہاڑ گر گیا ہے۔آخر بے ساختہ پکار اٹھا۔

یہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

اور اپنے ان خیالات کا اظہار موصوف سے بھی کیا تو موصوف بے ساختہ اثبات میں سر ہلانے لگے اور مسکرا کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ؒ کے فیضان کا ذکر کرنے گئے۔جی ہاں یہ اکابرین اہل سنت کا ہی فیضان ہے کہ فیصل خان صاحب تفضیلیہ کے ہر دجل وفریب کا دندان شکن جواب دے رہے ہیں۔کاش ہمارے علمائ،خطباء اور عوام اہل سنت جناب فیصل خان صاحب کی کتب سے بھرپور استفادہ کریں اور دوسرے لوگوں کو اسکی ترغیب دلائیں۔

اس موضوع پر جناب فیصل خان صاحب کی دو کتابیں اس سے قبل بھی آچکی ہیں،جنہیں اہلسنت کے حلقوں میں انتہائی پذیرائی حاصل ہوئی۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی کتابوں کو ہدایت کا ذریعہ بنائے۔(آمین)

فقط غبارِ راہِ درِ بتول

ابو تراب سید ذو الفقار گیلانی رضوی

❀❀❀❀

سبب تالیف

افضلیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل سنت و جماعت کے مسلمہ عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ ہے۔ جس پر ماسوائے روافض اور نام نہاد سنی (تفضیلی) حضرات کے کسی بھی مسلمہ شخصیت نے اعتراض کرنے کی جرأت نہ کی۔ لیکن گذشتہ چند سالوں سے مسئلہ افضلیت شیخین جوکہ اہل سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے پر اعتراضات کرنے کی سعی لا حاصل کی گئی جس سے عوام وخواص میں ایک تشویش کی لہر دوڑنا ایک فطری امر تھا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی شیخ محمود سعید ممدوح کی کتاب غایۃ التبجیل کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ راقم کو اس کتاب کے مطالعہ کا موقع تقریباً ایک سال قبل ملا اور یہ کتاب اس وقت اردو ترجمہ کی صورت میں شائع نہ ہوئی تھی۔ چونکہ اس کتاب کو عوام کے ہاتھ میں آنا اس وقت محض ایک ناپختہ خیال تھا لہٰذا راقم نے اس کتاب کے حوالہ جات اور معروضات پر اپنی تحقیق کو منظر عام پر لانا مناسب نہ جانا۔ لیکن چند ماہ قبل جب راقم کے بعض مخلص دوستوں نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کے منظر عام پر آنے سے قبل اطلاع دی تو راقم نے اس سلسلہ میں اہل سنت و جماعت کے چند اہل علم شخصیات کی توجہ اس طرف مبذول کروانا مناسب جانا کہ ایسی کتب کو منظر عام لانے سے اہل سنت کا شیرازہ مزید بکھرنے کا امکان ہے۔ لیکن راقم کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب راقم کو کچھ ایسے ستائشی کلمات سے نوازا گیا کہ شیخ محمود سعید ممدوح کی کتاب ایک تحقیقی کتاب ہے اس کو منظر عام پر آنا چاہیے۔ مزید براں یہ کہ آپ کو اس مسئلہ میں کیا تکلیف ہے۔ راقم حیراں تھا کہ اگر اہل سنت و جماعت کی اہل علم شخصیات اس فکر کی ترجمان ہیں تو اہل سنت و جماعت کے مستقبل کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ایسے مسائل پر امت تو بالاتفاق ایک نظریہ وسوچ کی حامل ہے۔ ایسے مسائل کو جدید اور نئی تحقیق کا نام لے کر اعتراضات کرنے کی سعی کوئی قابل تحسین امر نہیں۔

مگر جب کتاب شائع ہوئی تو مزید حیرانی ہوئی کہ اس کتاب کا ترجمہ کراچی کے ایک نامور عالم جناب شاہ حسین گردیزی صاحب کے شاگرد عزیز جناب محمد علی حسینی صاحب نے کیا ہے۔ محمد علی حسینی صاحب سے جب رابطہ کیا تو انھوں نے کہا کہ اس مسئلہ پر میرا مطالعہ نہیں میں نے تو صرف کسی کی فرمائش پر اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔ یہ سن کے تشویش ہوئی کہ اہل سنت سے تعلق رکھنے والے شخصیات کو کیا ہوگیا ہے؟ میں جب اس کتاب کو ترتیب دے رہا تھا تو معلوم ہوا کہ غایۃ التبجیل کو شائع

کروانے کی تحریک جناب سید عظمت حسین شاہ صاحب، راول پنڈی کی مرہون منت ہے اور اس کے ترجمہ کرانے سے لے کر اس کتاب کو شائع کروانے تک جناب سید عظمت حسین شاہ صاحب کا اہم کردار ہے۔

غایۃ التبجیل میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ظنی کہہ کر عوام الناس میں اس مسئلہ کو مشکوک کیا اور مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کے بعد اپنے اصل مدعا کی طرف لوگوں کو مائل کیا ہے۔ شیخ محمود سعید ممدوح ص ۳۳۴ [مترجم] پر حضرت علی المرتضیٰ کی افضلیت کا اقرار کرتے ہوتے لکھتا ہے:

"بے شک حضرت ہارون، حضرت موسیٰ کے بعد لوگوں میں افضل تھے تو واجب ہے کہ اسی طرح سیدنا علی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دلالۃ المطابقۃ کی رو سے سب لوگوں سے افضل ہوں۔"

شیخ محمود کی طرح پاکستان میں بھی چند لوگوں کا یہ وطیرہ ہے کہ لوگوں کے سامنے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل کہے تو اسے اہل سنت سے خارج قرار نہیں دیا جانا چاہیے۔

اس کے جواب میں اتنا عرض کر دوں کہ اگر آپ کا فتویٰ یہ ہے کہ مولی علی رضی اللہ عنہ یا کسی اور کو افضل ماننے سے اہل سنت سے خارج نہیں ہوتا تو پھر آپ لوگ حضرت علی المرتضیٰ کی افضلیت کا اقرار عوام الناس کے سامنے کرنے سے کتراتے کیوں ہیں؟ اور مزے کی بات یہ ہے کہ جو بھی مسئلہ افضلیت کو ظنی کہتا ہے وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں وارد شدہ روایات اور احادیث کا رد اور تاویل کرتا ہے۔ جس کا بین ثبوت شیخ محمود سعید ممدوح کی کتاب غایۃ التبجیل ہے۔ اس کتاب میں ہر جگہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت والی روایات پر ہاتھ صاف کیا گیا ہے۔

وہ لوگ جو عوام الناس میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا راگ الاپتے ہیں اور مسئلہ افضلیت کو ظنی کہتے نظر آتے ہیں۔ مگر اپنی محفلوں میں سیدنا علی المرتضیٰ کو افضل ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اس دوغلے رویہ پر سید میر عبد الواحد بلگرامی کے مندرجہ ذیل الفاظ بالکل صحیح منطبق ہوتے ہیں۔

آخر یہ اہل بدعت وضلالت وہی تو فرقہ ہے جو اپنے آپ کو اسلام کے لباس میں، محض دھوکہ دہی کی خاطر ظاہر کرتا ہے اور اپنے خراب عقیدوں کو سینے میں چھپائے رکھتا ہے اور ظاہر میں مسلمانوں میں گھلا ملا رہتا ہے اور خود کو حق آگاہ عالموں کی صورت میں ظاہر کرتا ہے اور جب موقع پاتا

ہے۔ایمانی عقیدوں کو بگاڑنے اور اسلامی ستونوں کو ڈھانے کے لیے نئی بنیاد قائم کرتا ہے اور سادہ لوح مسلمانوں کے پاک دلوں کو فطری پاکی سے پھیر دیتا ہے۔خود کو اسلامی پیر کے پردہ میں چھپاتا اور مخلوق خدا کی نظروں سے چھپ کر لوگوں کو بدعت کی دعوت اور گمراہی کی جانب بلاتا ہے اور یہ اسلام کے سادہ دل مسلمان جو نیک اور بد اور سنت و بدعت کو نہیں پہنچانتے۔ان کی فصاحت بھری عبارتوں اور بلاغت سے پرُ کلموں پر،بھول کر دین کے دشمن اور شیطان کے ساتھی بن جاتے ہیں اور جب علماء دین اور بزرگان اسلام کے علم کی روشنی سے ان کی گمراہی کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔تو لا محالہ یہ لوگ اہل شریعت کو اپنا دشمن بنا لیتے ہیں اور اللہ والے علماء،،جو یقیناً آسمان اسلام کے ستارے ہیں،لوگوں کو ان انسانی شیطانوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور ان کے نورانی سانس،شہاب ثاقب کی طرح شریعت کے ان اُچکوں کو چاروں طرف ہانک دیتے ہیں اور ان کو پتھراؤ اور سنگ باری سے متفرق کر دیتے ہیں۔(سبع السنابل ص ۵۹ مترجم)

اس کے بعد سید میر عبد الوحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان افروز بیان لکھا ہے جس پر ہر سنی کو عمل پیرا ہونا چاہیے:

''پس اے بھائیو،خوب جان لو کہ سنت کے بھیدوں کی گہرائی کو جاننا اور بدعت کے نشانوں کی اندرونی باتوں کو معلوم کرنا ممکن ہی نہیں جب تک ایمان اور اسلام کی روشنی اور محبت و تعظیم کی رہبری میسر نہ ہو۔''(سبع السنابل ص ۵۹ مترجم)

میں مذکورہ عبارت کا نتیجہ اخذ کرنا قارئین پر چھوڑتا ہوں۔میر سید عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر غور فکر کریں اور اپنے عقیدہ کی حفاظت کریں۔

شیخ محمود سعید ممدوح کی اس کتاب کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ پیش کرنے سے قبل راقم دست بستہ التجا کرتا ہے کہ اس ادنٰی سی کاوش کو اہل علم حضرات ضرور اپنی آراء سے مزید بہتر بنانے کے لیے راقم کی رہنمائی فرمائیں۔

خادم اہلِ سنت و جماعت

فیصل خان رضوی (راولپنڈی)

مورخہ:24-09-2012

بروز:پیر،وقت:شام 3:00 بجے

مقدمہ

مسئلہ افضلیت شیخین کریمین رضی اللہ عنہما انتہائی اہم نوعیت کا حامل ہے. اس ضمن میں جب تک اس مسئلہ کا جائزہ ہر جہت وزاویہ سے نہ لیا جائے تو اس مسئلہ کی بعض پیچیدگیاں سلجھنا ایک مشکل کام ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کی حساسیت اور اسکے بعض گوشوں کا انتہائی علمی مسائل سے متعلق ہونا، تفضیلی حضرات کو خاطر خواہ نتائج مہیا کرنے میں مفید رہا ہے۔

کسی بھی شخص کو گمراہ کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ ایسے شخص پر اس کا عقیدہ مشکوک کر دیں اور اسے شکوک وشبہات میں ڈال دیں۔ کیونکہ جب انسان شک میں پڑ جاتا ہے تو پھر اسے اپنی طرف راغب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ مسئلہ افضلیت کے بارے میں تفضیلی حضرات طرح طرح کے سوالات اُٹھا کر آپ کو سوچنے پر مجبور کر دیں گے اور پھر آپ کے لیے ان کا موقف ماننا آسان ہو جائے گا۔ لہٰذا ایسی صورتحال میں آپ صرف اور صرف اکابرین اور جمہور امت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں کیونکہ ہماری عقل وفراست سے کہیں زیادہ فہم ہمارے اکابرین کا تھا اور وہ اس مسئلہ کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ہمارے عقیدے کے امام مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ کے عقیدے پر ہی اپنا موقف مضبوط رکھیں اور کسی شک وشبہ میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جمہور اُمت کے عقیدے پر رہنے سے انسان خطا سے بچ جاتا ہے۔ اگر آج کل کا کوئی مولوی یا عالم یہ کہے کہ اُس کے پاس کثیر کتابیں اور مطالعہ ہے لہٰذا اُس کا موقف درست ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ مطالعہ کے علاوہ ایک اہم چیز ہے اور وہ ہے فہم و فراست۔ جس عالم کا فہم وفراست صحیح نہ ہو تو اس کا مطالعہ اسے کوئی نفع نہیں دیتا بلکہ وہ خود تو گمراہ ہوتا ہی ہے مگر ساتھ ساتھ وہ دوسروں کو بھی گمراہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا اپنے بزرگوں کے عقیدوں پر یقین کریں اور نام نہاد تحقیق میں اپنے آپ کو شک کی وادیوں میں بھٹکنے سے بچائیں۔

لہٰذا مسائل اعتقادیہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے عوام وخواص کے لیے یہ مسئلہ ایک اہم نوعیت کا حامل ہے۔ اس سے قبل کہ اس مسئلہ پر اپنی معروضات قلمبند کروں چند اہم اصول وضوابط پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

تفضیلیہ کی حیلہ سازیاں

مسئلہ افضلیت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ضمن پر تفضیلیہ کے چند سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- تفضیلیہ کہتے ہیں کہ مسئلہ تفضیل قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ لہٰذا ظنی ہے تو پھر کسی کو بھی افضل سمجھ لیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جواباً عرض یہ ہے کہ مسئلہ افضلیت کو قطعی مانا جائے جو کہ اکثر اہل علم کا مذہب ہے یا ظنی تسلیم کر لیا جائے دونوں صورتوں میں اس کا منکر اہل سنت سے خارج، فاسق اور بدعتی ہوتا ہے کیونکہ اگر تفضیل کو قطعی مانا جائے تو مرتبہ فرض میں رہے گی اور اگر ظنی تسلیم کیا جائے تو وجوب کے درجہ میں شمار ہوگی۔ دونوں کا خلاف نفس لحوق اثم میں یکساں ٹھہرا، پھر ظنی ٹھہرا کر تفضیلی حضرات کا کیا کام نکلا؟

نوٹ: راقم نے ایک تفضیلی ظہور احمد فیضی (مصنف شرح خصائص علی رضی اللہ عنہ) سے استفسار کیا کہ یہ قطعی اور ظنی کے مسئلہ میں عوام الناس کو کیوں الجھایا جا رہا ہے؟ تو فیضی صاحب نے جواب دیا کہ جو لوگ اس مسئلہ کو ظنی کہتے ہیں اصل میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں اور لوگوں کے سامنے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اقرار کرتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ مسئلہ ظنی ہے۔ ظہور احمد فیضی صاحب کی یہ بات حقیقت پر مبنی ہے۔ کیونکہ میں جن اصحاب سے ملا جو کہ اس مسئلہ کو ظنی کہتے ہیں دراصل وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو افضل مانتے ہیں۔ جو کہ راقم کے ذاتی تجربات سے ثابت ہے۔

۲- تفضیلی حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ امام زید بن علی رضی اللہ عنہ صحابہ میں سب سے افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے تھے۔ لہٰذا جب وہ اہلِ سنت سے خارج نہیں ہوئے تو پھر ہم کیسے اہل سنت سے خارج ہو سکتے ہیں۔ جواباً گذارش یہ ہے کہ امام زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عقیدہ کسی کتاب میں بسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا کتابوں میں بلا سند قول کا آجانا اس کی صحت کو متلزم نہیں ہے۔ یہاں تک کہ صحیح بخاری میں بھی جو اقوال بے سند ہیں محدثین کرام کے نزدیک وہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں ہیں جب تک ان کی سند نہ مل جائے۔ نیز باب العقائد میں امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کی جو اہمیت حاصل ہونی چاہیے وہ تفضیلیہ سے بھی پنہاں نہیں۔ مزید یہ کہ شاذ اقوال کو پیش کرنا کسی طرح بھی قابل تحسین فعل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ بات اہل علم حضرات سے پوشیدہ نہیں کہ شاذ اقوال کو اہلسنت و جماعت کے عقائد کے باب میں کسی طرح بھی

شرف قبولیت نہیں دیا جاسکتا۔

۳- کبھی تفضیلی حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ تفضیل یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت خلافت میں تھی نہ کہ مطلقاً افضلیت میں۔ لہٰذا اس مسئلہ کو خلافت کے ساتھ جوڑنا خود ایک بے جوڑ سا کلام ہے۔ متکلمین اور محققین نے افضلیت کے مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مانا ہے۔ مزید یہ کہ یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت میں افضل ہیں تو وہ تمام صحابہ کرام سے مطلقاً افضل نہیں ہو سکتے۔ مقام تعجب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کس طرح ایک مفضول شخص کو اپنا خلیفہ مان سکتے ہیں؟ پھر اس پر کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ افضل کی موجودگی میں خلیفہ مفضول ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ یہاں یہ مطلقاً خلافت کے بارے میں احتمالی قاعدہ ہے۔ اصل میں بات تو یہ ہے کہ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واقعتاً مفضول بھی تھے یا نہیں۔ تو پھر اس احتمال کو بیان کرنے والوں کی نیت کیا ہے؟

بر سبیل تنزل اگر مان لیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلافت میں ہی افضل تھے تو پھر سوال یہ ہے کہ آپ لوگوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ خلافت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ بشمول سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ تو پھر جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے کی اُن اُن شرائط میں افضل ہیں جو شرائط علماء اعلام نے تقرر خلیفہ کے لیے بیان فرمائی ہیں ان میں خلیفہ کا شجاع ہونا، صاحب رائے ہونا، عادل، مجتہد۔ (مجتہد وہ شخص جو ایک بڑا حصہ احکام فقہ کا جانتا ہو مع دلائل تفصیلیہ یعنی کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اس کی علت جانتا ہو) قاضی یعنی قضاء کا جاننا شامل ہیں۔ اگر تفضیلیوں کا یہ قاعدہ مان لیا جائے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت میں سب صحابہ سے افضل تھے اور خلیفہ کی کم سے کم شرائط میں مجتہد، شجاع اور فقہ کا علم رکھنا شامل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان تمام شرائط میں تمام صحابہ بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ جو کہ یقیناً تفضیلیہ کو بھی قابل قبول نہیں، کیونکہ اس طرح تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے بڑے مجتہد، سب سے زیادہ شجاع اور بہادر اور سب سے بڑے قاضی بن جاتے ہیں۔ جبکہ تفضیلی حضرات تو یہ سب خصوصیات خاص طور پر شجاع اور قاضی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں۔

۴- تفضیلیہ حضرات کا ایک ہتھکنڈہ یہ بھی ہے کہ ہم تو سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی افضل مانتے ہیں مگر اس مسئلہ کو ظنی کہتے ہیں۔ لیکن ظنی عقائد کا انکار کرنے والوں کے متعلق کسی بھی طرح کا حکم لگانے میں حیل وحجت سے کام لیتے ہیں۔

ایک مرتبہ مسئلہ تفضیل پر گفتگو ہوئی۔ دورانِ گفتگو ایک صاحب نے کہا کہ ہم تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی افضل مانتے ہیں مگر مسئلہ افضلیت کو ظنی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ حضور اگر آپ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں تو کس دلیل کے تحت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں؟ وہ کون سی حدیث یا روایت ہے جس کی وجہ سے آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے ہیں؟ مگر اس کے جواب میں ان صاحب نے کوئی جواب نہ دیا میں نے کہا چلیں آپ قسم اٹھا کر ہی کہہ دیں کہ آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں۔ مگر اس کے جواب میں پھر انھوں نے کہا کہ میں اِس پر قسم نہیں کھا سکتا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو جواب میں انہوں نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ میں دل میں کسی اور کو افضل سمجھتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتا ہوں یا ہوسکتا ہے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو افضل سمجھتا ہوں۔ میں نے عرض کی کہ پھر یہ عقیدہ تو نہ ہوا جو کہ آپ زبان پر نہیں لا سکتے۔ عقیدہ تو ہوتا ہی وہ ہے جو آپ ہر ایک کے سامنے بیان کرسکیں۔

۵- کبھی تفضیلیہ یہ کہتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے۔ ان حوالوں میں ابن عبدالبر کی کتاب الاستذکار اور استیعاب کا نام لیں گے۔ لیکن تفضیلیہ یہ بتانے سے قاصر نظر آتے ہیں کہ ایسے اقوال کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باسند صحیح ثابت بھی ہیں یا نہیں؟ بالفرض اگر یہ اقوال سنداً و متناً ثابت بھی ہیں تو یہ اقوال شیخین کریمین کی حیات مبارکہ کے دوران کیے گئے یا بعد از وصال۔ جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور اامام بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات سے ثابت ہے۔

۶- بسا اوقات تفضیلیہ فن اسماء الرجال کی کتب سے چند محدثین سے تقدیم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب نقل کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنے کی زحمت فرماتے ہیں کہ محدثین نے ان حضرات سے کتب احادیث لیں ہیں لہٰذا فن اسماء الرجال کے ائمہ کے نزدیک ایسا عقیدہ رکھنا طعن و تشنیع کا سبب نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ محدثین کرام نے ان پر انحصار

محض روایت حدیث میں کیا ہے۔ کیونکہ بہت سارے بدعتی فرقے ایسے ہیں جن سے تعلق رکھنے والے سچے تھے، عام زندگی میں جھوٹ نہیں بولتے تھے اور حدیث کو نقل اور حفظ میں احتیاط کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی اہلِ سنت و جماعت کے محدثین نے تعریف بھی کی ہے۔ مگر ساتھ اِن کا عقیدہ بھی بیان کر دیتے تھے کہ فلاں شیعہ ہے، فلاں رافضی ہے، فلاں خارجی ہے، فلاں مرجئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ محدثین کرام نے ایک اہم فائدہ یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ بدعتی محدث یا راوی کی روایت اگر اس کے مذہب کو تقویت دے یعنی اگر شیعہ راوی (چاہے جتنا بھی ثقہ/متقی ہو) اپنے مذہب کی تائید میں روایت بیان کرے گا تو اس کی وہ روایت مردود ہوگی اور اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا محدثین کرام کا کسی بدعتی راوی شیعہ، خارجی، رافضی، مرجئی کی تعریف کرنا روایت حدیث میں ہوتا ہے نہ کہ اس کے مذہب اور عقیدے کی تعریف کرنا مقصود ہے۔ اسی بات کی آڑ لے کر لوگوں کو ورغلاتے ہیں کہ یہ لوگ (معتزلی، شیعہ، رافضی) بھی تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں۔

لہٰذا اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا مطلب سمجھ لیں کیونکہ تفضیلی بعض اوقات تفضیل علی رضی اللہ عنہ بر عثمان کے قائل ہوتے ہیں اور بعض اوقات تفضیل علی رضی اللہ عنہ بر شیخین کریمین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے قائل ہوتے ہیں۔ اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک اہم مسئلہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ بر شیخین کریمین کا ہے۔ کیونکہ تمام اہلِ سنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھتے ہیں جبکہ جمہور اہلِ سنت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ لہٰذا اِس نکتہ کو بھی ذہن نشین رکھا جائے۔ مزید محدث عبدالرزاق اور معمر بن راشد کے عقیدے کے بارے میں تفصیلی تحقیق کتاب میں ملاحظہ کیجئے۔ آپ پر حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ ان دونوں سے یہ عقیدہ ثابت ہی نہیں ہے۔

۷۔ زیدیہ جو کہ شیعہ کا ایک فرقہ ہے۔ جو علماء زیدیہ سے متعلق تھے انکے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد اس فرقہ کو اہل سنت و جماعت کی صفوں میں شامل کرنے کی ایک ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ جانبین میں دلائل مسلمات خصم سے ہونے چاہئیں لہٰذا زیدیہ کے حوالہ جات اس باب مین نقل کرنا کوئی کارگر حربہ نہیں۔

۸۔ معتزلی جو کہ ایک گمراہ فرقہ ہے۔ لہٰذا علماء معتزلہ کے حوالہ جات اس باب میں نقل کرنا ایک

علمی دھوکے سے کم نہیں ہے۔ اہل سنت معتزلیوں کو ایک باطل فرقہ مانتے ہیں لہٰذا انکے حوالہ جات نفس مسئلہ میں کسی بھی صورت قابل قبول نہیں۔

۹۔ کبھی تفضیلیہ حضرات کا ایک ہتھکنڈا ان علماء کرام کے اقوال بھی ہیں جن سے مسئلہ افضلیت میں سکوت منقول ہے۔ مقام حیرت ہے کہ عدم بیان کو بیان عدم سمجھ لیا جاتا ہے۔ نیز خود تفضیلیہ بجائے توقف کے حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی افضلیت پر سارا زور صرف کرتے نظر آتے ہیں۔ لہٰذا وہ **مما تقولون ما لا تفعلون** کا اولین مصداق ٹھہرے۔

۱۰۔ کبھی تفضیلی حضرات اجماع کی حیثیت اور اجماع کے قطعی ہونے یا ظنی ہونے کی بحث شروع کردیں گے۔ ان احتمالات کے جوابات انشاء اللہ اپنے مقام پر قارئین کرام کے لیے پیش خدمت کردیئے جائیں گے۔

مسئلہ افضلیتِ شیخین کی تنقیح اور اصول وضوابط قلمبند کرلینے کے بعد اس بات کا اعتراف کیے بغیر مزید تشریحات کی جانب جانا مناسب نہیں سمجھتا کہ اپنی کم علمی اور محدود مطالعہ کے باعث اگر مجھ سے حق کہنے اور سمجھنے میں کسی لغزش کا صدور رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے میری اصلاح فرمائے اور ساتھ ہی اہل علم حضرات کی خصوصی توجہ کا بھی طالب ہوں کہ میری اس کتاب میں اگر کوئی علمی کمی ملاحظہ فرمائیں تو ضرور مطلع فرمائیں۔ نیز راقم نے شیخ محمود سعید ممدوح کی شخصیت کو ذاتی طور پر طعن وتشنیع سے اجتناب کرنے کی کوشش کی ہے، میرا ان سے اختلاف محض علمی حد تک ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرمائے۔

نوٹ: میں نے اس کتاب میں صرف محمود سید ممدوح کے اعتراضات اور سوالات کا جواب دیا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں محدث الہند فقیہ زمان اعلیٰ حضرت عظیم البرکت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق لاجواب ''مطلع القمرین'' (تخریج وتحشیہ: جناب عاطف سلیم نقشبندی صاحب، جو چھپ کر مارکیٹ میں آچکی ہے) محدث محقق علامہ ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق کتاب ''الطریقہ المحمدیہ'' (جو انشاء اللہ عنقریب مارکیٹ میں زیور طبع سے آراستہ ہوکر آرہی ہے۔) اور راقم کی کتاب ''مسئلہ افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اجماع امت'' (جس میں تقریباً ۱۲۰۰ اقوال سے امت مسلمہ کا اجماعی موقف اور تعامل پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں پہلی صدی سے چودھویں صدی تک علماء اہل سنت کا مذہب افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نقل کیا گیا ہے۔) میں ملاحظہ کریں۔

مسئلہ افضلیت کو سمجھنے کے اہم اصول

مسئلہ افضلیت میں الجھنے سے بچنے کے لیے یہ بہت اہم ہے کہ مندرجہ ذیل اصولوں کو اپنے پیشِ نظر رکھا جائے وگرنہ تفضیلی حضرات آپ کو تشویش کی گہری کھائی میں گرا کر مزے سے آپ کا عقیدہ خراب کر دیں گے۔

۱- صحابہ کرام میں خاص خاص خوبیاں موجود تھیں۔کسی میں کوئی خاص خوبی ہے جو کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتی تو کسی میں کوئی اور خاص خوبی ہے۔لہٰذا ہر صحابی میں کسی نہ کسی جہت میں منفرد خوبی پائی جاتی ہے۔مگر اس جزئی فضیلت سے کسی کو مطلقاً افضل نہیں کہا جاتا۔

۲- یہ یاد رہے کہ اہلِ بیت اطہار کے فضائل کثرت سے ثابت ہیں۔جن شخصیات کے رگوں میں وہ خون ہے جو نبی کریم ﷺ سے بنا۔اُن کو دوزخ کی آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔ ہمارے سروں کے تاج اہلِ بیت کرام ہیں۔اُن کی تعظیم و ادب اہم ہے۔مگر شریعت میں مدارِ افضلیت نسب و جزء ہونا نہیں بلکہ تقویٰ اور مزیت دین ہے۔اس کی مثال ملاحظہ کریں۔ اگر نسب و جزئیت مدارِ افضلیت ہوتا تو حضرت فاطمہ، حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنھن کو مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر تفضیل و افضلیت ہوتی اور اسی اصول کی وجہ سے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہوتی۔حالانکہ یہ بات خود تفضیلیوں کو بھی قبول نہیں ہے۔خود نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما پر فضیلت و تفضیل دی۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ افضلیت کا دارو مدار نسب نہیں ہے۔یہ نکتہ یاد رکھنا بڑا اہم ہے اور اکثر تفضیلی اس نکتہ کو استعمال کرتے ہیں۔

۳- کسی صحابی میں ایک فضیلت ہے تو دوسرے صحابی میں دوسری فضیلت۔مگر یاد رہے کہ بعض فضیلتیں اس درجہ قبول و مقام پا لیتی ہیں کہ وہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزاروں نیکیوں پر غالب آتی ہے۔مثلاً ایک لمحہ جہاد میں حصہ لینا ہزاروں دنوں کی عبادت اور ایک رات جہاد میں گزارنا ہزاروں دنوں کے روزے اور ہزاروں راتوں کے قیام سے افضل اور

زیادہ ثواب کے حامل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ کی قسم، ابوبکر کا ایک دن اور رات عمر کی تمام عمر سے بہتر ہے۔"

۴- جب انسان مقام ولایت تک پہنچتا ہے تو سب اولیاء اس مقام پر برابر ہوتے ہیں۔ مگر جب انسان مرتبہ فنا فی اللہ سے آگے بڑھتا تو وہ سیر فی اللہ کے مقام پر آتا ہے جب ماسوی اللہ آنکھوں سے گر جاتا ہے۔ اِسی سیر فی اللہ کے مقام پر قربِ خدا (یعنی اللہ سے نزدیک ہونا) معلوم ہوتا ہے۔ جس کی سیر فی اللہ زیادہ ہوگی اُسی شخص کو اللہ کا قرب زیادہ ملتا ہے۔ پھر بعض بڑھتے ہوئے سیر من اللہ کے درجے پر پہنچتے ہیں اور سلسلہ بیعت رواج پاتا ہے۔ یہ ایک الگ فضیلت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی سیر فی اللہ اگلوں سے (یعنی سیر من اللہ) بڑھ جائے۔ دیکھیے جیسے مولا علی رضی اللہ عنہ کے خلفائے کرام میں امام حسین رضی اللہ عنہ اور خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو مرتبہ ارشاد و خرقہ خلافت ملا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کوئی سلسلہ بیعت نہ ملا۔ حالانکہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا درجہ اور قربِ الٰہی حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بالیقین اعلیٰ اور افضل ہے۔ اور احادیث میں بھی امام حسن رضی اللہ عنہ کا درجہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل منقول ہے۔

۵- شجاعت، سخاوت اور معاملہ فہمی بھی مدارِ افضلیت نہیں ہیں۔ ان فضائل میں تو غیر مسلم بھی اہلِ اسلام کے ساتھ شریک ہیں۔ حکومت اور معاملہ فہمی میں حکومت کسری مشہور تھی۔ شجاعت رستم پہلوان کی مشہور ہے اور حاتم طائی کی سخاوت بڑی مشہور ہے اور پھر صحابہ کرام میں ایسے فضائل کی وجہ سے تقابل کرنا ان کی شان میں گستاخی ہے۔ لہٰذا جب کسی تفضیلی کو اِن امور کی وجہ سے بڑک مارتے دیکھیں تو فوراً وہیں روک دیں۔ کیونکہ ان مندرجہ بالا امور میں افضلیت کا دارومدار رکھنا غلط ہے۔ ہاں جزئی فضیلت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۶- نبی سے رشتہ داری عظیم سعادت ہے مگر یہ باتیں امورِ خارجیہ ہیں نہ کہ محاسن ذاتیہ یعنی (ذاتی فضائل) لہٰذا کسی نبی کے اہل و عیال کی برائی سے نہ نبی کی ذات پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ہی نبی کے رشتہ دار کی اچھائی اور مرتبہ سے نبی کی شان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی لیے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی نے افضل نہیں کہا حالانکہ شیخین کی بیبیاں خاندانِ نبوت سے نہ تھیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیاں

تھیں۔ لہٰذا بیوی اور اولاد میں باہم تقابل اور موازنہ کر کے تفضیل کے مسئلہ پر دلیل بنانا بالکل ایسا ہے جیسے تصویر پر بنے بادلوں سے بہار مانگنا۔ یہ یاد رہے کہ جہاں تفضیل دوسرے دلائل سے ثابت ہو وہاں تائید میں یہ امور پیش کر سکتے ہیں۔ مگر ان باتوں کو مستقل دلیل بنانا غلط ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور بیٹا کافر تھے مگر ان کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کے فضل میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیویاں اور بیٹے صالحین مومنین تھے اس سے ان کا مرتبہ حضرت نوح علیہ السلام پر کیسے بڑھ سکتا ہے۔

(ملخصاً مطلع القمرین از امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

۷- شروع میں مسئلہ تفضیل میں ۲ مذہب تھے۔ اہلِ سنت حضرات شیخین کو تمام صحابہ سے افضل مانتے تھے اور تفضیلیہ مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے۔ مگر زمانہ کے ساتھ ساتھ ان ۲ مذہب سے ۴ مذاہب ہو گئے۔ اہلِ سنت میں بعض لوگوں نے من کل الوجوہ شیخین کی افضلیت کا دعویٰ کیا اور تفضیلیوں میں سے بعض نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم اہلِ سنت کی ترتیب مانتے ہیں کہ سب سے افضل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ مگر فلاں حیثیت سے اور دوسری حیثیت سے حضرت علی افضل ہیں۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ دعویٰ اس لیے کیا کہ لوگ انہیں اہل سنت کہیں کوئی تفضیلی نہ کہے اور موقف تفضیلیہ والا ہی اپنائے رکھیں۔ یاد رہے کہ اہلسنت ہر گز کسی ایک خاص جہت یا خاص خصوصیت کی وجہ سے افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ کے قائل نہیں بلکہ وہ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت مطلقہ کے قائل ہیں۔ جب مطلق (بغیر کسی قید کے) افضل کہا جائے تو اس سے مراد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے۔

۸- یہ یاد رہے کہ کسی کو افضل ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں:

(i) نصوصِ شرعیہ میں یہ لکھا ہو کہ فلاں اکرم و افضل ہے، اور یہ طریقہ بہتر ہے۔ کیونکہ نص حدیث اور روایات میں آنے کے بعد کسی کو چون و چراں کی ہمت نہیں ہوتی۔

(ii) دوسرا طریقہ استدلال اور استنباط اور تالیف مقدمات کا ہے۔

اِن دونوں طریقوں سے افضلیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہی ثابت ہوتی ہے۔

۹- یہ یاد رہے کہ شیخین کی تفضیل صرف اس بات میں نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمین کو ان سے زیادہ

نفع پہنچا۔ اختلاف فضل جزی میں نہیں بلکہ فضل کلی میں ہے۔ مطلق طور پر بغیر کسی قید کے جب بھی افضلیت کا اطلاق ہوگا تو وہ شیخین کریمین پر ہوگا۔

۱۰- شیخین کریمین کی افضلیت صرف من حیث الخلافۃ نہیں ہے۔

۱۱- یاد رہے کہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ افضل العٰلمین نبی پاک ﷺ ہیں اور پھر انبیاء سابقین۔

اَب سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو دیگر انبیاء سے افضل کہا جاتا ہے تو کسی معنی میں یا کسی وجہ سے افضل کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ دیگر انبیاء سے اس لیے افضل ہیں کہ حضور ﷺ کا مرتبہ عالی اللہ کے قرب و وجاہت اور عزت و کرامت سے ہے اور اِسی وجہ اور بنیاد پر ہم انبیاء کو ملائکہ پر اور ملائکہ کو صحابہ پر تفضیل دیتے ہیں اور دوسری کوئی وجہ ذہن میں نہیں آتی۔ اِسی لیے جب شیخین کریمین کو مولیٰ علی سے افضل کہا جاتا ہے اُس کی وجوہ بھی مذکورہ بالا تصور کی جاتی ہے۔

لہٰذا ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أن جهة تفضيله إنما هي لفضله بالتقوى۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ص ۲۷۸)

یعنی بے شک افضلیت کی وجہ تقویٰ کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔

قد يمتاز بشيء يخص به ولا يلزم منه الفضيلة المطلقة۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۹۰)

یعنی کبھی مفضول ممتاز ہوتا ہے کسی ایسی شے کے ساتھ جو اس کا خاصہ ہوتا ہے۔ اور اس سے افضلیت مطلقہ لازم نہیں۔

۱۲- اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ افضل الصحابہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر بقیہ عشرہ مبشرہ پھر باقی صحابہ۔ اَب وہ تفضیلی حضرات جو یہ راگ الاپتے ہیں کہ ہم خلافت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل کہتے ہیں۔ تو اِن سے سوال ہے کہ خلفاء اربعہ کے بعد جو باقی عشرہ مبشرہ افضل تھے۔ تو یہ باقی عشرہ مبشرہ کس وجہ سے افضل ہو گئے؟ آیا باقی عشرہ مبشرہ بھی خلافت میں افضل تھے؟

۱۳- اگر تفضیلی یہ اعتراض کریں کہ شیخین رضی اللہ عنہما ایک جہت سے افضل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

دوسری جہت سے افضل ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ علماء اہلِ سنت کو کیا ہوا ہے کہ صحابہ سے لے کر اِب تک اسی جہت کا یقین کرتے ہیں جس سے شیخین افضل ہوئے، کبھی تو دوسری جہت کا بھی اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ جیسے جگہ جگہ "افضل البشر بعد نبینا ﷺ ابوبکر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی" لکھا ہوا ہے۔ جنابِ عالی دس بیس نہ سہی تین چار کتابوں میں "افضل البشر بعد نبینا ﷺ علی، ثم ابوبکر، ثم عمر" دکھلا دیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت والی جہت تو یاد رہی مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ والی جہت بھول گئی۔

۱۴- تفضیلی عجب مشکل میں گرفتار ہیں کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہنا ان کی زبان پر جاری نہیں ہوتا۔ تفضیلی حضرات مولیٰ علی کو صاف طور پر سب سے افضل بھی نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ جب بھی بات کریں گے تو کہتے ہیں کہ مولیٰ علی اس جہت و حیثیت سے افضل ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ مسئلہ افضلیت ظنی ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کے بارے میں سوال نہ ہوگا۔ کبھی کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف رہا ہے۔ یہ تمام باتیں کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تفضیلی اس عقیدہ پر کھلے عام اپنی رائے دینے سے کتراتے ہیں۔

۱۵- یہ یاد رہے کہ قربِ الٰہی میں شیخین کو افضل بنانے سے تفضیل من جمیع الوجوہ ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا افضل مطلق اور تفضیل من جمیع الوجوہ کا فرق کرنا ضروری ہے۔

۱۶- بعض ایسے لوگ جو اہلِ بیت سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت بیان کرنے سے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی تنقیص ہوتی ہے۔ یہ ان لوگوں کی بے وقوفی اور کم علمی ہے۔

ہمیں تسلیم کرنا چاہئیے کہ ہم ہر صاحب فضل کو اس کا فضل دیں۔ جب قرآن وسنت اور اجماع اور علماء اہلِ سنت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل بناتے ہیں تو پھر ہم کیوں نہ انہیں افضل کہیں۔ جس کا فضل قرآن وحدیث سے ثابت ہوا سے افضل ماننے سے اس کے مفضول کی توہین نہیں ہوتی۔

۱۷- یہ یاد رہے کہ اکثر تفضیلی یہ بھی کہتے ہیں کہ خلفاء اربعہ سب سے اہلِ فضیلت و عالی مرتبت تھے۔ ہمیں نہیں چاہیے کہ ہم کسی ایک کو دوسرے پر تفضیل دیں۔ ہم کیا جانیں کہ کون افضل ہے اور

کون مفضول ہے۔ نیز ماسوائے خلفائے راشدین بعض صحابہ کرام کے اسماء مبارکہ لینے کے بعد سوال یہ کیا جاتا ہے ان میں افضل کون ہے؟ اور مفضول کون؟

جواباً محض اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرنا کسی بھی طرح قابل ستائش نہیں ہے۔

تو عرض یہ ہے کہ نصوص کے علاوہ اکابر اہلِ سنت نے شیخین کی تفضیل کا حکم دیا ہے تو ان کی پیروی سے آپ کو کون سی چیز روکتی ہے۔ اور کوئی یہ کہے کہ میں ان کی بات نہیں مانتا تو عرض یہ ہے کہ پھر جناب آپ اُن کی کوئی بھی بات نہ مانیں۔ صرف مسئلہ تفضیل میں آپ کو تکلیف کیوں ہوتی ہے۔

۱۸- اگر کوئی کہے کہ کچھ صحابہ تفضیل علی کے بھی قائل تھے۔ عرض یہ ہے کہ اول تو کسی صحابی سے مطلقاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت منقول نہیں ہے۔ کچھ اقوال جو منقول ہیں وہ فضل جزئی کو ثابت کرتے ہیں۔ فضل جزئی میں ہمیں کوئی کلام نہیں ہے۔ دوم اگر بر سبیل تنزل مان بھی لیں تو اجماع صحابہ کے بعد ان صحابہ کرام کے اقوال کی حیثیت اختلافی نہیں رہتی۔ لہٰذا ایسے اقوال ہمارے موقف کے لیے چنداں مضر نہیں۔ کیونکہ ایسے اقوال شاذ، نادر، مرجوح، ضعیف ہیں اور اجماع میں خلل انداز نہیں ہوتے ہیں۔ اگر ایسے شاذ و نادر پر یقین کرنا ہے تو پھر کوئی ایسا مسئلہ شریعت کا کم ہی رہ جاتا ہے جس میں ایسے اقوال مرجوحہ اور شاذ نہ ملیں۔ پھر تو جناب آپ کو تقریباً ۲ تہائی مسئلوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

حتیٰ کہ قادیانی بھی اس قسم کے اقوال ختم نبوت اور حیات مسیح کے خلاف اٹھائے پھرتے ہیں۔ ان کا کیا کرو گے؟ اور یہ بھی یاد رہے کہ ایسے اقوال جن میں مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تفضیل بیان کی ان سے تفضیل جزی ثابت ہوتی ہے نہ کہ افضلیت مطلقہ۔

بدعتی کی روایات کا حکم:

۱۷۔ بدعتی فرقوں سے روایت لینا ایک اہم موضوع ہے۔ یاد رہے کہ ایسے بدعتی کی روایت قابل قبول نہیں ہوتی جو اپنے مذہب کا داعی ہو اور وہ اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے کوئی روایت نقل کرے یا کسی بات کو بیان کرے۔ ان فرقوں میں صدوق، اور پرہیزگار لوگ

بھی تھے۔ چناچہ محدثین کی ایک جماعت نے احادیث رسول ﷺ کی حفاظت او رجامع تدوین کے پیش نظر نہ ہر بدعتی کی روایت پر علی الاطلاق رد اور عدم قبول کا حکم لگایا ہے اور نہ ہی مسامحت برتتے ہوئے ہر شخص کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔ بلکہ ان بدعتی فرقوں بشمول شیعہ اور معتزلی کے رد و قبول کے لیے کچھ قواعد وضوابط وضع کئے تھے تاکہ ان کی مدد سے حدیث نبوی ﷺ کو مبتدعین کی بدعت وضلالت سے چھان پھٹک کر علیحدہ کیا جاسکے۔ لہٰذا تفضیلیہ جو روایت بیان کریں اس روایت کے راویوں کے بارے میں یہ تحقیق کرلیں کہ اس میں کوئی شیعہ، زیدیہ، رافضی یا معتزلی راوی تو نہیں ہے۔ اگر ہے تو پھر راوی کتنا ہی ثقہ اور صدوق کیوں نہ ہو اسکی یہ روایت ہرگز قابل قبول نہیں ہوگی ہٰذا اس سلسلہ میں محدثین کرام کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ عاصم الاحول رحمۃ اللہ علیہ امام ابن سیرین سے نقل فرماتے ہیں:

''فتنہ کے وقوع سے پہلے تک لوگ اسناد کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے لیکن جب فتنہ کا وقوع ہوا تو دیکھنے لگے کہ کون اہل سنت میں سے ہے تاکہ اس کی حدیث کو قبول کیا جائے اور کون اہل بدعت میں سے ہے تاکہ اسکی حدیث کو چھوڑا جائے۔''

(المجروحین ج ا ص ۸۲، مقدمہ صحیح مسلم ج ا ص ۱۱، الکفایہ ص ۱۲۲، الضعفاء الکبیر ص ا ص ۱۰، میزان الاعتدال ج ا ص ۳)

ب۔ محدثین کرام اس بات کے قائل ہیں کہ اگر مفسق بدعت اپنی بدعت کی تبلیغ نہ کرتا ہو تو مقبول ہے ورنہ نہیں کیونکہ اپنی بدعت کو خوشنما بنانے کا خیال اسے روایت میں تحریف کرنے اور انہیں اپنے مسلک کے مطابق بنانے کی تحریک پیدا کرسکتا ہے۔

(فتح المغیث للسخاوی ج ۲ ص ۶۴، الارشاد للنووی ج ا ص ۱۹۶، فتح المغیث للعراقی ص ۱۶۲، التقریر والتحبیر ج ۲ ص ۲۴۰)

پ۔ کچھ لوگ اس بات کو سمجھ نہیں پاتے کہ اگر راوی شیعہ ہے تو پھر محدثین نے اس سے روایت کیوں لی ہے اور پھر یہ لوگ کتب جرح وتعدیل سے ایسے حوالے نقل کرتے ہیں کہ شیعہ راوی کی نسبت محدثین کرام نے توثیق، سچا، ایماندار کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ایسے الفاظ محدثین کرام نے راوی کی ضبط حدیث کے بارے میں کہے ہیں۔ مزید یہ کہ شیعہ راوی اور دیگر بدعتی فرقوں سے تعلق رکھنے والے راویوں کی روایت قبول کی جاتی ہے جب اس راوی میں اول تو جھوٹ بولنے

کی عادت نہ ہو، حدیث کو حفظ کرسکتا ہو، اور یہ کہ اپنے مسلک کو تقویت دینے والی روایت نہ بیان کرتا ہو۔ ایسے راوی کی روایت قبول کرلی جاتی ہیں اور جو اسکے مسلک کو تقویت دے اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر راوی اخذ اور اداء (روایت لینا اور بیان کرنا) میں ثابت ہو اور اپنی رائے کا داعی نہ ہو تو تشیع باعث ضرر نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۸۲، ھدی الساری ص ۴۰۰)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

المختار أنه ان كان داعيا الى بدعته و مروجا له رد و ان لم يكن كذلك قبل الا أن يروى شيئا يقوى به بدعته فهو مردود قطعاً۔ (مقدمہ در مصطلحات حدیث مع مشکوۃ مترجم ص: ۶، ۷)

ترجمہ: یعنی بدعتی کے بارے میں مذہب مختار یہ ہے کہ اگر وہ بدعت کا داعی اور اس کا رائج کرنے والا ہو تو مردود ہے ورنہ مقبول، بشرطیکہ وہ ایسی چیز روایت نہ کرتا ہو جس سے اس کی بدعت کو تقویت پہنچتی ہو کیونکہ اس صورت میں تو وہ قطعاً مردود ہے۔

ڈاکٹر محمود الطحان فرماتے ہیں:

و إن كانت بدعته مفسقة فالصحيح الذى عليه الجمهور أن روايته تقبل بشرطين: ألا يكون داعية الى بدعته و ألا يروى ما يروج بدعته۔ (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۲۴)

ترجمہ: اگر مبتدع بدعت مفسقہ کا مرتکب ہے تو جمہور کے نزدیک جو صحیح بات ہے وہ یہ ہے کہ اس کی روایت دو شرطوں کے ساتھ قبول کرلی جائے گی: (اول) وہ اپنی بدعت کی طرف داعی نہ ہو (دوم) ایسی بات کی روایت نہ کرے جو اس کی بدعت کی ترویج کا سبب بنے۔

نکتہ: یہاں یہ بات یاد رہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل قرار دینا شیعہ کے تمام فرقوں بشمول زیدیہ، روافض اور معتزلیوں کا مذہب ہے۔ لہٰذا ایسی روایت یا اثر جس میں حضرت علی المرتضیٰ کی افضلیت کا ذکر ہو اور اس روایت میں کوئی شیعہ، زیدی، معتزلی راوی ہو

(اگرچہ ثقہ اور صدوق ہی کیوں نہ ہو) تو اصول کے مطابق ایسی روایت ہرگز قابل قبول نہ ہوگی۔

سادات کرام رحمۃ اللہ علیہم اور مسئلہ تفضیل

مسئلہ تفضیل میں ایک پہلو سادات کرام کے موقف کا بھی ہے۔ میں نے ایک تقریر سنی جس میں مقرر نے علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کے کتاب الشرف المؤبد کا ایک حوالہ بڑے زور و شور سے پیش کیا۔

"ایسے سید سنی کم ہیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں...... ایسا سید سنی شاذ ہے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں اور اکثر سنی سادات شیخین اور صحابہ سے محبت رکھنے کے باوجود شیخین کی تقدیم کے قائل نہیں ہیں اس عقیدے سے ان کے دین میں کوئی ضرر واقع نہیں ہوتا"۔

یہ ایسے الفاظ ہیں جس سے سادات کرام کو مسئلہ تفضیل میں پھنسا دیا جاتا ہے کہ اگر کسی سید نے حضرت علی المرتضیٰ کو تمام صحابہ کرام سے افضل نہ مانا تو اُن کی سیادت ظنی ہو جائے گی۔ اور ایسے الفاظ سے ڈرانا ایک عام سی بات ہوگئی ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس حوالہ سے سادات کرام کو تفضیل علی المرتضیٰ کا قائل کرنا غلط ہے۔ اسی بات کا ادراک علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی کر لیا تھا۔ جس کے بارے میں علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"تیئیس سال قبل میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حسن توفیق سے ایک کتاب الشرف المؤبد لآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے فضائل میں تصنیف کی جو بعنایت الہیٰ بار بار طباعت سے آراستہ ہوئی اور اس کا نفع عام ہوا۔ (الاسالیب البدیعہ ص ۹)

اس کے بعد علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاسالیب البدیعہ کی تالیف کا مقصد بیان کیا ہے:

"اس کتاب (الاسالیب البدیعہ) کی تالیف کا مقصد اس لیے پیدا ہوا کہ اس زمانہ میں شیطان نے بعض جاہل سنیوں کو حب اہل بیت کے پردے میں اور خیالی حمایت عصبیت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ نفرت اور عداوت کے اظہار کی طرف راغب

کیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ان پاک ہستیوں پر لعن طعن کر کے خوش ہوتے ہیں اور ان شخصیات پر لعن طعن کو قرب خداوندی کا ذریعہ اور دنیا اور آخرت میں نیکی کا باعث سمجھتے ہیں۔ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات بھی ڈال دی کہ ائمہ اہل سنت نے حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ سے جنگیں لڑنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع کر کے عدل و انصاف سے کام نہیں لیا...... اور وہ (جاہل سنی) اپنی خواہشات، تعصب اور جہالت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ دیگر خلفائے راشدین پر فضیلت دینے لگتے ہیں اور اس کو اپنی فہم کے مطابق عین انصاف سمجھتے ہیں اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ اتباع حق (حضرت علی المرتضیٰ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھنے میں) میں اہل علم کا منع کرنا ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ حالانکہ دین کے معاملہ میں ان جیسے لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں اور بے علمی اور جہالت میں وہ جانوروں کی مانند ہیں۔" (الاسالیب البدیعہ ص ۹)

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں مزید لکھتے ہیں:

"شدید جہالت اور بے بصری کی وجہ سے وہ گمان کرتے ہیں کہ آج تک ساری امت مسئلہ تفضیل میں غلطی پر ہے۔" (الاسالیب البدیعہ ص ۱۰)

پھر اپنی کتاب کی تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان جہلاء کی اسی طرز عمل نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر مجبوراً آمادہ کیا تاکہ ان میں سے جو کوئی اس کا مطالعہ کرے وہ اپنی خطائے عظیم کو پہچان لے اور یقین کر لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و ہدایت پر نہیں بلکہ ہلاکت کے گڑھے کے کنارے کھڑا ہے۔"

(الاسالیب البدیعہ ص ۱۰)

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی تصنیف کی وجہ بیان کرنے کے بعد ہم مقرر کی پیش کردہ عبارت کہ "ایسا سید سنی شاذ ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں" کی وضاحت خود علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان سے پیش کرتے ہیں۔

''الشرف المؤبد کی عبارت (ایسا سید سنی شاذ ہے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتا ہے اور اکثر سنی سادات شیخین اور صحابہ سے محبت رکھنے کے باوجود شیخین کی تقدیم کے قائل نہیں ہیں اس عقیدے سے ان کے دین میں کوئی ضرر واقع نہیں ہوتا) معمولی زیادتی کے ساتھ مکمل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم..... اکثر سادات اگرچہ طبعی محبت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین پر ترجیح دیتے ہیں مگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل نہیں جانتے۔ جیسا کہ مذہب اہل سنت کے سادات یا علوی کا عقیدہ اور عمل ہے وہ شیخین رضی اللہ عنہ کو اپنے جد امجد حضرت علی المرتضیٰ سے افضل سمجھتے ہیں۔ اور یہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے..... چونکہ اہل سنت و جماعت کا افضلیت شیخین پر اجماع ہے اس لیے شریعت کی پیروی اور دین کی سلامتی کا یہ تقاضہ ہے شیخین رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے۔ اور اہل بیت کرام کے لیے تو یہ زیادہ حق بنتا ہے کہ وہ اس حق مبین کی اتباع کریں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان کی برکتوں سے نفع دے۔''

(الاسالیب البدیعہ ص ۹۶)

قارئین کرام! اس حوالہ سے ثابت ہوگیا کہ سنی سادات کرام رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنے کے باوجود سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھتے ہیں۔ لہٰذا کسی سنی سید کو اُس کی سیادت کے ظنی ہونے کی دھمکی دینا علمی خیانت اور جرم عظیم ہے۔

میرے ناقص مطالعہ میں کسی صحیح العقیدہ سنی سید نے مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہونے کی بات نہیں لکھی۔ بلکہ اس کے برعکس میرے مطالعہ کے مطابق صحیح العقیدہ سید سنی صرف سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی افضل مانتے ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب افضلیت سیدنا صدیق اکبر پر اجماع امت میں درج ذیل ساداتِ کرام کے اقوال نقل کر دیے ہیں۔

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ (م ۵۰ھ)، حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ (م ۶۱ھ)، امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ (م: ۹۴ھ)، حضرت نفس الذکیہ بن عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب (م: ۱۴۵ھ)، امام جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہ (م: ۱۴۸ھ)، سید علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۵ھ)، علامہ سید احمد بن علی رفاعی حسینی رحمۃ اللہ علیہ (م:

۷۸۵ھ)، سید خواجہ نصیر الدین محمود چراغ حسینی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۷ھ)، سید محمد بن مبارک کرمانی میر خورد رحمۃ اللہ علیہ (م: ۷۷۰ھ)، سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۵ھ)، حضرت خواجہ سید بہاء الدین نقش بندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۱ھ)، سید میر علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۱ھ)، سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۰۳ھ)، سید اشرف جہانگیر سمنانی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۸۰۸ھ)، میر سید عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۷ھ)، سید عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۳۲ھ)، فاضل سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۲ھ)، سید السادات احمد زینی دحلان مکی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۴ھ)، علامہ سید احمد علوی رحمۃ اللہ علیہ، سید پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۶ھ)، حضرت شاہ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۴ھ)، علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سید ابو البرکات احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ پیر سید جلال الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مفتی سید محمد افضل حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب، علامہ پیر سید اختر حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب، علامہ پیر سید محمد حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ پیر سید محمد علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کرمانوالہ شریف۔

قارئین کرام وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

مسئلہ تفضیل اور صوفیاء کرام کا مذہب

تفضیلیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صوفیاء کرام سیدنا علی المرتضیٰ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ جناب کون سے صوفی سیدنا علی المرتضیٰ کو افضل مانتے ہیں؟ ذرا حوالہ اور کتاب کا نام ہی بتا دیں؟ تو جواب میں تفضیلیہ علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی کا حوالہ دیتے ہیں کہ انھوں نے کہا ہے کہ صوفیاء کرام حضرت علی المرتضیٰ کو افضل سمجھتے ہیں۔ ادباً گذارش ہے کہ صوفیاء کرام کی کتابیں موجود ہیں ہمیں ان کی کتابوں میں سے افضلیت مطلقہ کے چند حوالہ جات کی نشاندہی کر دیں تاکہ ہم آپ کے علم سے استفادہ کرسکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کا دامن دلائل سے خالی ہے۔ البتہ ہم نے اپنی کتاب افضلیت سیدنا صدیق اکبر پر اجماع امت میں درج ذیل صوفیہ عظام کے اقوال دیئے ہیں:

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۱۰ھ)، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۶۱ھ)، امام بشر بن الحارث حافی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲۷ھ)، فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۳ھ)، امام ابی بکر کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ (م

۳۷۸ھ)، امام ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۸۶ھ)، حضرت سید داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۵ھ)، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۰۵ھ)، شیخ ضیاء الدین ابو النجیب ضیاء الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۵۶۳ھ)، علامہ سید احمد بن علی رفاعی حسینی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۵۷۸ھ)، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۸ھ)، علامہ عبداللہ بن اسعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۶۸ھ)، حضرت شیخ یحییٰ منیری مخدوم بہار رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۲ھ)، سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۵ھ)، حضرت خواجہ سید بہاء الدین نقش بندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۱ھ)، سید میر علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۱ھ)، سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ (م: ۸۰۳ھ)، سید اشرف جہانگیر سمنانی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۸۰۸ھ)، حضرت خواجہ پارسا نقش بندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۲۵ھ)، امام سیدی احمد زروق شاذلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۹۹ھ)، امام سخاوی (م ۹۰۲ھ)، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ)، امام قسطلانی (م ۹۲۳ھ)، امام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۶ھ)، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۴ھ)، امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۳ھ)، شیخ تقی الدین رحمۃ اللہ علیہ، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ)، مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ)، قاضی القضاۃ حضرت مخدوم شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ، میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۷ھ)، میاں محمد میر قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۲۰ھ)، شاہ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)، امام شہاب الدین خفاجی (م ۱۰۶۹ھ)، حضرت علامہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰۹ھ)، امام المحدثین علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۲۲ھ)، سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۳۲ھ)، علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۴۳ھ)، مولانا فخر الدین چشتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۹۹ھ)، محدث مخدوم عبدالواحد سیوستانی صدیقی (م ۱۲۲۴ھ)، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقش بندی (م ۱۲۲۵ھ)، علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۰ھ)، سید پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۶ھ)، حضرت شاہ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۴ھ)، خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ۔

قارئین وہاں ملاحظہ کریں۔

یاد رہے کہ تفضیلی کے پاس تو صوفیاء کا بھی کوئی حوالہ نہیں اور ہے بھی تو وہ زیادہ سے زیادہ توقف پر دلالت کرتا ہے اور اس پر انتہاء یہ کہ توقف والے قول پر انکا اپنا عقیدہ نہیں ہے جبکہ صرف عوام کو بے وقوف بنانا ہے۔

تفسیر آلوسی میں تفضیل کے مسئلہ پر بحث

چند احباب نے عرض کیا کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اکثر صوفیاء کرام حضرت علی المرتضیٰ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

جواب: عرض یہ ہے کہ صوفیاء کرام کے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا حوالہ ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ صوفیاء کرام کا اپنا عقیدہ جو انکی اپنی کتابوں میں درج ہے وہ تو افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ پھر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں یہ بات کیوں درج ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات تو سب پر واضح ہے کہ علامہ آلوسی کی تفسیر میں ان کے پوتے نعمان آلوسی نے متعدد تحریفات کیں ہیں۔ اور اس بات کا ثبوت محدث زاہد الکوثری نے اپنے مقالات میں دیا ہے۔ اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ اس کی کتاب میں تحریف غیر مقلد نواب صدیق حسن بھوپالی کی ایماء پر کی گئی۔ اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ نواب صدیق حسن خان تفضیلی تھا۔ لہٰذا تفسیر آلوسی میں مذکورہ عبارت یہ بھی نواب صدیق حسن خان کی جسارت کا نتیجہ ہے۔

باطنی خلافت اور مسئلہ تفضیل

مسئلہ تفضیل کو ثابت کرنے کے لیے کچھ احباب باطنی خلافت کا مسئلہ بھی چھیڑ دیتے ہیں کہ اگر مولا علی المرتضیٰ کو باطنی خلافت حاصل ہے اور تمام باطنی علوم مولا علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہیں تو پھر مولا علی المرتضیٰ افضل کیوں نہیں؟

جواب: اس سلسلہ میں ادباً گذارش ہے کہ باطنی ولایت کا قول صوفیاء عظام نے کیا ہے۔ آپ لوگوں نے باطنی خلافت کا قول کہہ کہہ کر ایک عجیب سا ماحول اہلسنت میں پیدا کر دیا ہے۔ یہ کیا عجیب منطق ہے کہ عوام الناس کے سامنے آپ لوگ یہ کہیں کہ ہم تفضیلی نہیں مگر کوئی ایسا شخص جو کسی اور صحابی کو افضل مانے تو اس پر اہلسنت سے خارج ہونے کا فتویٰ نہ لگاؤ۔ اور اس مسئلہ پر اتنی سختی نہیں کرنی چاہیے۔ جناب والا ایک طرف تو عوام الناس کے سامنے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا دعویٰ کریں مگر دوسری طرف سیدنا علی المرتضیٰ کو افضل کہنے کی وجوہات بھی بیان کریں، یہ کیا عجب تماشہ ہے۔ ان لوگوں کا یہ موقف جان کر بڑی حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ لوگ مولا علی کی باطنی

خلافت اور قاسم ولایت کا قول تو اولیاء کرام کا مانتے ہیں مگر انھی اولیاء کرام کا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل کہنا آپ کو پسند نہیں آتا۔ اگر باطنی خلافت اور تقسیم ولایت ہی افضلیت مطلقہ کی دلیل ہوتی تو پھر ان صوفیاء کرام نے کیوں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل کہا؟ مسئلہ ولایت باطنی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بعض علماء کرام اور صوفیاء کرام کی کتب میں موجود ہے مگر اس سے اخذ کردہ نتائج جو کہ تفضیلیہ کے اذہان کا معجون مرکب ہیں اس سے ہمیں بر کیف اختلاف ہے۔

دوسری اہم بات یہ کہ اگر باطنی خلافت اور تقسیم ولایت کو افضلیت کی دلیل مان لیا جائے تو پھر مولا علی المرتضیٰ کے بعد باطنی خلافت اور قاسم ولایت سردارِ نوجوانانِ اہل جنت امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری کو ملی۔ اس دلیل کے تحت تو مولا علی المرتضیٰ کے بعد امت کے افضل ترین شخص یا تو امام حسین ہوئے یا امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔ جناب خلفاء ثلاثہ کو کس دلیل کے تحت افضل مانیں گئے؟

اس سلسلہ میں عرض کردوں کہ اگر ان لوگوں سے یہ سوال کیا جائے کہ مولا علی المرتضیٰ کی افضلیت کی کیا دلیل ہے تو جواب بڑا ہی منطقی دیں گے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ظنی ہے۔ جناب والا یہ کیا جواب ہوا؟ دلیل پوچھی تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ظنی کہہ دیا۔ کیا علمی استدلال ہے۔

جناب ظہور احمد فیضی صاحب کا یہ کہنا بالکل صحیح تھا کہ جو مسئلہ افضلیت کو ظنی کہتا ہے اصل میں وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہی افضل سمجھتا ہے۔ ایسے لوگ جو منافقت کرتے ہوئے مسئلہ تفضیل کو ظنی کہہ کر عوام الناس کے سامنے افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جھوٹا دعویٰ کرے تو ان لوگوں سے جناب ظہور احمد فیضی صاحب بہت بہتر ہیں۔ کیونکہ فیضی تو برملا افضلیتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعتراف کرتا ہے، کوئی منافقت نہیں کرتا۔ مگر اہل سنت کے لباس میں چھپے ہوئے تفضیلی لوگ کس منہ سے اہل سنت، اہل سنت کا نام لیتے ہیں۔ میرا ان سے سوال ہے کہ عوام الناس کو مسئلہ افضلیت کو قطعی اور ظنی کے مسئلہ میں الجھانا کون سی علمی خدمت ہے۔ جناب والا، ظنی کہہ کر اس مسئلہ کو اُلجھانا اتنا آسان نہیں جتنا آپ لوگوں نے اس کو سمجھ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دور میں حق بات کرنے والوں کو ایسے نام نہاد علماء کے مقابلے میں پیدا کرتا رہا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی پیدا کرتا رہے گا۔ جو ان کے علمی ڈھکوسلوں کا جواب دیتے رہیں گے۔ کیا ان کو خود اس بات پر شرمندگی سی محسوس نہیں ہوتی کہ ساری عمر یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیتے نہیں تھکے، مگر ان کے دلوں میں اعلیٰ

حضرت سے جو بغض ہے میں اس کو بتا بھی نہیں سکتا۔ ساری عمر انھوں نے ظنی مسئلوں پر وہابیوں اور دیوبندیوں کے خلاف منبر، تحریروں اور مناظروں میں مخالفت کی ہے۔ مگر جب اپنی باری آئی تو مسئلہ کو ظنی کہہ کر آسانی سے ٹال دیا۔

جناب والا! آپ لوگوں کو اپنے علم پر بڑا ناز ہے مگر عرض یہ ہے کہ آپ ذرا عوام کے سامنے قطعی اور ظنی مسئلہ کو تو ایک طرف رکھیں، صرف یہ بیان کر دیں کہ شعار مذہب اہل سنت کس کو کہتے ہیں؟ اور شعار مذہب اہلسنت کس طرح ثابت ہوتے ہیں؟ جناب والا! سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں قطعیت تو ثابت ہے، اور ظنیت تو آپ کو بھی مسلم ہے۔ یہ مسئلہ تو شعار مذہب اہلسنت کے تحت بھی ثابت ہے۔ اور یہ بات سب پر عیاں ہے کہ شعار مذہب اہل سنت کا منکر اہل سنت سے خارج ہوتا ہے۔ اس ضمن میں شارح بخاری علامہ شریف الحق امجدی صاحب کا فتویٰ ملاحظہ کریں اور اس مسئلہ کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے گا۔

شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور ماننے کا عقیدہ صرف باب فضائل ہی تک محدود ہے، اس کے منکر کی نہ تکفیر جائز نہ تفسیق۔ لیکن اس زمانے میں یہ مسئلہ اہل سنت و جماعت کا اتفاقی اور اجماعی عقیدہ بن چکا ہے اور اس زمانے میں اس کا منکر اہل سنت میں سے کوئی ایک فرد نہیں۔ صرف وہابی، نیچری وغیرہ بدمذہب گمراہ ایسے کہ جن کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہوئی ہے۔ وہی اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے اس زمانے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور ہونے کا انکار کرنا بدمذہبی کا شعار ہو چکا ہے پس اب جو بھی نورانیت مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کا انکار کرے اس کو وہابی بدمذہب کہہ سکتے ہیں۔ نہ اس لیے کہ یہ انکار بدمذہبی ہے بلکہ اس لیے کہ یہ انکار بدمذہبوں کا شعار ہے۔ جیسے حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے اہل سنت کی علامات پوچھی تو فرمایا: تفضیل الشیخین و حب الختنین و المسح علی الخفین۔ یعنی کہ اس زمانے میں اہل سنت اور روافض و خوارج کے مابین یہ تین چیزیں ما بہ الامتیاز تھیں۔ اسی طرح اس زمانے میں میلاد و قیام، نیاز، فاتحہ، ندائے یارسول اللہ اور استعانت، بالاولیاء وغیرہا کی طرح سرکار علیہ التحیۃ والثنا کے بارے میں یہ اعتقاد کہ آپ نور تھے یا نہیں؟ اہل سنت و وہابیہ کے درمیان امتیازی نشان بن چکا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم''۔

(فتاوی شارح بخاری جلد ۱ ص ۳۲۷-۳۲۸)

جناب والا! اگر اب بھی آپ ظنیت کا قول اختیار کیے ہوئے ہیں تو پھر تیار رہیں کہ جس دن عوام آپ کو جھنجوڑ کر یہ پوچھے گی کہ علم غیب، حاضر ناظر، اذان سے پہلے درود وسلام، نبی کریم ﷺ کا جسمانی معراج، متعہ، قرآن میں معوذتین، جنت اور دوزخ کا وجود، نبی کریم ﷺ کی چالیس سال سے پہلے نبوت کے مسائل بھی تو ظنی ہیں۔ اس بارے میں بھی صحابہ کرام کے اقوال موجود ہیں۔ اس بارے میں جناب کا کیا جواب ہوگا؟ اور ظاہر ہے کہ ان مندرجہ بالا مسائل کے بارے میں عوام الناس کے سامنے بڑے رعب سے جواب دیں گئے کہ مسئلہ ظنی کا انکار کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ظنی بھی تو وجوب کے درجہ میں ہوتا ہے۔ مگر افسوس مسئلہ افضلیتِ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتنی سرد مہری کیوں؟

سخن اویس کا جواب

کچھ باتیں علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب سے

علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب حال مقیم انگلینڈ نے غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۱۳ تا ۲۴ تک سخن اویس کے عنوان کے تحت بہت ساری باتیں نقل کی ہیں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ کچھ ان کی باتوں کی بھی خبر گیری ہو۔

اعتراض: سید زاہد شاہ صاحب غایۃ التبجیل مترجم ص ۲۳ سخن اویس میں لکھتے ہیں:

اور قوی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ افضلیت کا مسئلہ ظنی ہے، امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ، امام آمدی، امام مازری رحمۃ اللہ علیہ، امام قرطبی، امام سعد الدین تفتازانی، قاضی عیاض مالکی، سید سند شریف جرجانی، شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی علیہم الرحمۃ جیسی قد آور شخصیات مسئلہ تفضیل کی ظنیت کی قائل ہیں۔

جواب: عرض یہ ہے کہ امام باقلانی، اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کس کتاب میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ظنی کہا ہے؟ شیخ محمود سعید ممدوح نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کو ظنیت کا قائل قرار دیا ہے، جسکی تفصیل متعلقہ باب میں آرہی ہے۔ لہٰذا جناب سید زاہد حسین شاہ صاحب کا بغیر تحقیق و جستجو شیخ ممدوح کی تائید کرنا مناسب نہیں ہے۔

مزید یہ کہ عوام الناس کو اس مسئلہ کو ظنی کہہ کر مرغوب کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس بارے میں عوام الناس کو آگاہ کیوں نہیں کیا جاتا کہ مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے والے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننے کو واجب لکھا ہے۔ اس بات کی بھی تفصیل متعلقہ باب میں آرہی ہے۔

اعتراض: جناب سید زاہد حسین شاہ صاحب سخن اویس کے تحت ص ۱۴ پر لکھتے ہیں:

بعض احباب نے اجماع کے قول کی بنیاد پر قطعیت ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اس لیے اس حوالہ سے عرض ہے کہ اجماع سے قطعیت اس وقت ثابت ہوگی جب اجماع قطعی ہوگا اور اجماع قطعی وہ اجماع ہوتا ہے جو نقل متواتر سے ہم تک پہنچا ہو جیسا کہ کتب اصول سے ثابت

الاجماع القطعی کالاجماع السکوتی المنقول بطریق التواتر۔

(شرح نخبۃ الفکرص ۳۴۳)

جب یہاں یہ شرط نہیں پائی جاتی تو اس سے قطعیت ہرگز ثابت نہیں کی جاسکتی نیز شروع سے آج تک مسئلہ افضلیت اختلافی چلا آرہا ہے۔

جواب: جناب سید زاہد حسین شاہ صاحب نے جو دعویٰ کیا ہے کہ اجماع قطعی کے لیے متواتر منقول ہونا ضروری ہوتا ہے وگرنہ اجماع ظنی ہو جاتا ہے۔ اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت کریں۔

مزید یہ کہ جناب سید زاہد حسین شاہ صاحب کی نظر تواتر کے لفظ پر تو پڑھ گئی مگر انھیں یہ دھیان نہ رہا کہ تواتر کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کے لیے کن کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ تواتر کی مذکورہ اقسام ہیں۔

تواتر لفظی	تواتر معنوی
تواتر طبقہ	تواتر تعامل وتوارث

تواتر لفظی وہ ہے کہ تمام راوی ایک جیسے متساوی الفاظ نقل کریں جیسے قرآن کا تواتر اور اس کے اعراب وغیرہ۔

تواتر معنوی وہ ہے کہ ایک کثیر جماعت اس کو نقل کرے کہ ان تمام کا قدر مشترک متفق علیہ ہو، اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہوں، جیسے جنگوں، جہاد اور بڑے اشخاص کے واقعات، بے شک جو احادیث تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں، ان میں سے اکثر تواتر معنوی کی قسم سے ہیں۔ جیسے مسح علی الخفین کی احادیث۔ (قمر الاقمار ص ۱۷۶)

اجماع کے دعویٰ کو جناب سید زاہد حسین شاہ صاحب نے تسلیم کیا ہے مگر اس اجماع کو ظنی کہا ہے کیونکہ اس میں تواتر کی شرائط موجود نہیں ہے۔ اب جناب سید زاہد حسین شاہ صاحب سے عرض یہ ہے کہ وہ یہ بتائیں کہ دعویٰ اجماع میں تواتر کی کون سی قسم کے تواتر کا وہ انکار کرتے ہیں۔

کیونکہ تواتر لفظی کا تو ہمارا دعویٰ ہی نہ تھا۔ اور نہ ہی اجماع کا دعویٰ کرنے والوں نے اس کا اظہار کیا ہے۔ افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع قطعی تواتر معنوی، تواتر طبقہ اور تواتر تعامل اور توارث ثابت ہیں۔ اگر آپ کو رد کرنا ہے تو افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع کے تواتر پر

تواتر معنوی، تواتر طبقہ اور تواتر تعامل اور توارث کارد کرنا ہوگا۔ مگر ان تمام دلائل کا توڑ ناناممکنات میں سے ہے۔

اعتراض: جناب سید زاہد حسین شاہ صاحب لکھتے ہیں:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض کتب میں یہ صراحت ہے کہ حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہوا ہے۔ جواباً عرض یہ ہے کہ بعض اوقات اکثریت کے قول کو بھی اجماع کہہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ سب کا اتفاق اور اجماع نہیں ہوتا۔ مثلاً! فقہ حنفی کی معروف کتاب ھدایہ شریف میں ہے کہ امام کے پیچھے قرآت کے منع ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔ علیہ اجماع الصحابہ۔ (ھدایہ اولین ص ۱۲۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قرات خلف الامام کو جائز سمجھتے ہیں اس لیے محشی لکھتے ہیں اگر اجماع صحابہ ہوتا تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ضرور اس کا علم ہوتا ہے...... سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ نے اجماع کا دعویٰ کیوں فرمایا، محشی اس موقع پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ۸۰ صحابہ کرام کے منع قرات کا ذکر کر کے توجیہ فرماتے ہیں...... مفہوم یہ ہے کہ قراءت خلف الامام کے منع ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تو نہیں ہوا البتہ ۸۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی ممانعت منقول ہے۔ اس لیے اکثریت کا اعتبار کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے اسے اجماع قرار دیا۔

جواب: اجماع کو اکثر کے درجہ میں لانے کی وجہ کیا ہے؟ بعض اوقات اکثریت کو اجماع کہنا تو ایک طرف ہے مگر کیا یہ قانون ہر جگہ لاگو ہوتا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ اکثر لوگوں کی رائے پر اجماع کا اطلاق کیا جائے۔ مگر اس سے یہ اخذ کرنا کہ جہاں پر بھی اجماع کا لفظ ہوگا وہ اکثریت کی رائے کو ثابت کرے گا، غلط ہے۔

مزید یہ کہ صاحب ہدایہ نے مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو اجماع کہا جو کہ اکثر صحابہ کا قول تھا۔ اب صاحب ہدایہ کے اس قول سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں بھی اجماع کا قول کیا جائے گا وہ اکثریت لوگوں کا قول مراد ہوگا۔

یہ بات بھی ممکن ہے کہ کبھی کبھار صاحب ہدایہ اکثریت پر اجماع کا اطلاق کریں، مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ صاحب ہدایہ ہر جگہ اکثریت سے اجماع مراد لیتے ہیں؟

اور اگر صاحب ہدایہ کا یہ اصول ثابت بھی ہو جائے کہ اکثریت پر وہ اجماع کا اطلاق کرتے

ہیں۔تو اس بات سے یہ کیسے ثابت ہو جاتا ہے کہ تمام علماء کرام اور محدثین کرام جب بھی اجماع کا قول کریں تو اس سے مراد اکثریت کی رائے ہوگی۔اسکی مثال اس طرح ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب راوی پر منکر الحدیث کا اطلاق کریں تو اس سے مراد راوی کا شدید ضعف ہوتا ہے۔جبکہ اگر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کسی راوی کے بارے میں منکر الحدیث کا اطلاق کریں تو اس سے مراد راوی کا تفرد ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ لفظ ایک ہے مگر علماء کرام کے استدلال مختلف ہے۔

اسی طرح اگر صاحب ہدایہ اکثریت کے قول پر اجماع کا اطلاق کرتے بھی ہوں تو اس سے یہ مراد لینا کہ ہر عالم اور محدث بھی اجماع کو اکثریت کے قول کے مترادف سمجھتا ہوگا ایک صریح غلطی ہے۔

اعتراض: جناب سید زاہد شاہ صاحب غایۃ التبجیل ص ۱۶ پر لکھتے ہیں:

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئیے کہ اجماع اس وقت قطعیت کا فائدہ دیتا ہے جب اس کے خلاف کوئی بھی روایت موجود نہ ہو حتیٰ کہ اگر روایت شاذ بھی اجماع کے خلاف آجائے تو بھی ظنیت پیدا کر دیتی ہے اور اجماع سے قطعیت ثابت نہیں ہو سکتی۔اور اس اصول کی تائید میں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تکمیل الایمان ص ۶۱ سے استدلال بھی کیا ہے۔

جواب: مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کے لیے مخالفین کو بڑی مشکل پیش آرہی ہے۔اور اجماع کو ظنی ثابت کرنے کے لیے خلاف اصول بات سے بھی استدلال کرنے سے عار نہیں کرتے۔اگر یہ اصول وضع کر دیا جائے کہ اجماع کے خلاف کوئی شاذ قول بھی موجود ہو تو اجماع قطیعت سے ظنیت کے درجہ میں آجاتا ہے۔اس ضمن میں قادیانی حضرات کے لیے اس اصول کی روشنی میں راہ ہموار کرنا آسان ہو جائے گا۔لہٰذا اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے ایسے اصول وضع کرنا جو کہ تمام علماء کرام کے ہاں معتبر نہیں ہے، استدلال کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے۔جبکہ تفضیلیہ حضرات کا مسئلہ افضلیت کو باب العقائد سے نہ ماننا بھی غایۃ التبجیل سے عیاں ہے۔

جناب والا اگر قادیانی نے مسئلہ ختم نبوت کے اجماع پر اثر عباس رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا تو پ کے لیے بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔لہٰذا اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے ایسے اصولوں سے استدلال کرنا کوئی دین کی خدمت نہیں ہے۔ایک طرف تو ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ مسئلہ افضلیت عقیدہ کا مسئلہ نہیں ہے۔مگر دوسری طرف مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے شاذ اقوال ڈھونڈ ڈھونڈ کر لائے جاتے ہیں۔اگر آپ اسی اصول سے استدلال کرتے ہیں تو پھر

غرض یہ ہے کہ اسی اصول کے تحت یہ ثابت کر کے دکھا دیں کہ اجماع امت دلیل قطعی ہوتی ہے۔
مزید یہ کہ شیخ محقق شاہ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ جمہور کے مذہب کے خلاف کوئی قول آجائے اس کی حیثیت تسلیم نہیں کرتے، اس مسئلہ پر تو پھر بھی اجماع ہے۔ اجماع میں شاذ قول کے خلل کا تو سوال ہی نہیں ہوتا۔

شیخ محقق اپنی کتاب تکمیل الایمان ص ۱۶۵ [مترجم] پر لکھتے ہیں:

''بعض علماء کرام نے ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو مقبول اور معتبر نہیں مانا، کیونکہ یہ ایک شاذ روایت ہے، جو جمہور کے قول کے خلاف ہے، ائمہ جمہور اس ضمن میں اجماعی طور پر نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل تھے۔''

ایک دوسرے مقام پر شیخ محقق لکھتے ہیں:

''اور کہتے ہیں کہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مقبول نہیں ہے، کیونکہ یہ شاذ روایت ہے جو جمہور کے قول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، جمہور نے اجماع پر فیصلہ کیا ہے۔''

(تکمیل الایمان [مترجم] ص ۱۶۳)

اجماع امت کے خلاف عقیدہ رکھنے کے بارے میں شیخ محقق ایک مقام پر کچھ یوں لکھتے ہیں:

''اگر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فرعون کا ایمان درست ہوتا تو امت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اہل علم اجماع ملت کے نظریہ کے خلاف کس طرح اسے صاحب ایمان قرار دے سکتے ہیں۔ دلائل شرعیہ میں اجماع تو قطعی دلیل ہوتی ہے۔ بہر حال ہمیں حیرت ہے کہ اس معاملہ میں کیا فیصلہ کیا جائے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تغافل و اغماض سے کام لیتے ہوئے تکلفاً شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا اجماع امت کے مطابق مان لیا جائے۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمام آئمہ دین کے برعکس حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول تسلیم کر لیا جائے اور موجودہ زمانہ کے بعض نادانوں کی طرح اسلام کے پیشواء کے بالکل خلاف جاتے ہوئے فرعون کو مومن تسلیم کر لیا جائے۔ ''**نعوذ باللہ من الخلل و الزلل**''۔ (تکمیل الایمان [مترجم] ص ۱۰۰، ناشر مکتبہ نبویہ، لاہور)

اس حوالہ کے بعد شیخ محقق لکھتے ہیں:

''حاصل کلام یہ ہے کہ اعتقاد کے معاملے میں سواد اعظم کے ٹھوس نظریہ سے ہمیں جدا

نہیں رہنا چاہیے اور ائمہ مجتہدین کے تابع ہونا چاہیے۔ خاص کران مسائل میں جس میں ساری امت کا اجماع ہے اور اتفاق ہے۔ علیحدہ نہیں جانا چاہیے"۔

(تکمیل الایمان [مترجم] ص ۱۰۱، ناشر مکتبہ نبویہ، لاہور)

اس حوالہ کے بعد کسی اور تفصیل کی گنجائش نہیں بنتی۔ شیخ محقق نے خود اجماع امت کے خلاف قول کی حیثیت واضح کر دی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب تکمیل الایمان میں مسئلہ افضلیت پر اپنی کوئی حتمی رائے پیش نہیں کی۔ بعض لوگ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ افضلیت کی ظنیت کے قائلین میں شمار کرتے ہیں جو کہ تحقیق کے برعکس ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اگر علماء اہل سنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر یقین رکھتے ہیں تو وہ حق پر ہیں...... مندرجہ بالا اقتباس ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں تھا۔ ہمیں ان کتابوں پر بھی اسی نقطہ نظر سے نگاہ ڈالنی چاہیے جن میں اس موضوع پر گفتگو کی جائے۔ تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے"۔

(تکمیل الایمان ص ۱۶۹ [مترجم])

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ مسئلہ افضلیت پر شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا رجحان قطعیت کی طرف ہے اور ابن حجر مکی کے قول پر کسی قسم کا رد بھی نہیں کیا۔

ملا علی قاری اور شم العوارض میں ظنیت کے قول کی تحقیق

اس تحقیق کے دوران معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے یہ واویلا مچانا شروع کر دیا ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شم العوارض میں مسئلہ افضلیت کو ظنی کہا ہے۔ اور یہ کتاب شم العوارض انکی آخری کتابوں میں سے ہے یا پھر شم العوارض شرح شفاء کے بعد لکھی گئی ہے۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ اس بات پر تھا کہ شم العوارض میں شرح شفاء کا تذکرہ ملا علی قاری نے کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ شم العوارض تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی متاخر کتب میں سے ہے۔

جواب: ان احباب میں سے چند لوگوں کی نیت تو صحیح تھی جس کا ثبوت ان کا قلبی رجحان تھا مگر تحقیق

نامکمل تھی۔اور چند لوگوں نے اس حوالہ پر شور وغوغا مچا رکھا ہے اور پھولے نہیں سمارہے۔ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شم العوارض کو متاخر کتاب میں سے شمار کرنا تحقیقی غلط ہے۔

اول: جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق کہ شم العوارض میں ملا علی قاری نے شرح شفاء شریف کا ذکر کیا ہے۔تو اس بابت عرض کردوں کہ یہ عبارت شم العوارض کے اس نسخہ میں ہے جو وہابی محقق شیخ آل سلمان کی تحقیق سے چھپا ہے۔اس کتاب کی تحقیق اس نسخہ پر رکھی گئی ہے جو کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے تقریبا ۱۴۰ سال بعد لکھا گیا۔اس نسخہ میں کاتب سے لے کر صاحب نسخہ تک کی بھی مشکوک ہے۔مزید یہ کہ اس کتاب کے ابتداء میں محقق آل سلمان نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس کتاب کا ذکر ملا علی قاری نے شرح شفاء میں کیا ہے۔جس سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ محقق کے نزدیک بھی شم العوارض کی تذکرہ شرح شفاء میں بھی ملتا ہے۔جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ شم العوارض پہلے کی کتاب ہے۔

دوم: یہ کہ میرے پاس شم العوارض کا ایک محققہ نسخہ ہے جس کی تحقیق دکتور مجید خلف نے کی ہے۔جو کہ مرکز فرقان، مصر سے طبع ہے۔اس محققہ نسخہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس تحقیق کی بنیاد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ پر ہے۔اور یہ بات سب پر واضح ہے کہ مصنف کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ کی اہمیت مسلمہ ہوتی ہے۔اس نسخہ میں شرح شفاء کا تذکرہ کسی بھی جگہ موجود نہیں ہے۔جس سے واضح ہوا کہ شیخ آل سلمان کے نسخہ میں گڑبڑ اور تحریف ہے بلکہ کئی مقامات پر تقابل کے بعد معلوم ہوا کہ بہت ساری عبارتیں الحاقی اور اضافی ہیں۔

سوم: شیخ آل سلمان کے نسخہ میں بھی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ شم العوارض لکھنے کی وجہ ایران میں صفوی حکمران اسماعیل صفوی کا سنیوں کا قتل عام ہے۔اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسماعیل صفوی کا دور ۹۵۰ھ کے لگ بھگ ہے۔اور اسی فتنے میں ملا علی قاری کے شیخ بھی شہید ہوئے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ ملا علی قاری کی اپنی تصریح کے مطابق اس کتاب کے لکھنے کا سال ۹۵۰ھ یا اس کے کا ہے۔جو کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ابتدائی زمانہ بنتا ہے۔معلوم ہوا کہ شم العوارض ملا علی قاری نے اپنے ابتدائی دور میں لکھی۔

سوم: قارئین کی معلومات کے لیے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی تصنیف کا دور درج کیا جاتا ہے۔

فتح باب العنایہ ۱۰۰۳ھ

فرائد القائد	۱۰۰۴ھ
المصنوع فی معرفۃ الموضوع	ملا علی قاری نے شرح شرح نخبۃ الفکر میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ شرح سے قبل کی کتاب ہے۔
شرح شرح نخبۃ الفکر	۱۰۰۶ھ
مرقاۃ المفاتیح	۱۰۰۸ھ
جمع الوسائل	۱۰۰۸ھ
الحرز الثمین	۱۰۰۸ھ
شرح الشفاء	۱۰۱۱ھ
شرح موطا امام مالک	۱۰۱۱ھ۔ ۱۰۱۳ھ
شرح عین العلم	۱۰۱۴ھ

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شم العوارض کا تذکرہ اپنی کتاب الاسرار المرفوعہ اور شرح شفاء میں بھی کیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ شم العوارض ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی کتابوں میں سے ایک ہے۔ اور اس کو متاخر کتابوں میں شمار کرنا غلطی ہے۔

(i) شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کا تحقیقی جائزہ:

سید زاہد شاہ صاحب غایۃ التبجیل صفحہ ۱۸ و صفحہ ۱۹ مترجم پر لکھتے ہیں:

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر تم میری نصیحت قبول کرو تو صحابہ کرام کے معاملے میں دخل دینے سے اجتناب کرو۔ ان میں سے ہر ایک ہستی سے برابر محبت کرو اور انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے باز آجاؤ اگر کسی ایک کی فضیلت کا تمہارے دل پر غلبہ ہے تو اس کو اپنے دل کا راز بنا لو اس کا اظہار تمہارے لیے ضروری تو نہیں ہے اور یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں ان سے محبت زیادہ رکھو۔ بلکہ تمہارے لیے لازم ہے کہ تم سب سے محبت رکھو سب کی فضیلت و بزرگی کو تسلیم کرو۔ اور صحیح عقیدہ کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کے درست

ہونے کا اقرار کرو۔ ان کی خلافتوں کو برحق تسلیم کرو۔" (اعلام الہدیٰ صفحہ ۵۳)

جواب:

(i) عرض یہ ہے کہ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف مسئلہ افضلیت پر نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس کے مشاجرات کے بارے میں ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح فقہ الاکبر صفحہ ۲۵۶ پر اِس قول کو مشاجرات صحابہ کے باب میں نقل کیا ہے۔ لہٰذا اِس قول کو تفضیل کے باب میں لانا صحیح نہیں ہے۔

(ii) اعلام الہدیٰ کے قلمی نسخوں کی عبارت میں کافی تحریف موجود ہے۔ جس سے مطبوعہ نسخہ پر کلیتاً اعتماد کرنا فی الحال صحیح نہیں ہے۔ ان میں ۱۲ عدد مخطوطات راقم کی لائبریری میں موجود ہیں۔ مگر فی الحال اس وقت ہم ان نسخوں کی بحث کو مؤخر کر دیتے ہیں۔

(iii) مزید یہ کہ اگر تفضیلیوں کو یہ قول قبول ہے تو اس پر خود عمل کیوں نہیں کرتے؟ ہمیں اس پر عمل کرنے کے مشورے آخر کیوں؟ عوام الناس کو ایسے اقوال دکھاتے ہیں اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

مزید عرض یہ ہے کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف کے بارے میں کہا ہے: "لولا التعرف ما عرفنا" التصوف یعنی اگر التعرف نہ ہوتی تو ہم تصوف کو نہ پہچان سکتے۔ اس کتاب التعرف میں سیدنا ابو بکر صدیق کی افضلیت کا واضح بیان موجود ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلی رضی اللہ عنہ هذان سیدا کهول اهل الجنة من الاولین و الاخرین الا النبین و المرسلین یعنی ابا بکر و عمر فاخبر صلی الله علیه وسلم أنهما خیر الناس بعد النبیین۔ (التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۶۹)

شاہ عبد الحق محدث دہلوی اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اور تعرف میں صوفیہ کے عقائد جن پر ان کا اجماع ہے بیان کیے ہیں وہ سب کسی کمی وبیشی کے اہل سنت کے عقائد ہیں۔" (اشعۃ اللمعات ج ا ص ۴۶۲ مترجم)

اس مقام پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسئلہ افضلیت کی طرح چند لوگ اتنی شدت سے مائل ہیں کہ ان کو نہ تو دلائل کی فکر ہے اور نہ مذہب اہل سنت کی اور نہ ہی انہیں جید علماء کرام کی تحقیق

پر اعتماد ہے۔ان کا کام ہی یہ ہے کہ کسی نہ کسی شخصیت کو نشانہ بنایا جائے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے سلف صالحین کی توقیر و عظمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت قطب دکن بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک:

سید زاہد حسین شاہ صاحب غایۃ التبجیل صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں:

''اس حوالے سے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت قطب دکن بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بھی ملاحظہ فرمائیے۔آپ فرماتے ہیں:

''ایک مسئلہ جو زیادہ طول پکڑ گیا ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا مسئلہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عنداللہ جس صحابی کو جو فضیلت حاصل ہے کسی کو اس کا علم نہیں ہے بس ہر شخص اپنے اپنے دلائل پیش کرتا ہے لیکن دلائل سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔''

(شرح جوامع الکلم صفحہ ۱۹۸)

حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۸۲۵ میں ہوا اور آپ نے اس مسئلہ میں توقف کو ترجیح دی ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں چند معروضات ہیں:

۱- یہ کہ اگر بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ اگر توقف کے قائل ہیں تو پھر آپ اس موقف پر قائم کیوں نہیں؟ اگر آپ اِس موقف پر قائم ہیں تو پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل کیوں ہیں؟ اور اگر آپ خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کے موقف سے اتفاق نہیں رکھتے تو پھر یہ قول ہمارے مقابلے میں کیوں پیش کرتے ہیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کیوں خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کے موقف سے انحراف کرتے ہیں۔اس کی وجوہات بھی قلمبند فرمائی جائیں؟

۲- شرح جوامع الکلم کے محقق مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال (قطع نظر اس کے کہ وہ وہابی تھا) صفحہ ۴۹ مطبوعہ الفیصل ناشران، لاہور لکھتے ہیں:

''آپ نے اپنے ملفوظات میں بار بار خلفاء راشدین کی فضیلت اس ترتیب سے بیان فرمائی۔حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔''

۳- خواجہ بندہ نواز ''شرح جوامع الکلم صفحہ ۵۹ پر ارشاد فرماتے ہیں:

''ہر گروہ کے مختلف عقائد ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔لیکن مذہب حق یہ ہے کہ

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں۔ آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ نیز تمام صحابہ کرام خدائے برتر کے اولیاء اور مقرب بارگاہ ہیں۔"

خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عقیدہ کیوں نہیں عوام الناس کے سامنے پیش کیا گیا؟ کیا وجہ ہے؟ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قائل تھے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ افضلیت پر فتویٰ کی تحقیق:

سید زاہد شاہ صاحب غایۃ التبجیل کے صفحہ ۲۰ اور صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے سوال ہوا کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین سے افضل ماننے والے کی اقتداء میں نماز درست ہے یا نہیں تو آپ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ تفضیلیہ دو قسم کے ہیں: ایک قسم وہ لوگ ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں مگر شیخین کی محبت و تعظیم میں نہایت سرگرم ہیں اور شیخین کے مناقب و مدائح بیان کرنے اور ان کے طریقہ اور روش کی اتباع کرنے، شیخین کے اقوال و افعال پر عمل کرنے میں نہایت مستعد اور راسخ قدم ہیں جیسا کہ اہلِ سنت کہتے ہیں کہ حضرات شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان امور میں جو مذکور ہوئے ہیں فضیلت ہے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور پیار میں نہایت سرگرم ہیں اور آپ کے قول و فعل پر عمل کرنے میں نہایت مستعد ہیں تفضیلیہ کی یہ قسم اہلِ سنت میں داخل ہے۔ البتہ ان لوگوں نے مسئلہ تفضیل میں خطا کی ہے۔ اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کا جمہور اہلِ سنت سے اختلاف ایسا ہی سمجھنا چاہیے جیسا اشعریہ ماتریدیہ میں اختلاف ہے اس قسم کے تفضیلیہ کی امامت جائز ہے اور اہلِ سنت کے بعض علماء و صوفیاء اسی روش پر ہوئے ہیں۔ مثلاً عبدالرزاق محدث اور سلمان فارسی اور حسان بن ثابت اور بعض دیگر صحابہ کا ایسا ہی خیال تھا۔"

(فتاویٰ عزیزی فارسی صفحہ:۱۸۳)

علامہ سید زاہد شاہ صاحب پھر صفحہ ۲۱ پر نمبر ۴ کے تحت لکھتے ہیں:

"جو شخص تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حسنِ عقیدت رکھتا ہو اور حضرت علی کو ان سے افضل سمجھتا ہو وہ اہلِ سنت ہے صحابہ و اولیاء کا پیروکار ہے۔"

جواب: مقام تعجب ہے کہ تفضیلی حضرات کس طرح اِس فتویٰ سے اپنا مطلب نکالتے ہیں؟ جبکہ ان کے موقف پر اس فتویٰ میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ غور طلب مقام ہے کہ

۱- سب سے پہلے آپ خط کشیدہ عبارت مکمل ذہن نشین کرلیں۔ کیونکہ اس عبارت میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفضیلی کی وہ قسم بیان کی ہے کہ جو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان امور میں جو مذکور ہوئے فضیلت دیتے ہیں۔ اَب اِس عبارت میں ''ان امور میں جو مذکور ہوئے'' بڑی ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ اَب معاملہ یہ ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جن میں اہلِ سنت حضرت شیخین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت ہے۔ ان امور کا ذکر شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل پوچھنے والے سوال میں ذکر کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پچھلے سوال میں کون کون سی فضیلتوں میں افضل کہا ہے ملاحظہ کریں۔ کیونکہ اسی میں عبارت اس کا حل موجود ہے۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ عزیزی صفحہ ۴۱۲ مترجم پر لکھتے ہیں:

''حضرات شیخین کی تفضیل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ہر وجہ سے نہیں ہے بلکہ علماء محققین نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما میں بھی کسی سے ایک صاحب کی تفضیل دوسرے صاحب پر ہر وجہ سے ثابت ہونا محال ہے۔'' (یعنی افضلیت جزوی ہر صحابی کو دوسرے صحابی پر ہے مگر اختلاف تو افضلیت مطلقہ پر ہے)

پھر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مراد اِس امر سے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہے یہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر صرف ان امور میں فضیلت ہے۔ سیاست امت وحفظِ دین وسدباب فتنہ وترویج احکامِ شرعیہ وممالک میں اشاعت واقامت حدود وتعزیرات یہ ایسے امور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مانند انجام دینے میں حضرات شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہے۔''

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت جزوی اور شیخین کی افضلیت مطلقہ پر تصریح موجود ہے۔

۲- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں تفضیلی سے مراد ایسے تفضیلی جو کہ ''حضرت علی

رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں مگر شیخین کی محبت اور تعظیم میں نہایت سرگرم ہیں...... جیسا کہ اہلِ سنت کہتے ہیں کہ حضرات شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان امور کہ اوپر مذکور ہوئے ہیں فضیلت ہے۔" اِس عبارت میں واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت جزوی دینا مراد ہے نہ کہ افضلیت مطلقہ۔

۳۔ شاہ صاحب کی عبارت میں تفضیلی کا لفظ دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہوئے جبکہ عبارت میں آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت کے لفظ ہیں نہ کہ افضلیت کے۔ جبکہ اختلاف افضلیت میں ہے نہ کہ فضیلت میں۔

۴۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ واضح طور پر اپنے فتویٰ میں فضیلت جزوی والے تفضیلی کی امامت کو صرف جائز کہہ رہے ہیں۔ اس فتویٰ میں فضیلت مطلقہ والے تفضیلی کے پیچھے نماز کا کوئی حکم نہیں۔

اس تحقیق سے یہ واضح ہوگیا کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ تفضیل جزوی کے بارے میں تھا نہ کہ تفضیل مطلق کے قائل کے بارے میں۔ لہٰذا ایسے فتویٰ سے عوام الناس کو بہکانا مناسب نہیں ہے۔

۵۔ نیز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ فتاویٰ عزیزی میں الحاقات اور تحریفات موجود ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ میں الحاقات کی شکایت اُنھی کے زمانے میں لوگوں نے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کی تھی جسکا تذکرہ خود شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک خط میں کیا ہے۔ لہٰذا وہ لکھتے ہیں:

وتعریضات در باب معاویہ ازین فقیر واقع نہ شدا گر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا پر فتنہ انگیزی وکید ومکر کہ بنائے ایشاں یعنی گروہ رافضہ از قدیم برہمیں امور است این کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔ اللہ خیر حافظا۔ واین تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد۔

(مکتوبات شاہ عبدالعزیز نمبر سوم ص ۲۶۵۔۲۶۶)

۶۔ دیوبندیوں کے مسلمہ شخصیت اشرف علی تھانوی فتاویٰ عزیزی کے بارے میں مطمئن نہیں ہیں۔ مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

"اول تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کا ہے بھی؟ مجھ کو تو قوی شک

ہے"۔ (امداد الفتاویٰ: ج ۵ ص ۳۰۷ طبع مجتبائی، دہلی)

۷۔ دیوبندیوں کی ایک اور مسلمہ شخصیت مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں۔

فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود اس کو جمع فرمایا ہے اور نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ معلوم نہیں وفات کے کتنا عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدلیس اس میں کی ہو اور کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لیے فتاویٰ کے مجموعے میں شامل کر دی ہو۔ (مقام صحابہ ص ۷۴۔ ۷۵)

لہٰذا اس تحقیق سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ پر کلیتاً اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔

۸۔ یہ جواب تو تھا بر صورت تسلیم۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ فتاوی عزیزی کی یہ عبارت شاہ صاحب کی نہیں بلکہ الحاقی ہے کیوں کہ شاہ صاحب سے بسند صحیح منقول ہے کہ افضلیت شیخین قطعی ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حدثنا المولی الثقة الثبت سلالة العارفين السيد الشريف الفاطمی سیدنا ابو الحسین احمد النوری قال: سمعت شیخی و مرشدی سیدنا و مولانا آل الرسول الاحمدی قال سمعت الشاہ عبد العزیز الدھلوی یقول: تفضیل الشیخین قطعی أو کالقطعی.

ترجمہ: ہم سے بیان کیا ثقہ ثبت سید ابو الحسین النوری نے وہ کہتے ہیں میں نے اپنے شیخ و مرشد سیدنا آل رسول سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے شاہ عبد العزیز دہلوی سے سنا، وہ کہتے تھے کہ افضلیت شیخین قطعی ہے یا قطعی جیسی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۶۷۸)

تو جب شاہ صاحب کے اپنے فرمان سے افضلیت کی قطعیت ثابت ہو گئی تو پھر یہ کسی صورت تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ آپ قطعیت کے منکر کی اقتداء کو جائز کہتے ہوں اور اسے اہل سنت سمجھتے ہوں۔ اگر تسلیم کر لیا جائے تو اصول سے کھلا انحراف ہے جو کہ شاہ عبد لعزیز جیسے عالم سے بعید ہے۔ و

لہٰذا ہم اس بات کو جو آپ سے بسند صحیح ثابت ہے اس کے مذر نہیں کر سکتے جس کا وجود ہی مشکوک ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اور مسئلہ تفضیل:

سید زاہد حسین شاہ صاحب صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں:

''امام اہلِ سنت، مجددِ دین وملت، الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سید کی تعظیم و توقیر کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ سید تفضیلی ہو، تب بھی اس کی تکریم واحترام لازمی اور ضروری ہے۔''

سید زاہد حسین شاہ صاحب صفحہ ۲۲ پر مزید اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ نقل کرتے ہیں:

''سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، اُن اعمال کے سبب اُس سے تنفر نہ کیا جائے نفس اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حدِ کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اُس حالت میں بھی اُس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی، ہاں اگر اس کی بدمذہبی حدِ کفر تک پہنچے جیسے رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری وغیرہ تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی سیادت وہی نہ رہی۔''

اور یہ فتویٰ جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے اپنی کتاب مناقب الزہراء رضی اللہ عنہا ص ۲۲۴، ۲۲۵ پر بھی نقل کیا ہے۔

جواب: عرض یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ پر اپنی رائے دینے سے بہتر ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تصریح پیش کر دی جائے تاکہ معاملہ واضح ہو جائے اور پڑھنے والے بآسانی فیصلہ کر سکیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ ملاحظہ کریں:

''مسئلہ ۸۰۹: اہلِ سنت و جماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ بعد الانبیاء علیہم السلام افضل البشر ہیں۔ زید و خالد دونوں اہلِ سادات ہیں، زید کہتا ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے اُس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ خالد کہتا ہے کہ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت ہے اور ہر سید تفضیلیہ ہے اور تفضیلیہ کے پیچھے نماز مکروہ نہیں ہوتی بلکہ جو تفضیلیہ کے پیچھے نماز مکروہ بتائے خود اس کے پیچھے نماز مکروہ

ہوتی ہے۔

الجواب: تمام اہلِ سنت کا عقیدہ اجماعیہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے افضل ہیں۔ ائمہ دین کی تصریح ہے کہ جو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو اُن پر فضیلت دے مبتدع بدمذہب ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ فتاویٰ خلاصہ، وفتح القدیر و بحر الرائق و فتویٰ عالمگیری وغیرہ یا کتب کثیرہ میں ہے۔ اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے۔ غنیہ و ردالمختار میں ہے۔ بدمذہب کے پیچھے نماز ہر حال میں مکروہ ہے۔ ارکانِ اربعہ میں ہے۔ ان یعنی تفضیلی شیعہ کی اقتداء میں نماز شدید مکروہ ہے۔ تفضیلیوں کے پیچھے نماز سخت مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" (فتاویٰ رضویہ جلد ۶ صفحہ ۶۲۲)

یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس فتویٰ کی تاریخ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ ہے۔ جو کہ علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب کے پیش کردہ فتویٰ سے متاخر ہے۔

قارئین کرام! آپ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں فتویٰ ملاحظہ کریں اور دونوں میں فرق ملاحظہ کریں باقی نتیجہ پڑھنے والے پر مرکوز ہے۔ مگر سید زاہد شاہ صاحب کو کم از کم اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں فتویٰ عوام الناس کے سامنے پیش کر دینے چاہئیں تھے تاکہ ساری بات واضح ہوسکے۔

گولڑہ شریف کے فتویٰ کی تحقیق:

سید زاہد شاہ صاحب صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں:

دربار عالیہ گولڑہ شریف میں صدر مدرس و مفتی حضرت شیخ الحدیث مشتاق احمد چشتی مدظلہ العالی سابق شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان سے جب مسئلہ تفضیل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے سجادہ نشین حضرت پیر سید شاہ عبد الحق گیلانی مدظلہ العالی کے ارشاد پر درج ذیل فتویٰ عنایت فرمایا۔

تاریخ ۲۱ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ

حسب ارشاد قبلہ پیر سید شاہ عبد الحق صاحب مدظلہ

۱۔ ہم جمہور اہلسنت کے مسلک کے مطابق تفضیل شیخین کے قائل ہیں البتہ اگر کوئی شخص خلفاء ثلاثہ کے فضائل مانتے ہوئے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیتا ہے تو ہم اسے اہلسنت والجماعت سے خارج نہیں سمجھتے کیونکہ صحابہ کرام و اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم میں ایسے بزرگوں کے نام ملتے ہیں جو حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل مانتے تھے۔

(ملاحظہ ہو، مناقب الائمۃ الاربعۃ، شیخ ابوبکر باقلانی صفحہ ۳۰۶)

۲۔ حضرت امیر معاویہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور الصحابہ کلھم عدول فی الروایۃ کے حکم میں داخل ہیں۔

جواب: محترم جناب حضرت شیخ الحدیث مشتاق احمد چشتی صاحب کا اپنا ایک فتویٰ مسئلہ تفضیل کے متعلق اس وقت کا بھی ہے جب وہ مدرسہ انوار العلوم، ملتان میں مدرس تھے اور جامعہ کے مفتی سید مسعود علی قادری تھے۔

لہٰذا شیخ الحدیث مشتاق احمد چشتی صاحب کا اپنا فتویٰ ملاحظہ کیجیے۔

بعد از انبیاء المرسلین تمام مخلوقات الٰہی انس و جن و ملک سے افضل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں پھر فاروق رضی اللہ عنہ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور پھر مولا علی رضی اللہ عنہ۔ جو شخص مولا علی رضی اللہ عنہ کو صدیق رضی اللہ عنہ یا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے افضل بتائے گمراہ بدمذہب ہے اور اہل سنت سے خارج۔ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

اصاب من اجاب سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان ۲۰ دسمبر ۱۹۶۹ء

قارئین کرام! اس فتویٰ کو مفتی محمد غلام سرور قادری صاحب کی کتاب افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ص ۱۵۶ پر بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

مزید عرض یہ ہے کہ فخر السادات قبلہ پیر سید شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ العالیہ کا فرمان سر آنکھوں پر۔ کیونکہ ایسی ہستیاں ہمارے لیے باعث فخر اور ہمارے سروں کے تاج ہیں۔ میری کیا مجال کہ میں انکے ارشاد کے بابت کچھ لکھ سکوں مگر انھی کے جد امجد فاتح قادیانیت حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے مسئلہ تفضیل کے بارے میں جو رائے قائم کی، میں اس مقام پر لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

"...... چنانچہ مولانا ابو الشکور سالمی نے تمہید میں تحریر فرمایا ہے...... اور بعض نے کہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہیں تو یہ بات کفر ہے۔ لیکن ان کے وہ اقوال جو بدعت ہیں کفر نہیں بنتے وہ یہ ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرات شیخین سے افضل بتائے......

حررہ: محمد عبد الرحمن بحکم قبلہ عالم مخدومنا و مولانا جناب پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بقلم خود۔

(فتاویٰ مہریہ ص ۲۴۵_۲۴۶)

نیز حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ ہم افراد کو حق سے جانتے ہیں، حق کو افراد سے نہیں جانتے۔

شیخ محمود سعید ممدوح کی تعریف کے پُل:

سید زاہد شاہ صاحب صفحہ ۲۳ و صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں:

"شیخ محمود سعید ممدوح عرب کے عظیم محدث اور اہلِ سنت کے محسن ہیں بالخصوص شیخ ناصر الدین البانی کے رد میں اہلِ سنت کے لیے بڑا کام کیا ہے۔"

جواب: کوئی بھی عالم اہلِ سنت میں اس وقت شمار نہیں ہو سکتا جب تک اس کے تمام عقیدے اہلِ سنت و جماعت کے نہ ہو۔ اور وہ اسی پر ہی تمام عمر قائم رہے۔ باقی رہا کسی بدمذہب کا رد تو یہ بنیاد نہیں۔ کیوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی ابتداء عیسائیوں کا خوب رد کیا تھا اور اس پر کچھ علماء نے اس کی اس وقت تحسین بھی کی تو کیا سید زاہد حسین شاہ صاحب مرزا صاحب کے بارے میں بھی کہیں گے کہ وہ تو اہل سنت کے محسن ہیں انہوں نے عیسائیت کا رد کیا۔ علاوہ ازیں محمود سعید ممدوح نے لکھا ہے:

قول الصحابی لیس بحجة۔

کہ صحابی کا قول حجت نہیں۔ (غایة التبجیل [عربی] ص ۱۷۹، مترجم ص ۲۳۰)

تو جب وہ صحابہ جن کے طریقے پر چلنے والا سنی ہو سکتا ہے جیسے وارد ہے کہ ما انا علیہ و اصحابی۔ تو جو ان کے قول کو حجت نہیں مانتا تو ہم اس کے قول و عقیدہ کو جو خلاف اجماع ہے کیسے تسلیم کریں۔

سعید ممدوح نے مسئلہ تفضیل میں اہلِ سنت کی مخالفت کی ہے لہٰذا وہ علماء اہلِ سنت کے فتویٰ اور تحقیق کی رو سے بدعتی شخص ہے۔ مزید یہ کہ سعید محمود ممدوح غایة التبجیل ص ۲۳۱ مترجم کے حاشیہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر سخت قسم کے الفاظ سے رد کیا ہے۔ میں سید زاہد شاہ صاحب سے سوال کروں گا کہ محمود سعید ممدوح نے غایة التبجیل صفحہ ۳۹۱ مترجم پر حضرت عمر بن خطاب

رضی اللہ عنہ کا نکاح سیدہ امِ کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے تسلیم کیا ہے۔ اب سید زاہد شاہ صاحب بتلائیں کہ آپ کو محمود سعید ممدوح کا یہ موقف قابل قبول ہے کہ نہیں؟ اور دوم یہ کہ سعید ممدوح مسئلہ افضلیت کو باب عقائد سے تسلیم نہیں کرتا جبکہ قبلہ عبد القادر شاہ صاحب اس مسئلہ کو عقائد کے باب میں داخل کرتے ہیں۔ اس کے جواب پر ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

تو جب ان کے سارے اقوال آپ کو بھی تسلیم نہیں تو آخر اجماع اہل سنت کے خلاف پیش کردہ ان کے موقف کو آپ اہل سنت پر کیوں تھونس رہے ہیں۔

پہلے باب کا جواب

مسئلہ افضلیت پر ظنی اقوال کا تحقیقی جائزہ

مسئلہ افضلیت پر اکابرین نے اپنی اپنی تحقیقی کاوش منظر عام پر لانے کی کوششیں کیں۔ان کی تحقیق میں تقویٰ اور دیانتداری بھی موجود تھی۔مگر اِس موضوع پر اہم سوال یہ ہے کہ ہم حق کو شخصیات سے جانیں یا شخصیات کو حق سے پہچانیں؟ اگر تو مسئلہ افضلیت میں جذبات اور خیالات کو فوقیت دینی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس مسئلہ پر دلائل دینا ختم کریں اور اس بات کا اقرار کرلیا جائے کہ مسئلہ افضلیت پر دلائل نہیں بلکہ اپنی رائے کو مقدم رکھیں گے۔ہمارے سلف و صالحین نے جو اصول وضوابط وضع کیے پھر ہمیں انہیں نظرانداز کر کے ایک طرف رکھ دینا چاہئیے اور مدارس میں پڑھائے جانے والے اصولوں پر پابندی عائد کر دینی چاہیے۔کیونکہ اگر ان اصولوں کی پاسداری نہیں کرنی تو پھر اپنی زندگی کا اہم حصہ ان اصولوں کو سیکھنے پر ضائع کیوں کیا جائے؟

کسی بھی متنازعہ مسئلہ کو حل کرنے کا بہترین حل یہ ہے کہ تسلیم شدہ اصولوں اور ضوابط پر اپنی کامل تحقیق پیش کرنی چاہیے۔اور دونوں اطراف کے دلائل کا ناقدانہ اور تحقیقی جائزہ پیش کرنا چاہیے۔مسئلہ افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر آج کل اختلاف یہی ہے کہ ایک طرف جمہور اِسے قطعی مسئلہ جانتے اور مانتے ہیں اور دوسری طرف کچھ اصولیین اِس مسئلہ کو ظنی بھی کہتے ہیں۔لہٰذا عوام الناس تو ایک طرف علماء کرام کا ایک بڑا طبقہ مسئلہ افضلیت کے دلائل سے بے خبر اور لاعلم ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی اس مسئلہ افضلیت کی طرف توجہ ہی نہیں رہی اور جبکی وجہ اس مسئلہ کا اہلسنت میں اتفاقی ہونا تھا۔

مسئلہ افضلیت کو راقم نے گذشتہ دو سالوں سے ہر جہت اور اصول سے پرکھنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش جاری رکھی۔مگر بڑا تعجب ہوا کہ اس مسئلہ کو تحقیقی انداز کی بجائے لوگوں نے الزامی طور پر واضح کرنے کی کوشش کی۔پھر دوسری اہم وجہ اس مسئلہ کو نہ سمجھنا بھی ہے۔لوگوں کو افضلیت اور

فضیلت کا فرق بھی معلوم نہیں ہے۔ بہت سارے علماء کرام نے کثرت فضائل کو افضیلت کی بنیاد مانا جس سے اس مسئلہ کی قطعیت میں کلام نے جنم لیا۔ جس سے اس مسئلہ میں مزید الجھاؤ پیدا ہوا۔ اس پر طرہ امتیاز یہ ہے کہ مسئلہ افضلیت کو افضل مفضول کی امامت میں محصور کر دیا گیا اور اس مسئلہ کو مزید الجھا دیا۔ اپنے اکابرین کو ان کی خطاء پر مطعون نہیں کرتے بلکہ اس خطاء سے ماجور سمجھتے ہیں۔ جب تک مسئلہ افضلیت کا گہرائی سے مطالعہ نہ ہو اس کو سمجھنے میں مشکل پیش آئے گی اور غلط راستے پر چلنے کا امکان زیادہ ہے۔ مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے والے مندرجہ ذیل ائمہ کرام کے اقوال ایک محقق سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل مترجمہ صفحہ ۷۲ تا ۸۱ میں درج کیے ہیں۔

۱- امام ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ مناقب الائمہ الاربعہ صفحہ ۹۵، ۵۱۳، ۵۱۴، ۴۸۱

۲- امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ کتاب الارشاد صفحہ ۴۳۱

۳- امام المازری رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ المعلم بفوائد صحیح مسلم ۳ / ۱۳۸

۴- محقق شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ شرح المواقف ۸ / ۳۷۲

۵- ابو العباس القرطبی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ فتح الباری ۷ / ۳۴، جواہر العقدین للسمہودی ۲ / ۴۵۸

۶- امام سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ أبکار الافکار صفحہ ۳۰۹، ۳۱۰

۷- علامہ سعد تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۶۵

۸- شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ اعلام الہدی بحوالہ شرح فقہ الاکبر صفحہ ۱۹۴، ۱۹۵

۹- فقیہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ الصواعق المحرقہ صفحہ ۸۹

۱۰- علامہ سید حضرمی شافعی بحوالہ التریاق النافع علی جمع الجوامع ۲ / ۲۵۴-۲۵۵

جواب: قارئین کرام! ان مندرجہ بالا اصولیین کے اقوال پیش کر کے جناب سعید ممدوح اور ان کے ہمنوا خود اضطراب کا شکار ہو چکے ہیں۔ سعید ممدوح نے یہ تمام اقوال ''مسئلہ تفضیل کے ظنی ہونے پر متعدد علماء کی تصریحات'' کے باب کے تحت نقل کیے ہیں۔ مگر انہی اصولیین سے اسی مسئلہ میں توقف بھی منقول ہے۔ اگر ظنی ہے تو توقف کیسا؟ اور اگر توقف ہے تو مسئلہ ظنی کیسا؟

۱- امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

اب اس مقام پر تھوڑی تفصیل درکار ہے تا کہ معاملہ واضح اور آشکار ہو سکے۔

خود سعید ممدوح غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۷۴ پر لکھتے ہیں:

"رہے وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی افضلیت کے قطعیت کے بارے میں توقف کرتے ہیں یا ان سب کی فضیلت میں برابر ہونے کی قطعیت میں توقف کرتے ہیں تو بلاشبہ وہ لوگ حق کے زیادہ قریب ہیں اور دلیل پکڑنے میں زیادہ استحقاق کے حامل ہیں۔" (بحوالہ مناقب الائمۃ الاربعۃ صفحہ ۵۱۳، ۵۱۴)

اور امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو پیر سید قبلہ عبد القادر شاہ صاحب نے اپنی تصنیف زبدۃ التحقیق صفحہ ۳۳۰ پر بھی پیش کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں صاحبین کی تحقیق میں امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ توقف کے قائل تھے۔ تو سعید ممدوح کو امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ظنی اقوال کے تحت پیش کرنا علمی خیانت اور خلافِ تحقیق ہے۔

دوسری طرف سعید ممدوح غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۷۳ پر حاشیہ میں امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے فضائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیش کرنے اور فضائل علی رضی اللہ عنہ کی تاویل کرنے پر شدید اعتراض اور ناراضگی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ حیرانگی ہے کہ پھر بھی مناقب الائمۃ اربعۃ سے بڑی دلیری سے مسئلہ افضلیت پر حوالے بھی پیش کر رہے ہیں۔ میرا سوال ہے کہ کیا سعید ممدوح اپنے نظریے کو زبردستی ثابت کرنے کی کوشش نہیں کر رہے؟ جہاں سے جو بھی حوالہ ملا نقل کر دیا تاکہ عوام الناس کے ساتھ علماء کرام بھی شکوک وشبہات کی گہری وادیوں میں غوطہ زن رہیں۔ اور کیا اسی کا نام تحقیق ہے؟ اور کیوں اِس کتاب کی اشاعت پر اتنی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جاسکتا ہے؟

نوٹ: خود امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب الانصاف صفحہ ۶۱ پر مسئلہ افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتقاد کو واجب لکھا ہے۔

و یجب ان یعلم: ان امام المسلمین و امیر المؤمنین و مقدم خلق اللہ اجمعین من الانصار و المھاجرین بعد الانبیاء المرسلین: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

ترجمہ: یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ امام المسلمین امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء ومرسلین کے بعد تمام مہاجرین اور انصار سے مقدم ہیں۔ (الانصاف ص ۶۱)

جس سے واضح ہوگیا کہ اگر بر سبیل تنزل مسئلہ افضلیت کو ظنی بھی مانا جائے تو پھر بھی مسئلہ

افضلیت واجب کے درجے میں رہے گا اور یہ سب پر ظاہر ہے کہ واجب اعتقادی کے منکر کا کیا حکم ہوتا ہے؟ یہ واضح رہے کہ مالکی، شافعی اور حنبلی محققین واجب اور فرض کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

۲-امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

دوسرے نمبر پر سعید ممدوح نے مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کے بارے میں امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کا قول کتاب الارشاد صفحہ ۴۳۱ سے نقل کیا ہے۔ مگر خود سعید ممدوح نے اپنی کتاب التبجیل[مترجم] صفحہ ۸۹ پر امام الحرمین کا قول نقل کیا ہے:

"اور ان کی شان میں وارد ہونے والی احادیث باہم متعارض ہیں لیکن غالب گمان یہی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے متعلق خیالات باہم متعارض ہیں۔ ہمارے لیے مختصراً یہی کافی ہے کہ ملت کے اکابرین اور امت کے علماء کی اکثریت اسی پر متفق ہوئی اور ان کے ساتھ ہمارا حسنِ ظن اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر وہ اس ترتیب کے دلائل اور علامات کو نہ جانتے تو اس پر متفق نہ ہوتے اور تفصیلاً علامات یہ ہیں۔ قرآن، سنت، آثار اور علاماتِ صحابہ رضی اللہ عنہم۔"

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر قطعی دلیل نہ ہونے کے باوجود امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے کسی دوسرے صحابی کو افضل کہنے کا کوئی فتویٰ صادر نہیں کیا بلکہ جمہور کے قول کو معتبر مان کر عمل کیا۔ جبکہ سعید ممدوح غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۸۹ رقم: ۳ کے تحت مذہبی اجماع (یعنی اہلسنت و جماعت کا اجماع) اور جمہور کے قول کو شرعی حجت نہیں مانتے۔ جبکہ اس کے برعکس امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کے قول کی بنیاد پر ہی مسئلہ افضلیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانا ہے۔

قبلہ سید عبدالقادر شاہ صاحب جمہور کی مخالفت کرنے والے کو فاسق اور بدعتی مانتے ہیں۔ خیر اس کا فیصلہ تو پڑھنے والے اور علماء کرام ہی کر سکتے ہیں۔ حق امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے یا شیخ سعید ممدوح کی طرف؟ اس کا فیصلہ مشکل نہیں ہے۔

۳-امام المازری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

سعید ممدوح نے تیسرا حوالہ امام المازری رحمۃ اللہ علیہ کا دیا ہے۔ امام المازری کو ظنیت کے قائلین میں شمار کرنا علمی بدیانتی اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ امام المازری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف لوگوں کے اختلافات نقل کیے ہیں۔ لہٰذا امام المازری صرف ناقل ہیں محقق نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ حوالہ معتبر نہیں ہے۔ خود سعید ممدوح صفحہ ۸۸ پر قول ۷ کے تحت امام مازری رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ تفضیل میں توقف اختیار کرنے والوں میں لکھتے ہیں، عجب تضاد ہے۔

مزید برآں یہ کہ امام المازری رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ افضلیت کو قطعی ثابت کرنے کے لیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔ امام المازری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و قول مالك أو فى ذلك شك؟ يكاد يشير به الى المذهب الذى حكيناه عن القائلين بالقطع و لكنه أشار الى التوقف بين على و عثمان۔ (المعلم بفوائد المسلم ج ۳ ص ۲۴۱)

لہٰذا امام المازری رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ افضلیت میں ظنیت کے قائلین میں شمار کرنا شیخ سعید ممدوح کا دجل اور فریب ہے۔

۴- محقق شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

محقق شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ سعید ممدوح نے خود صفحہ ۷۶ کے حاشیہ میں نقل کر دیا: ''اور امامت (خلافت) کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر وہ افضلیت کے متعلق قطعیت کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ اس کا فائدہ و نتیجہ ظن ہے کیسے؟ اس لیے کہ مفضول کی امامت فاضل کی موجودگی میں صحیح نہ ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ لیکن ہم نے سلف کو یہ فرماتے ہوئے پایا کہ ابوبکر افضل ہیں، پھر عمر، پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان حضرات ائمہ کے ساتھ ہمارا حسنِ ظن یہ تقاضا کرتا ہے کہ اگر وہ انہیں اس کا اہل نہ جانتے تو ان پر افضلیت کا اطلاق نہ کرتے۔ پس ہمیں اس قول میں ان کی اتباع واجب ہے۔''

اس کے بعد حاشیہ میں ممدوح لکھتا ہے:

''زیر بحث مسئلہ میں اختلاف سامنے آجانے کے بعد وجوب کا قول محل نظر ہے۔''

بڑی حیرانگی ہے کہ جہاں تو ظنی کا لفظ ملا اسے تو قبول کر لیا۔ مگر جہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کو واجب کہا اُس پر اعتراض داغ دیا۔ کیا اِسی کو تحقیق کہتے ہیں؟ اللہ ہمیں اپنے نفس کے شر سے محفوظ رکھے۔

اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محقق جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں ظن بالمعنی وجوب کے ہے۔ اور سلف کا عقیدہ ماننا حجت اور واجب ہے۔

۵-ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

امام ابو العباس القرطبی رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ افضلیت میں ظنیت کے قائلین میں شمار کرنا دجل وفریب اور جھوٹ ہے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ امام ابو العباس القرطبی رحمۃ اللہ علیہ تو مسئلہ افضلیت کو قطعی لکھتے ہیں۔

أفضليته بعد رسول الله ﷺ عند اهل السنة و هو الذى يقطع به من الكتاب و السنة۔ ابو بكر الصديق رضی اللہ عنہ، ثم عمر الفاروق رضی اللہ عنہ، ولم يختلف فى ذلك أحد من أئمة السلف ولا الخلف، ولا مبالاة باقوال أهل التشيع، ولا أهل البدع۔

(المفهم لما أشكل من تلخيص صحيح مسلم۔ ج۶ ص۲۳۸ باب فضائل ابو بکر صدیق، طبعہ دار ابن کثیر، دمشق، بیروت)

امام ابو العباس قرطبی نے تو واضح طور پر شیخین کی افضلیت کو قطعی مانا ہے۔ جہاں تک ان کا مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یاد رہے کہ محدثین اور علماء کرام مسئلہ تفضیل میں دو نکات پر کلام کرتے ہیں۔

اول تفضیل شیخین کا مسئلہ۔ جس پر اجماع امت ہوا اور یہ مسئلہ قطعی ہے۔

دوسرا تفضیل ختنین کا مسئلہ۔ جس پر شروع میں اختلاف ہوا اور بعد میں جمہور افضلیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قائل ہوئے۔ اس مسئلہ کو علماء کرام نے ظنی کہا۔

لہٰذا اسی مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے علامہ ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و قد اختلف أئمة أهل السنة فى على رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ۔ و قد روى عن مالك أنه توقف فى ذلك وروى عنه أنه رجع الى ما عليه الجمهور۔ وهو الأصح ان شاء الله والمسئالة اجتهادية لا قطعية۔

(المفہم لما اشکل من تلخیص صحیح مسلم۔ج ۶ص ۲۳۸باب فضائل ابوبکر صدیق ،طبعہ دارابن کثیر ،دمشق ،بیروت)

اس عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ امام قرطبی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین مسئلہ افضلیت کو ظنی کہا ہے نہ کہ شیخین کی افضلیت کو۔ معلوم ہوا کہ شیخ محمود سعید ممدوح نے اس عبارت کو پیش کر کے فریب اور دجل سے کام لیا ہے۔

۶- امام سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

امام سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے والوں میں لکھا ہے۔ مگر خود صفحہ ۷۸ پر ہی ابکار الافکار صفحہ ۳۱۰ کے حوالہ سے مسئلہ افضلیت پر توقف کرنے کو امام آمدی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا ہے۔ جس سے تضاد واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ظنیت اور توقف کے اقوال میں طرق بعید ہے۔ شیخ ممدوح نے ظنیت کے باب میں توقف کے قول درج کیے ہیں اور اس طرح اس کا برعکس بھی ہے۔

مزید یہ کہ یہ تحقیق امام سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی نہیں بلکہ اپنے اصحاب کی تحقیق نقل کر رہے ہیں۔ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب غایۃ المرام صفحہ ۳۲۲ پر لکھتے ہیں کہ تعارض استدلال کو ساقط کر دیتا ہے اور عمل صرف اجماع مسلمین اور مجتہدین پر ہے۔ بلکہ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کو واجب لکھا ہے۔

علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ويجب مع ذالك أن يعتقد أن أبابكر أفضل من عمر و أن عمر أفضل من عثمان و أن عثمان أفضل من على وأن الأربعة أفضل من باقى العشرة۔

ترجمہ: یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ

سے افضل ہیں۔ اور یہ چاروں بزرگ عشرہ مبشرہ کے دیگر نفوس قدسیہ سے افضل ہیں۔ (غایۃ المرام ص ۳۳۱)

لہٰذا اگر علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول (کہ مسئلہ افضلیت ظنی ہے) کو مان لیا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ظنی بھی واجب کے درجے میں ہے۔ لہٰذا ظنی کہہ کر بھی سعید ممدوح کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا ظنی اقوال پر بغلیں بجانا فضول ہے۔

۷- محقق علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

محقق علامہ سعد تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل صفحہ ۷۸ پر مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے والوں میں شمار کیا ہے۔ مگر خود اسی حوالہ میں شرح العقائد النسفیۃ صفحہ ۶۵ میں علامہ سعد تفتازانی کو اس مسئلہ پر توقف کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ یہ یاد رہے کہ مسئلہ افضلیت میں توقف کا عقیدہ رکھنا اور مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اہم بات یہ کہ غایۃ التبجیل [مترجم] طبع کروانے والے محترم سید زاہد حسین شاہ صاحب کے لیے بھی قابل احترام سید عبد القادر شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق صفحہ ۳۳۳ پر علامہ سعد تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ افضلیت پر توقف کے قائلین میں شمار کیا ہے۔ یہ فیصلہ قارئین ہی کریں کہ سعید ممدوح تو ہیڈنگ ظنی اقوال کے دے اور درمیان میں دلائل توقف کے بھرتی کر دے۔ کیا یہی علمی روش اور تحقیق ہے؟ عوام الناس کو اس قسم کا دھوکا دے کر حق اور سچ کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ البتہ اپنا نامہ اعمال ضرور سیاہ کیا جا سکتا ہے۔

۸- شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بھی ظنی اقوال کے تحت لکھا۔ مگر پیش کردہ حوالہ سے ان کا اس مسئلہ پر توقف کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ پیش کردہ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت صحابہ کے مشاجرات کے بارے میں ہے نہ کہ افضلیت کے باب میں ہے۔ اور قبلہ عبد القادر شاہ صاحب نے بھی زبدۃ التحقیق صفحہ ۳۴۱ پر علامہ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کو توقف کا حامی لکھا ہے۔ لہٰذا ایسے اقوال کو ظنیت کے باب میں نقل کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

۹-فقیہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

فقیہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ خود فتاویٰ حدیثیہ میں مسئلہ افضلیت کو قطعی لکھتے ہیں۔امام ابن حجر مکی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

''حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت باقی تین خلفاء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت باقی دو خلفاء پر اجماع اہل سنت سے ثابت ہے۔اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اور اجماع مفید قطعیت ہے۔'' (الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۲۰۸ طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی)

لہٰذا امام بن حجر رضی اللہ عنہ کو مسئلہ افضلیت میں ظنیت کے قائلین میں شمار کرنا غلطی ہے۔خود شیخ ممدوح نے غایۃ التبجیل ص ۸۰ پر لکھا ہے:

''اس مسئلہ افضلیت کے ظنی اور اجتہادی ہونے کے اثبات میں ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ پر تعجب ہے، کیونکہ کبھی وہ اس میں اجماع کا کنایہ اور کبھی تصریح کرتے ہیں۔''

جناب! جب آپ کے نزدیک علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں اقوال پائے جاتے ہیں تو پھر ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ظنیت کے باب میں لکھنا کیا علمی خیانت نہیں ہے؟ جب کہ اس کے برعکس حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا واضح فتویٰ قطعیت کا موجود ہے۔

۱۰-علامہ سید ابو بکر بن شہاب حضرمی کے قول کی تحقیق:

سید ابو بکر بن شہاب حضرمی کا حوالہ ہمارے خلاف نقل کرنا اصول کے خلاف ہے۔شیخ محمود سعید ممدوح نے انکا عقیدہ چھپا کر خیانت سے کام لیا ہے۔علامہ سید ابو بکر بن شہاب حضرمی کے بارے میں علماء کرام کی یہ رائے ہے کہ وہ شیعیت کی طرف مائل تھے۔

(ملاحظہ کریں، الرقیۃ الشافیہ ص ۳۵)

علامہ جمال الدین قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

من الزیدیۃ مع تشیع ظاھر و عدوان سافر علی الصحابی کاتب الوحی و خال المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: یعنی سید ابو بکر بن شہاب حضرمی زیدیوں میں سے تھ اور ان کا تشیع واضح اور ظاہر تھا اور

اس کی دشمنی امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے تھی۔

(الرسائل المتبادلہ ص ۱۳۰ و ص ۲۱۱)

مزید عرض یہ بھی ہے کہ سید ابو بکر الحضرمی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کا منکر ہے اور محدثین کرام کا دشمن ہے۔ ایسے لوگوں کے حوالہ جات پیش کرتے ہوئے کچھ تو شرم محسوس کرنی تھی۔

اس مذکورہ بالا تحقیق سے ایک بات اور بھی ثابت ہوتی ہے کہ شیخ محمود سعید ممدوح بھی سید ابو بکر الحضرمی کے حامیوں میں سے ہے۔ شیخ ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص ۸۰ مترجم پر سید ابو بکر الحضرمی کو عظیم الشان علماء میں شمار کیا ہے۔ بلکہ انٹرنیٹ پر شیخ محمود سعید ممدوح کی ایک تقریر ہے جس میں اس نے الحضرمی کی بڑی تعریف اور اس کی کتابوں کی توثیق کی ہے اور ان کتابوں کے علمی عظمت کا اقرار کیا ہے جسمیں سید الحضرمی نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کا انکار اور ان پر لعن طعن کی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ خود شیخ محمود سعید ممدوح بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کا منکر اور ان پر لعن طعن کو جائز سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس شر سے محفوظ فرمائے۔

نتیجہ: اِس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ

(i) سعید ممدوح نے عوام الناس کو بہکانے کے لیے توقف والے اقوال ظنیت کے باب میں نقل کیے تاکہ لوگ یہ بھی مان لیں کہ مسئلہ افضلیت کو ظنی ماننے والے بھی ہیں۔

(ii) پیش کردہ حوالوں میں خود امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الانصاف صفحہ ۶۱ پر افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتقاد کو واجب لکھتے ہیں۔ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ، محقق شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اِس مسئلہ کو ماننا واجب لکھتے ہیں۔ جس سے واضح ہو گیا کہ اگر بر سبیل تنزل مسئلہ افضلیت کو ظنی بھی مانا جائے تو پھر بھی مسئلہ افضلیت واجب کے درجے میں رہے گا اور ظاہر ہے کہ واجب اعتقادی کے منکر پر حکم اور ہوتا ہے۔

(iii) ظن کا مطلب یہ نکالنا کہ مسئلہ افضلیت کی کوئی شرعی حیثیت نہیں جو شخص کسی کو بھی افضل مان لے اُس کا عقیدہ خراب نہیں ہوتا۔ یہ بات بڑی مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ اگر یہ عقیدہ رکھنا ضروری نہیں تو ہمارے سلف و صالحین اور اکابرین نے پھر کیوں یہ عقیدہ اپنایا اور اظہارِ عقیدہ کو کیوں ضروری سمجھا۔ لہٰذا ایسی باتوں کے ذریعے عوام الناس پر ایجنڈا مسلط کرنا غلط ہے۔ اس پر یہ عرض کر دوں کہ محمود سعید ممدوح اس مسئلہ کو تحقیقی طور پر ظنی ثابت نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس

کے پیچھے اس کی پالیسی یہ ہے کہ ظن کہہ کر مسئلہ افضلیت کو مشکوک بنایا جائے اور پھر اپنا عقیدہ لوگوں میں پھیلایا جائے اس مقام پر میں ایک نہایت اہم نکتہ کی طرف توجہ مبذول کراتا چلوں کہ مسئلہ افضلیت کو ظنی کہہ کر کسی کو بھی افضل ماننے اور کہنے کا موقف صحیح نہیں ہے۔ سعید ممدوح اور تفضیلیوں کو یہ معلوم ہے کہ اگر ہم مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کر دیں تو کسی کو بھی افضل کہنا آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ تفضیلی حضرات مولا علی المرتضیٰ مشکل کشا کو تمام صحابہ سے افضل مانتے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کو ظنی کہہ کر عوام الناس کو مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت والی روایات بتا کر مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل ثابت کر دیا جائے کیونکہ عوام الناس کو یہ معلوم نہیں کہ فضیلت علیحدہ چیز ہے جبکہ مسئلہ افضلیت ایک منفرد اور جدا چیز ہے۔ لہٰذا عوام الناس کو اس دھوکہ سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

سعید ممدوح کا اصولیین پر اعتراض

سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل میں مختلف ائمہ کرام کے ظنی اور توقف والے اقوال نقل کیے ہیں۔ مگر ان پیش کردہ اقوال میں ائمہ کرام نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی افضل مانا ہے جبکہ امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ، امام الحرمین اور محقق جرجانی اور ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننا واجب لکھتے ہیں۔ اس لیے ان حوالوں کو نقل کرنے کے بعد سعید ممدوح اِن ائمہ کرام سے بیزار نظر آتا ہے۔ جس کا شکوہ سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل [مترجم] صفحہ ۸۹ پر کرتا ہے: ''دراصل جب ائمہ نے اپنی منشاء غرض اور مطلب کے مطابق نقلی دلائل نہیں پائے تو وہ استدلال کی طرف چلے گئے اور افضلیت کے اثبات میں مذہبی اجماع یا جمہور کے قول کی جانب منتقل ہو گئے اور یہ دونوں شرعی حجت نہیں ہیں۔

سعید ممدوح کے قول سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

۱- ائمہ کا اپنی منشاء، غرض اور مطلب کے مطابق دلائل نہ پانا۔

۲- افضلیت کو ثابت کرنے کے لیے مذہبی اجماع اور جمہور کے قول کو ماننا۔

۳- مذہبی اجماع اور جمہور کا قول حجت نہیں۔

تبصرہ:

اب ان مندرجہ بالا نکات پر تحقیقی تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

(i) سعید ممدوح کی عبارت سے یہ واضح ہوا کہ ائمہ اصولیین کو اپنی منشاء و غرض اور مطلب کے مطابق مسئلہ افضلیت میں دلائل نہ ملے۔ اگر ان ائمہ کو مسئلہ افضلیت میں ان کے مطابق دلائل نہیں ملے تو کیا دوسرے محققین کو بھی وہ دلائل نہیں ملے ہوں گے؟ بہت سارے محققین اس مسئلہ میں دلائل واضح کر چکے ہیں اور اس مسئلہ کو قطعی لکھ چکے ہیں۔ لہٰذا ان چند اصولیین کا نہ جاننا دوسروں پر حجت ہوگا؟ نیز مسلمہ اصول ہے کہ جاننے والے پر حجت ہے۔ جیسا کہ موصوف خود لکھ رہے ہیں کہ و ان من علم حجة علی من لم یعلم۔ جاننے والا نہ جاننے والے پر حجت ہوتا۔ (غایۃ التبجیل ص ۱۷۹ عربی)

(ii) سعید ممدوح نے خود تصریح کی ہے کہ دلائل نہ ملنے کے بعد یہ ائمہ مذہبی اجماع اور جمہور کے قول کے مطابق مسئلہ افضلیت میں پھر بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی افضل مانتے ہیں اور یہ کہ اس مسئلہ افضلیت میں وہ مذہبی اجماع (اہل سنت کا اجماع) اور جمہور کا قول ان کے نزدیک حجت ہے اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔

(iii) سعید ممدوح آخر میں لکھتا ہے کہ مذہبی اجماع (اہل سنت کا اجماع) اور جمہور کا قول حجت نہیں ہے۔ بڑی حیرانگی ہے کہ ائمہ کرام مذہبی اجماع اور جمہور کے قول پر عمل کرنے کو واجب لکھیں جیسے کہ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الارشاد صفحہ ۴۳۱ اور محقق شریف جرجانی نے شرح المواقف ۸ / ۳۷۲ اور امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الانصاف صفحہ ۶۱ پر واضح تصریح کی ہے۔ مگر سعید ممدوح صاحب ان کو نہ ماننے کا برملا اظہار کریں۔ مزید یہ کہ کہاں کی تحقیق ہے کہ ان ائمہ کرام کا مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنا تو مانیں مگر انہی ائمہ کرام کا مسئلہ افضلیت میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننا واجب ہے کے قول سے انحراف کریں۔ انہی ائمہ کرام کا مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنا تو مانیں مگر مسئلہ افضلیت کو جمہور اور اجماع سے ثابت کرنے پر اظہار ناراضگی۔ تف ہے ایسی تحقیق پر اور ایسی تحقیق انہی تفضیلیوں کو ہی مبارک ہو۔

مسئلہ افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ظنی اور قطعی کی بحث آخر کیوں؟

قارئین کرام! یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس مسئلہ کو ظنی اور قطعی کی بحث سے تفضیلیہ کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تفضیلیہ اس مسئلہ کو ظنی کہہ کر اپنی جان خلاصی کرانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ تفضیلیہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسئلہ ظنی کی کسی بھی پہلو کو اخذ کرنے والوں پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے۔ یہ بحث اس مسئلہ میں سب سے اہم ہے۔ یہ بات تو تفضیلیہ کو بھی مسلم ہے کہ افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ظنی مسئلہ ہے، جس سے انھوں نے خود اس مسئلہ میں توقف کرنے والوں سے اختلاف کیا اور ان کے موقف کو نہیں مانا ہے۔ لہٰذا توقف والے اقوال ہمارے خلاف پیش کرنا انہیں زیب نہیں دیتا ہے۔

اب اس مسئلہ کے بارے میں دو نکات بڑے توجہ طلب ہیں۔

اول یہ کہ مسئلہ افضلیت کو بعض نے قطعی کیوں کہا؟ اور بعض نے اس مسئلہ کو ظنی کیوں کہا؟

دوم یہ کہ ظنی کہنے والوں نے مسئلہ تفضیل کو واجب بھی کہا۔ لہٰذا ظنی مسئلہ کو واجب کیوں کہا؟

اس اہم نکات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ کریں:

۱۔ مسئلہ افضلیت کو جمہور نے قطعی کہا اور بعض نے اس مسئلہ کو ظنی کہا۔ کسی مسئلہ میں قطعی اور ظنی کا اختلاف کیوں ہوتا ہے اور اس کا جواب کیا ہے؟ اس مسئلہ کو حافظ ابن قیم یوں بیان کرتے ہیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق کوئی ذی عقل نزاع نہیں کر سکتا۔ زید کے نزدیک کبھی وہ دلیل قطعی ہوتی ہے جو عمرو کے نزدیک ظنی ہے۔ لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیثیں جو امت میں رائج ہیں علم کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ ظنی ہیں۔ تو اس سے وہ اپنی حالت کی خبر دے رہے ہوتے ہیں کہ جب استفادہ علم کے ان منکرین کو ان طریقوں پر دسترس حاصل نہ ہوئی جو محدثین کو حاصل تھی تو انہوں نے اس سے یہ مطلب سمجھا کہ اخبار آحاد مفید علم نہیں ہیں۔ لیکن ان حدیثوں سے علم کا فائدہ نہ اٹھانا اس سلسلہ کی عام نفی کو متلزم نہیں ہے کیونکہ اس کی مثال تو اس شخص جیسی ہی ہوگی جسے کوئی چیز حاصل نہیں ہوئی یا اسے اس چیز کے بارے میں علم نہ تھا تو وہ یہ سمجھ لے کہ کسی کو وہ چیز حاصل نہیں ہوئی یا اس چیز کا کسی کو بھی علم نہیں ہے۔ اس کی دوسری مثال اس شخص جیسی بھی ہو سکتی ہے جو تکلیف، محبت، نفرت یا لذت کے احساس سے عاری ہو اور اپنے طبائع کے باعث یہ سمجھ بیٹھے کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں یہ احساسات پائے جاتے ہوں، اس طرح کی بہت سی مثالیں

پیش کی جاسکتی ہیں جن کی غایت صرف یہ ہوگی کہ جو چیز تم کو حاصل ہوئی ہے وہ مجھے نہیں ملی، اگر وہ بات اصلاً حق ہوتی تو ہم دونوں کو اس کے حصول میں مشترک ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ اس کے حصول میں تم منفرد ہو لہٰذا لازماً یہ باطل ہی ہوگی۔ (الصواعق المرسلہ ج ۲ ص ۴۳۲)

حافظ ابن قیم ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"اگر افادہ علم کے منکرین یہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیثیں موجب علم نہیں ہیں تو یہ لوگ دراصل اپنے متعلق اس بات کی اطلاع دیتے ہیں کہ انہوں نے ان حدیثوں سے علم حاصل نہیں کیا ہے۔ اپنے متعلق یہ اطلاع دینے میں یقیناً وہ صادق القول ہیں مگر جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ یہ احادیث محدثین کے لیے بھی مفید علم نہیں ہوتیں تو اس بارے میں ان کا جھوٹ واضح ہے۔"

(الصواعق المرسلہ ج ۲ ص ۳۷۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو مزید واضح انداز میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

لا يحصل العلم بصدق الخبر منها الا لعالم بالحديث المتبحر فيه العارف بأحوال الراوة المطلع على العلل و كون غيره لا يحصل له العلم بصدق ذلك لقصوره عن الأوصاف المذكورة لا ينفي حصول العلم للمتبحر۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۶۳)

ترجمہ: یعنی کسی خبر واحد کے صدق کا علم صرف اسی شخص کو ہوسکتا ہے جو فن حدیث کا متبحر عالم ہو، احوال رواۃ کو جانتا ہو اور روایات کے علم وغیرہ سے بھی باخبر ہو، جو شخص ان اوصاف مذکورہ سے تہی دامن ہو اور اس وجہ سے اسے صدق خبر کا علم حاصل نہیں ہوتا ہو تو اس کا عدم علم کسی متبحر عالم کے علم کی نفی نہیں کرسکتا۔

اس تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ علماء کرام میں اس مسئلہ کو قطعی اور ظنی کہنے کا اختلاف صرف اور صرف اپنی تحقیق کے مطابق تھا۔ اس تحقیق میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ جس نے بھی اس مسئلہ کو ظنی کہا اس نے اس مسئلہ کو قطعی کہنے والوں پر نہ تو رد کیا اور نہ ہی اس کے استدلال کو غلط لکھا۔

۲۔ اب رہا یہ نکتہ کہ مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے والوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی تمام صحابہ سے افضل کیوں کہا؟ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کو واجب کیوں لکھا؟

علماء کرام جنھوں نے مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کے باوجود سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننے کو واجب لکھا ہے ان کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الانصاف صفحہ ۶۱ پر مسئلہ افضلیت پر اعتقاد کو واجب لکھا ہے:

و یجب ان یعلم: ان امام المسلمین و امیر المؤمنین و مقدم خلق اللہ اجمعین من الانصار و المهاجرین بعد الانبیاء المرسلین: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: یہ جاننا واجب ہے کہ امام المسلمین امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء و مرسلین کے بعد تمام مہاجرین اور انصار سے مقدم ہیں۔ (الانصاف ص ۶۱)

ب۔ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ کو افضل ماننے کو واجب لکھا ہے۔ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ویجب مع ذالك ان یعتقد ان أبابكر أفضل من عمر و أن عمر أفضل من عثمان و أن عثمان أفضل من علی وأن الاربعة أفضل من باقی العشرة۔ (غایۃ المرام ص ۳۳۱)

ج۔ محقق شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ شرح المواقف ج ۸ ص ۳۷۲ پر لکھتے ہیں:

"لیکن ہم نے سلف کو یہ فرماتے ہوئے پایا کہ ابوبکر افضل ہیں، پھر عمر، پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان حضرات ائمہ کے ساتھ ہمارا حسنِ ظن یہ تقاضا کرتا ہے کہ اگر وہ انہیں اس کا اہل نہ جانتے تو ان پر افضلیت کا اطلاق نہ کرتے۔ پس ہمیں اس قول میں ان کی اتباع واجب ہے۔"

د۔ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کا قول کتاب الارشاد صفحہ ۴۳۱ میں یوں ہے:

"لیکن غالب گمان یہی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے متعلق خیالات پر ہم متعارض ہیں۔ ہمارے لیے مختصراً یہی کافی ہے کہ ملت کے اکابرین اور امت کے علماء کی اکثریت اسی پر متفق ہوئی اور ان کے ساتھ ہمارا حسنِ ظن اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر وہ اس ترتیب کے دلائل اور علامات کو نہ جانتے تو اس پر متفق نہ ہوتے اور تفصیلاً علامات یہ ہیں۔ قرآن، سنت، آثار اور علاماتِ

صحابہ رضی اللہ عنہم۔"

اب ہم اس نکتہ کو واضح کرتے ہیں کہ علماء کرام نے مسئلہ افضلیت کو ظنی کیوں کہا؟ علماء کرام کا مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان علماء کرام کے نزدیک افضلیت کے دلائل یا تو خبر احاد ہیں یا ظنی دلالت ہیں۔اور خبر احاد اور ظنی دلالت سے علم یقینی اور قطعیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔مگر یاد رہے کہ مسئلہ افضلیت کے بارے میں اخبار احاد اور ظنی الدلالت ہونا ان علماء کرام کے ہی نزدیک ہے جبکہ جمہور علماء کرام مسئلہ افضلیت کی بابت روایات کو متواتر ثابت کرتے ہیں جو کہ قطعیت کو ثابت کرتے ہیں۔لہٰذا ان دونوں کا دعویٰ ان کے اپنے اپنے علم کے مطابق ہے جیسا کہ ابن قیم نے تصریح کی ہے۔

سوال: ان علماء کرام نے مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کے باوجود سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کو واجب کیوں کہا؟ یا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی دیگر صحابہ کرام سے افضل کیوں کہا؟

جواب: اس بارے میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

(اول) اخبار احاد (خبر واحد، ظنی) جس کو اہل علم کے ہاں قبولیت حاصل ہو، علم یقینی (قطعی) کا فائدہ دیتی ہے۔

(دوم) اگر خبر واحد (ظنی) میں قرائن موجود ہوں تو وہ ظن کے درجہ سے ترقی کر کے قطعیت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ان دونوں نکات کے بارے میں محدثین کرام کے اقوال ملاحظہ کریں۔

۱- حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اخبار اَحاد جو مشہور، عزیز اور غریب میں منقسم ہیں، میں بعض اوقات ایسی صفات واقع ہوتی ہیں کہ جو علی المختار قرائن کے ساتھ علم نظری (وہ علم جو نظر و استدلال سے حاصل ہو۔علم نظری افادہ پر استدلال کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اس کے حصول کے لیے اہلیت نظر ہونا شرط ہے۔تحفۃ اہل نظر ص ۱۱) کا فائدہ دیتی ہے برخلاف ان علماء کے جنہوں نے اس چیز کا انکار کیا ہے۔حالانکہ یہ اختلاف درحقیقت لفظی ہے کیونکہ جو لوگ اطلاق علم کے جواز کے قائل ہیں وہ اسے علم نظری قرار دیتے ہیں جو کہ استدلال کا ماحصل ہوتا ہے۔جن محدثین نے اخبار احاد کے مفید علم ہونے کا انکار کیا ہے ان

کے نزدیک لفظ علم کا اطلاق صرف متواتر کے لیے خاص ہے اور باقی اخبار کو وہ ظن قرار دیتے ہیں لیکن اس اختلاف کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ جس خبر واحد میں قرائن صحت پائے جاتے ہوں وہ اس خبر واحد سے ارجح ہے جو ان قرائن سے خالی ہو۔'' (نزہۃ النظر ص ۲۴، فتح المغیث ج ا ص ۶۰)

۲- علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

والمختار حصول العلم بخبره اذا احتفت به القرائن و يمتنع ذلك عادة دون القرائن۔ (الأحکام للآمدی ج ۲ ص ۵۰)

ترجمہ: یعنی پسندیدہ اور مختار مذہب یہی ہے کہ اگر قرائن موجود ہوں تو (خبر واحد سے) علم (یقین) حاصل ہوگا لیکن بغیر قرائن کے حصول میں علم (یقین) عادۃً منع ہے۔

۳- قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وجود القرائن التی تحف الخبر فترقیه عن الظن الی القطع۔ (فتح الباری ج ا ص ۳۸۱)

ترجمہ: یعنی (خبر واحد میں) اگر قرائن موجود ہوں تو وہ ظن کے درجہ سے ترقی پا کر قطعیت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

۴- ڈاکٹر محمود الطحان لکھتے ہیں:

''خبر واحد سے علم نظری حاصل ہوتا ہے یعنی ایسا علم جو غور و فکر اور استدلال پر موقوف ہوتا ہے۔'' (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۲۲)

۵- علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

ان الخلاف فی افادة خبر الأحاد الظن او العلم مقيد بما اذا كان خبر الواحد لم ينضم اليه ما يقويه و اما اذا انضم اليه ما يقويه او كان مشهورا او مستفيضا فلا يجزى فيه الخلاف المذكور۔ (ارشاد الفحول ص ۴۹)

ترجمہ: یعنی افادہ اخبار احاد کے بارے میں ظن یا علم کا اختلاف اس چیز سے مقید ہے کہ جب خبر واحد میں کوئی تقویت بخش قرینہ ضم نہ ہو، لیکن اگر کوئی تقویت بخش چیز اس کے

ساتھ ضم ہو یا وہ خبر مشہور یا مستفیض ہو تو اس بارے میں افادہ علم یا ظن کا مذکورہ اختلاف نہیں پایا جاتا۔

۶- امام ابو اسحاق فیروز آبادی شیرازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خبر الواحد الذی تلقته الأمة بالقبول یقطع بصدقة سواء عمل به الکل أو عمل البعض و تأوله البعض۔

(اللمع فی اصول للفیروز آبادی ص ۴۰)

ترجمہ: یعنی وہ خبر واحد (خبر احاد) جس کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہو، وہ قطعی الصدق ہے۔ خواہ اس پر تمام لوگ عمل کرتے ہوں یا صرف بعض لوگ اور خواہ بعض اس کی تاویل ہی کرتے ہوں۔

۷- قاضی صدر الدین ابن ابی العز حنفی فرماتے ہیں:

و خبر الواحد اذا تلقته الأمة بالقبول عملاً به و تصدیقا له یفید العلم عند جماهیر الأمة و هو أحد قسمی المتواتر۔

(شرح العقیدہ الطحاویہ ص ۳۳۹ طبع مکتبہ السلفیہ، لاہور)

ترجمہ: یعنی خبر واحد کو جب امت نے عملی طور پر قبول کیا ہو اور اس کی تصدیق کی ہو تو جمہور امت کے نزدیک وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور یہ بھی متواتر یہ کی ایک قسم ہے۔

۸- علامہ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جمہور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر خبر واحد (ظنی روایات) کو امت کے نزدیک تلقی بالقبول حاصل ہو تو یہ اس کے لیے بمعنی تصدیق ہے اور اس پر امت کا عمل ہونا موجب علم ہے۔ اس چیز کو کتب اصول فقہ کے مصنفین نے اصحاب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و مالک رحمۃ اللہ علیہ و شافعی رحمۃ اللہ علیہ و احمد سے نقل کیا ہے۔ صرف متاخرین علماء کے ایک قلیل گروہ نے اہل کلام کی ایک جماعت کی اتباع میں اس چیز کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ اکثر اہل کلام بھی اس بارے میں فقہاء و محدثین نیز اسلاف کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اکثر اشعریہ مثلاً ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ، ائمہ شافعیہ میں سے ابو اسحاق اسفرائینی، ابو حامد، قاضی ابو طیب، ابو اسحاق فیروز آبادی وغیرہم،

ائمہ حنفیہ میں سے شمس الدین سرخسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، ائمہ حنبلیہ میں سے ابویعلی الفراء بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حامد رحمۃ اللہ علیہ، ابوالخطاب رحمۃ اللہ علیہ، ابوالحسن الزاغوانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم اور مالکیہ میں سے قاضی عبدالواھاب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے یہی چیز منقول ہے۔''

(محاسن الاصلاح للبلقینی ص ۱۰۱)

اور اسی اصول سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ (المحصول ج ۲ ص ۴۰۲)، امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ (الابھاج فی شرح المنھاج، ج ۲ ص ۳۱۲)، امام قرافی (شرح تنقیح الفصول ص ۳۵۴) وغیرھم بھی متفق ہیں:

لہٰذا اس مندرجہ بالا تحقیق سے یہ واضح ہوگیا کہ اگر خبر واحد (ظنی) کو اگر امت نے قبول کیا ہو تو وہ قطعی بن جاتی ہے یا پھر خبر واحد کے ساتھ کوئی دیگر قرائن موجود ہوں تو پھر بھی اس کو قطعیت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس بات کا حل بھی نکل آتا ہے کہ علماء کرام نے آخر کیوں مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کے باوجود سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننے کو واجب لکھا ہے۔ اسی لیے علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننے کو واجب کہنے کی وجہ بھی بتا دی کہ سلف وصالحین نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانا ہے، اور ان کے نزدیک یہی قرینہ ہے جو خبر واحد کو ظنیت سے اٹھا کر قطعیت کے درجہ میں لے گیا۔ اور ان ائمہ کرام نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ ماننے کو واجب لکھا۔

قارئین کرام! یہ ہی ایک اہم نکتہ ہے جس پر مسئلہ افضلیت کو مشکوک کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے بندہ ناچیز پر اس معاملہ کو واضح کیا۔ اسی نکتہ کی طرف فقیہ الہند شاہ محمد مسعود مجددی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتویٰ مسعودی ص ۹۳ پر اشارہ بھی کیا ہے۔ فقیہ الہند شاہ محمد مسعود مجددی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اور قائل ظنیت کا یہ مطلب ہے کہ ثبوتِ تفضیل شیخین میں ظن ہے بلکہ یقیناً ان کے نزدیک تفضیل شیخین کی ہے''۔

اس تحقیق کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کو سمجھنے میں قارئین کو آسانی ہوگی اور تفضیلیہ کا اس مسئلہ کو ظنی کہہ کر عوام الناس کو شک میں ڈالنے کی کوششوں کا سدباب ہوگا۔

ہم یہاں صرف مولا علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔

مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ:

لا أجد احدا فضلني على أبي بكر و عمر الا جلدته حد المفتري۔

ترجمہ: یعنی میں جسے پاؤں گا مجھے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل کہتا ہے اسے الزام تراشی کی سزا کے طور پر اَسی (۸۰) کوڑے ماروں گا۔

(الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد للبیہقی، صفحہ ۳۵۸)، (السنۃ لابن أبي عاصم رقم الحدیث ۱۰۱۸)، (المؤتلف والمختلف للدارقطنی، باب الحاء، جلد ۳، صفحہ ۹۲)

اِسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے کہ

"نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو اس کے خلاف کہے گا بس وہ جھوٹا ہے اور اُسے حدِ مفتری لگائی جائے گی۔"

(السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل، رقم الحدیث، ۱۳۶۴)

اس مقام پر یہ بات قابل غور ہے کہ حدود کے اثبات میں قیاس کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور حدود کا اثبات فقط کسی مسئلہ پر اتفاق امت یا پھر شریعت کی طرف سے اُس مسئلہ پر صریح و واضح رہنمائی کر دینے کے بعد قیام میں آتا ہے جسے توقیف کہا جاتا ہے یعنی کہ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا حد لگانے کا حکم یقیناً اس بات کو متلزم ہے کہ یا تو اُنھیں اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اتفاق معلوم تھا یا شریعت کی طرف سے کسی نص کا وارد ہونا اُن کے علم میں تھا۔

ثانیاً: اہلِ علم سے یہ مسئلہ بھی مخفی نہیں کہ حدود شبہات سے زائل ہو جاتی ہیں لہٰذا حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا حد لگانا اس بات کو متلزم ہے کہ آپ دونوں حضرات کو اس مسئلہ میں کوئی شبہہ نہ تھا جو کہ مفید قطعیت ہے نیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارکہ ہے:

"ادرو الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلو سبيله فان الامام أن يخطى في العفو خيرٌ من أن يخطى في العقوبة"

ترجمہ: یعنی جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو اگر اس کے لیے کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو امام کا غلطی سے معاف کر دینا غلطی سے سزا دینے سے بہتر ہے۔

(معرفۃ السنن والاثار رقم الحدیث ۵۳۳۷، السنن الکبری للبیہقی، رقم الحدیث ۱۶۸۳۴، سنن ترمذی، رقم الحدیث، ۱۳۴۴)

مسئلہ تفضیل کو قطعی کہنے والوں کی فہرست درج ذیل ہے، اقوال ہم نے اپنی کتاب ''افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اجماع امت'' میں نقل کیے ہیں جو وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔

امام یحییٰ بن سعید قطان (۱۴۳ھ)، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ۱۷۹(ھ)، امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۴ھ)، فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۳ھ)، امام ابی بکر کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۸۰ھ)، ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۹۵ھ)، امام ابی بکر بن قاسم الرجبی رحمۃ اللہ علیہ، امام عبدالقادر ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۲۹ھ)، امام ابوالعباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۵۶ھ)، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۶ھ)، علامہ ذہبی ۷۴۸ (رحمۃ اللہ علیہ ھ)، امام عبدالقادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۵ھ)، علامہ جمال الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۰ھ)، امام ابن جماعہ کنانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۰ھ)، امام ابراہیم بن موسیٰ انباسی شافعی (م ۸۰۲ھ)، امام زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۰۶ھ)، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ)، امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۰۲ھ)، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ)، امام قسطلانی (م ۹۲۳ھ)، امام محمد بن عمر الحمیری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۹۳۰ھ)، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۴ھ)، مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ)، علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰۹ھ)، امام عجلونی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۶۲ھ)، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۴ھ)، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)، علامہ سفارینی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۸۸ھ)، قاضی ثنا اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۲۵ (ھ)، امام عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۴۱ھ)، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۰ھ)، علامہ یوسف نبھانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۰ھ)، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۷ھ)، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۱ھ)۔

❀❀❀❀

دوسرے باب کا جواب

مسئلہ تفضیل میں توقف کے اقوال کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل صفحہ ۸۳ تا۹۱ تک مسئلہ تفضیل پر توقف کرنے والوں کے اقوال نقل کیے ہیں۔

(i) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ ''میں عشرہ مبشرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اُس کے ساتھی پر فضیلت نہیں دیتا۔'' (بحوالہ الاستذکار ۱۴/ ۲۰)

(ii) امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ گذشتہ لوگوں کو تفضیل بین الصحابۃ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ (بحوالہ الاستذکار ۱۴/ ۲۴)

(iii) مصعب بن عبداللہ الولیدی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے وہ مشائخ جنہیں ہم نے اپنے شہر میں پایا وہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے، امام مالک اور نہ ہی ان کے ماسوا۔

(iv) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ابراہیم اور ان کے علاوہ دیگر کوفیوں سے جو مروی ہے میں نہ اس کو اختیار کرتا ہوں کہ وہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

(السنۃ لابن الخلال، رقم ۵۰۸)

(v) ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام کے مابین معین افضلیت میں توقف کو کثرت سے ذکر کیا ہے۔ (الاستذکار ۱۴/ ۲۳۷، ۲۳۸)

(vi) داؤد بن علی ظاہری اور دوسرے متقدمین اہلِ علم کا مذہب ہے۔

(بحوالہ ابن حزم الفضل ۴/ ۱۸۲)

(vii) ابن حزم نے کہا اور مجھ سے یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر النمیری نے کئی بار فرمایا کہ یہی ان کا قول اور عقیدہ ہے۔

(viii) ابن ابی زید قیروانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب العقیدہ (صفحہ ۱۲۵ مع شرح قاضی عبدالوھاب) میں ارشاد فرمایا: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل خلفاء راشدین مہدیین ہیں'' اور خاموش ہوگئے اور یہ اہلِ مدینہ کا طریقہ ہے۔ لہٰذا شارح کا خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے مابین باہمی فضیلت کی بحث میں مشغول ہونا ابن ابی زید قیروانی کے طریقے سے پہلوتہی کرنا ہے۔ جنہوں نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے مطلق افضلیت کا ذکر فرما کر ان کے مابین افضلیت کی بحث کے متعلق اجتناب وسکوت کیا اور اللہ ہی مددگار ہے۔ فتدبر!

(ix) خطابی رقم طراز ہیں:

''ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ بعض کو بعض پر مقدم نہیں ٹھہرایا جائے گا۔'' (معالم السنن ۱۸/۷)

(x) امام المازری المالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دینا تو ایک جماعت نے اس سے اجتناب کیا۔'' (بحوالہ المعلم بفوائد مسلم ۱۳/۷/۳)

(xi) سعید ممدوح پھر اپنا قول لکھتا ہے۔ ''میں کہتا ہوں: یہ مذہب اس شخص کے لیے مناسب ہے جس کی نگاہ میں نصوص باہم متعارض ہیں اور افضلیت کی تصریح کرتیں تو اس نے متعارض دلائل سے اجماع اور اکثریت کا وہم کرلیا یا اکثر علماء وائمہ مذاہب کے ساتھ چل پڑا، پس خیالی اجماع اور اکثریت کا قول دونوں حجت نہیں ہیں۔ لہٰذا جب قول ثانی (اجماع) ساقط ہوگیا تو قول اول بچا اور وہ توقف ہے۔ فتدبر۔

جواب: سعید ممدوح کے پہلے 3 اقوال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی توقف کا قول ہے۔ مگر غایۃ التبجیل صفحہ ۸۴ مترجم کے حاشیے میں امام مالک سے دوسرے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ جن میں شیخین کریمین کی افضلیت کے 3 اقوال مروی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ترجیح 3 اقوال کو ہی ہو گئی۔ مزید یہ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے خود شیخین کی افضلیت راجح طور پر مروی ہے۔

۱- امام حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے تفضیل شیخین کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ ان دونوں (شیخین) میں کوئی شک نہیں۔

(شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ ۲/۱۹۹ رقم: ۲۱۴۱)

امام احمد بن سالم السفارینی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک کے حوالہ سے لکھا:

أی الناس أفضل بعد نبیهم فقال أبو بکر ثم عمر ثم قال أو فی ذلك شك.

ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے۔ آپ نے فرمایا: حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر پھر فرمایا کیا اس میں شک ہے۔'' (لوامع الانوار البہیۃ ۲/۳۶۵)

امام مالک کے شیخین کی افضلیت کے قول کو امام زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے (شرح التبصرہ والتذکرۃ صفحہ ۲۱۵)، امام سخاوی نے (فتح المغیث باب معرفۃ الصحابۃ ۳/۷/۱۲۷)، اور امام ابراہیم بن موسیٰ نے (الشذ الفیاح ۲/۷/۵۰۷) پر نقل کیا ہے۔ لہٰذا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے صرف ایک مرجوح قول کو توقف کے باب میں نقل کرنا علمی خیانت ہے۔

۲- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی قول میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ کون کس پر تفضیل دینے یا نہ دینے کا قائل ہے؟ کیا یہ تقابل شیخین کریمین کی افضلیت میں ہے؟ یا یہ تقابل افضلیت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مابین ہے؟ لہٰذا اگر ختنین کے مابین ہے تو پھر اس قول کو نقل کرنا فضول ہے کیونکہ ہم اہل سنت و جماعت شیخین کی افضلیت کے قطعی ہونے کے دعویدار ہیں۔ لہٰذا ایسے اقوال ہمارے موقف کے خلاف بالکل نہیں۔ بلکہ اہلِ کوفہ کا یہ مذہب مشہور ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ کو حضرت عثمان غنی پر تقدیم دیتے تھے۔ مگر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنی ضروری ہے کہ جن لوگوں سے تقدیم علی کا قول منقول ہے۔ تقریباً انہی ائمہ سے اِس قول تقدیم سے رجوع بھی ثابت ہے یعنی کہ وہ بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی سے مقدم سمجھنے لگے تھے جیسا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب معروف و مشہور ہے۔

۳- ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے توقف کا مفہوم نکالنا بھی تحقیق کے خلاف ہے کیونکہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا مذہب اور قول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا ہے۔ سعید ممدوح نے الاستذکار سے مختلف اقوال تو نقل کر کے اپنی علمی رُعب جھاڑنے کی کوشش کی، مگر علمی خیانت کا ثبوت دیتے ہوئے ابن عبد البر کا اپنا مذہب اور قول چھپا لیا۔ ابن عبد البر اپنی کتاب الاستذکار ۴/۱۰ الطبعہ دار احیاء التراث العربی پر لکھتے ہیں:

جماعة أهل السنة، ولهم أهل الفقه والآثار علی تقدیم أبی بکر

و عمر و تولی عثمان و علی و جماعۃ أصحاب النبی ﷺ و ذکر محاسنهم و نشر فضائلهم والاستغفار لهم، و هذا هو الحق الذی لا یجوز عندنا خلافه، والحمد لله۔

ترجمہ: ''ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا موقف واضح کر دیا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سید عمر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے مقدم ہیں اور اس کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا سعید ممدوح نے ابن عبدالبر کا حوالہ پیش کر کے علمی خیانت کا بین ثبوت فراہم کیا ہے۔''

۴- داؤد ابن علی ظاہری کا قول یہ ہے۔ انبیاء کے بعد سب سے افضل رسول ﷺ کے صحابہ ہیں۔ صحابہ میں سب سے افضل سب سے پہلے مہاجرین پھر سب سے پہلے انصار پھر جو ان کے بعد ہیں۔ ہم ان میں سے کسی خاص شخص کے متعلق یہ یقین نہیں کر سکتے کہ وہ دوسرے کے طبقے سے افضل ہے۔ متقدمین اہلِ علم میں سے بعض ایسے لوگ دیکھے ہیں جن کا مذہب یہی قول تھا۔''

اس قول سے تو داؤد ظاہری کا توقف ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس نے تو یقین (قطعیت) کا انکار کیا ہے۔ لہٰذا یہ قول تو ظنیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ عجب تحقیق ہے کہ ظن والے اقوال کے باب میں توقف کے اقوال اور توقف والے باب میں ظن والے اقوال۔ سعید ممدوح کو خود سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ مسئلہ تفضیل کے بارے میں کیا لکھ رہا ہے۔ دراصل سعید ممدوح کی یہ کوشش ہے کہ اس مسئلہ کو اتنا الجھا دیا جائے کہ عوام الناس تو ایک طرف علماء کرام بھی الجھ جائیں۔ اور مسئلہ تفضیل ایسا مسئلہ ہے کہ اگر آپ نے اس کی جہت کا صحیح تعین نہ کیا تو اس میں الجھنے کے امکانات کافی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ واحد مسئلہ ہے کہ تفضیلیوں کی طرف سے کوئی دعویٰ بھی نہیں کیا جاتا اور اس کی آڑ میں اعتراضات اور سوالات کر کے عوام الناس کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ظنی اور مشکوک بنایا جاتا ہے۔ اللہ ہمیں ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔

۵- ابن ابی زید قیروانی رضی اللہ عنہ کے قول کے تحت لکھا ہے:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل خلفاء راشدین مہدیین ہیں۔''

اور خاموش ہو گئے اور یہ اہلِ مدینہ کا طریقہ ہے۔ لہٰذا شارحین کا متاخرین کے طریقے پر چلتے ہوئے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے مابین باہمی فضیلت کی بحث میں مشغول ہونا ابن ابی زید قیروانی کے طریقے سے پہلوتہی کرنا ہے۔ جنہوں نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی مطلق افضلیت کا ذکر فرما کر ان کے

مابین افضلیت کی بحث کے متعلق اجتناب وسکوت کیا اور اللہ ہی مددگار ہے۔" فتدبر۔

شیخ محمود سعید ممدوح کے اس حوالہ میں کوئی بات اس کے موقف کی تائید نہیں کرتی۔ کیونکہ اس حوالہ میں تمام صحابہ کرام میں سے خلفاء اربعہ کی افضلیت کی واضح تصریح ہے۔ اس حوالے نے تو سعید ممدوح کے ان حوالوں کی خود نفی کر دی کہ صحابہ میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دینی چاہیے۔ اس حوالے میں تو واضح طور پر ابن ابی زید قیروانی رحمۃ اللہ علیہ خلفاء اربعہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ اس حوالے سے تو ان حوالوں کی نفی بھی ثابت ہوگئی جن حوالوں میں دیگر صحابہ کرام کی افضلیت کا خالی دعویٰ کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ العقیدہ ابن ابی زید القیروانی کے شارح قاضی عبدالوہاب کی یہ رائے ہے کہ "خلفاء اربعہ کے مابین باہمی فضیلت کی بحث میں مشغول ہونا ابن ابی زید قیروانی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے سے پہلوتہی کرنا ہے۔" کچھ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ابن ابی زید قیروانی کی اگر دوسری کتاب کا مطالعہ کر لیا جاتا تو وہ یہ نہ لکھتے۔

ابن ابی زید قیروانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری کتاب میں واضح طور پر اپنا عقیدہ بیان کیا ہے:

و أفضل الصحابة الخلفاء الراشدون المهديون أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم اجمعين۔

(رسالۃ ابن ابی زید القیروانی صفحہ ۲۲)

ترجمہ: "افضل الصحابہ خلفاء راشدین مہدیین ہیں یعنی پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔"

لہٰذا معلوم ہوا کہ ابن ابی زید قیروانی رحمۃ اللہ علیہ خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابۃ مانتے تھے۔ میں یہ یقین نہیں کر سکتا کہ سعید ممدوح کی نظر سے مقدمہ رسالہ ابن ابی زید القیروانی نہ گذری ہو۔ لہٰذا ایسی علمی خیانت کرنا انہی کا شیوہ ہوتا ہے جو اپنے موقف میں کمزور ہوتے ہیں۔ اگر تحقیق کرنی ہی مطلوب ہے تو پھر مسئلہ کے دونوں پہلوؤں کا بغور جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک طرف کے اقوال ہی پیش کر کے عوام الناس کو الجھانا غلط طریقہ ہے۔

۶- خطابی کے قول میں یہ واضح نہیں کہ وہ جماعت کون سی ہے جو بعض کو بعض پر مقدم نہیں کرتے؟ آیا وہ جماعت اہلسنت کی ہے یا کوئی دوسری جماعت؟ بعض کو بعض پر مقدم نہ کرنا تمام صحابہ کرام میں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے درمیان تقابل۔

لہٰذا ایسے مجہول اقوال جناب سعید ممدوح کو ہی مبارک ہوں۔

۷- امام احمد بن علی المازری المالکی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے میں بھی مجہول جماعت کا کوئی اتا پتہ نہیں ہے۔ مزید یہ کہ عقیدے کا دارو مدار ان مجہول اقوال پر رکھنا کون سی عقلمندی ہے۔ اور امام المازری المالکی کو سعید ممدوح نے ظنی اقوال کے قائلین کی فہرست میں رکھا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ امام المازری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس مجہول جماعت کا بعض کا بعض پر تقدیم دینے کا قول غلط ہے۔ تبھی تو امام المازری بقول سعید ممدوح ظنیت کے قائل ہیں۔

نوٹ: بعض علماء کرام اس مسئلہ میں توقف کے قائل ہیں لیکن یہ دعوی سراسر غیر مسموع ہے جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے تمام دلائل کو اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے "غیر مرضی ولا مقبول" فرمایا ہے اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تدریب الراوی میں امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح المغیث میں امام زین الدین عراقی نے شرح التبصرہ والتذکرہ میں اور امام ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب نے الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح میں اس موقف کو بلا نکیر نقل فرمایا ہے۔

نتیجہ: اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ سعید ممدوح کے پیش کردہ حوالے صرف اور صرف عوام الناس کو تشکیک میں ڈالنے کے لیے ہیں۔ سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۸۸ پر ایک نہایت اہم بات کی ہے۔

"یہ مذہب (توقف کرنا) اس شخص کے لیے مناسب ہے جس کی نگاہ میں نصوص باہم متعارض ہیں اور افضلیت کی تصریح نہیں کرتیں تو اس نے متعارض دلائل سے اجماع کا وہم کرلیا یا اکثر علماء وائمہ مذاہب کے ساتھ چل پڑا۔"

اس بات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مذہب توقف اس کے لیے مناسب ہے جس کے سامنے دلائل میں تعارض ہونا موجود ہو۔ اس بات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ اگر کسی کی تحقیق میں دلائل میں تعارض نہ ہو تو اس کو توقف کرنا جائز نہ ہوگا۔ لہٰذا اسی لیے جن محققین کی تحقیق میں ان دلائل میں تعارض نہ پایا گیا تو انہوں نے مسئلہ افضلیت کو قطعی قرار دیا۔ جو کہ عین حق ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جن کی تحقیق کامل ہے تو ان کے فتویٰ یعنی کہ مسئلہ افضلیت قطعی ہے کو غلط قرار کیوں دیا جارہا ہے۔ محمود سعید ممدوح صرف مسئلہ افضلیت کو قطعیت سے گرانے کی خاطر اس مسئلہ میں ظنی اقوال بھی لایا اور توقف کے بھی اقوال پیش کیے۔ مگر جس طرح سعید ممدوح نے قطعی قرار دینے والے اکابرین کے

دلائل کو توڑا اور اس کی تنقیح کرنے کی ہمت کی۔ اس نے یہ معیار مسئلہ افضلیت کو ظنی اور توقف کرنے والوں کے دعویٰ کی بنیاد کی تحقیق ہرگز ہرگز نہیں کی۔ جس طرح سعید ممدوح کو مسئلہ افضلیت کو قطعی کہنے والوں کا رد کرنے کا حق ہے۔ تو پھر ہمیں بھی اس مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے والوں اور توقف کرنے والوں سے اختلاف کرنے کا حق موجود ہے۔ مگر دونوں طرف کے دعویٰ کی تنقیح نہ کرنا اصول کے خلاف ہے۔ سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۸۸ اور ۲۶۴ و ۲۶۱ پر یہ خود مان چکا ہے کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ اب کیا کریں اس نفس کا یا اپنی ذاتی خواہش کا۔ اس کے تابع ہو کر سعید ممدوح نے یہ تاویل کر دی کہ یہ اجماع اہل سنت کا ہے باقی فرقے اس میں شامل نہیں لہٰذا یہ اجماع مذہبی تو ہوا اجماع اُمت نہ ہوا۔ میں اس نکتہ پر بہت کچھ عرض کر سکتا ہوں مگر صرف اتنا کہنے پر اکتفاء ضرور کروں گا کہ اگر ایک سال اول کے طالب علم سے یہ سوال کیا جائے کہ اجماع کس کا معتبر ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہی ہوگا کہ اجماع صرف اور صرف اہل سنت کا حجت ہوتا ہے۔ جس کو سعید ممدوح اجماع مذہبی کا نام دے کر رد کرنا چاہتا ہے۔ اگر یہی تحقیق ہے اور یہ ہی وہ تحقیق ہے جس پر کئی لوگ خوش ہیں کہ غایۃ التبجیل بڑی تحقیقی کتاب ہے تو پھر مجھے ایسے لوگ اور علماء کرام کی علمیت پر بڑا ہی افسوس ہے۔ اللہ ہمیں ایسی تحقیق نادر پاروں سے محفوظ فرمائے اور اپنے سلف و صالحین اور اکابرین کے عقیدوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر صرف علم کا ہونا ہی ہدایت یافتہ ہونے کی ضمانت ہوتا تو پھر شیطان کبھی نہ بہکتا۔ ہدایت دینا صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

بڑا افسوس ہوتا ہے کہ اہل سنت و جماعت کے کچھ لوگ جنہوں نے اس مسئلہ میں بغور نہ تو مطالعہ کیا اور نہ ہی اپنے اکابرین کی کتابوں پر نظر رکھی اور اس مسئلہ میں اہل سنت کو تفرقہ کی راہ پر گامزن کر دیا۔ اگر یہ ہی علم ہے تو اللہ ہمیں ایسے علم سے بچا۔ (آمین)

❀❀❀❀

تیسرے باب کا جواب

خلافت و افضلیت کے مابین تلازم کا تحقیقی جائزہ

غایۃ التبجیل صفحہ ۹۳ تا ۱۱۰ تک افضلیت کے دارومدار خلافت کو بنانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان تمام صفحات کا جواب صرف اتنا ہے کہ علماء اہل سنت اور ہمارا دعویٰ قطعاً یہ نہیں ہے۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ افضلیت کا دارومدار قرب خداوندی اور تقویٰ ہے۔ لہٰذا خواہ مخواہ اس بحث کو چھیڑنا خلط مبحث ہے۔ ہمارے بعض اکابرین نے خلافت کی ترتیب سے افضلیت کو مانا ہے۔

شیخ محمود سعید ممدوح کو یہ سمجھ نہیں آرہا کہ خلافت کی ترتیب کے مطابق افضل ماننا ایک الگ شے ہے اور خلافت کو افضلیت کی شرط ماننا ایک علیحدہ امر ہے۔ لہٰذا سعید ممدوح کا امام غزالی کی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۲۰۷ سے یہ نقل کرنا کہ "اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدین کی ترتیب فضیلت ان کی ترتیب خلافت کی مانند ہے" اور اس عبارت سے یہ اخذ کرنا کہ خلافت کی وجہ سے ہی افضل کا دارومدار ہے یہ سعید ممدوح کی خطاء ہے۔ کیونکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب خلافت کی طرح ترتیب افضلیت خلفاء راشدین کا قول کیا ہے نہ کہ خلافت کی وجہ سے افضلیت خلفاء راشدین کا۔ لہٰذا اس پورے باب میں شیخ ممدوح نے جو نقل کیا وہ ہمارے موقف کے خلاف نہیں کیونکہ ہم مسئلہ افضلیت کا دارومدار قرب خداوندی اور تقویٰ پر رکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام اقوال نقل کرنا صرف صفحات کو سیاہ کرنے کے مترادف ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ خلافت کی دو اقسام ہیں۔ اول خلافت خاصہ اور دوم خلافت عامہ۔ علماء کرام نے خلافت خاصہ کے لیے افضل شخص کے مقرر کرنے کو اہم قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ خلافت کی وجہ سے افضل ہونا ایک الگ امر ہے جبکہ افضل شخص کا خلیفہ خاص ہونا ایک جدا امر ہے۔ اس کی تفصیل مجدد گولڑوی پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تصفیہ مابین سُنی و شیعہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس تمام باب میں صرف ایک ایسی بات ہے جس کا جواب دینا اس مقام پر ضروری ہے۔

اعتراض: سعید ممدوح غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۱۰۲ پر لکھتا ہے:

''اگر خلافت افضل ہی کے لیے ہوتی تو سقیفہ میں ہونے والی بحث افضل کے تعیین کی تحقیق میں ہوتی۔لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو سقیفہ میں آپس میں اختلاف کیا۔انصار نے کہا: منا أمیر و منکم (ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے) اور آوازیں بلند ہوئیں اور شور وغل ہو گیا۔اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: منا الأمراء و منکم الوزراء (ہم سے امراء اور تم سے وزرائ) اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہاری حکومت کے لیے ان دو میں سے کسی ایک کے لیے راضی ہوں۔عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو اور حضرت حباب بن منذر الانصاری البدری رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خلافت کا مطالبہ کیا اور کہا: ''میں اس کا تجربہ کار اور نبھانے والا ہوں۔'' اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خلافت کا مطالبہ کیا اور انہوں نے اور ان کے فرزند قیس بن سعد نے تاحیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اور انصار کی ایک جماعت نے کہا: ہم علی کے سوا کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔علاوہ ازیں سقیفہ بنو ساعدہ میں جو کچھ ہوا...... پھر مہاجرین نے انصار پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان الائمۃ من قریش (ائمہ قریش سے ہوں گے) سے دلیل قائم کر دی۔اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بالکل واضح ہوتی اور اس میں کوئی اختلاف نہ ہوتا، اور خلافت اور افضلیت کے مابین تلازم عیاں اور سقیفہ کے حاضرین کے ذہنوں میں موجود ہوتا تو ان کے مابین مخصوص دلیل یعنی افضلیت شیخین پر بحث ہوتی لیکن وہاں کے حاضرین کے درمیان دلیل عام پر بحث ہوئی اور وہ یہ ارشاد نبوی ہے۔ائمہ قریش سے ہوں گے۔پس اس میں ہر قریشی داخل ہو گیا اور انصار نے اس فرمان کو کافی سمجھا اور افضل و مفضول کی بحث کو مدنظر نہ رکھا بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات پر مقدم رکھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔''

جواب: سعید ممدوح کا بیان چند وجوہات کی بنا پر مردود ہے۔

۱۔ سعید ممدوح نے صرف وہ روایات نقل کیں جو کہ اس کے اپنے موقف پر روشنی ڈالیں۔

۲- سعید ممدوح نے دوسری تفصیلاً روایات کو بیان کرنا ترک کیا اور مجمل روایات پر ہی اکتفاء کیا۔

۳- سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بنوسقیفہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے اس لیے نام لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے دن ہی خلافت پر شور پڑا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہی بنوسقیفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لہٰذا اُس وقت انہی دونوں کا نام لیا۔ یہ تو تقویٰ کا مقام ہے کہ دوسرے لوگوں کے نام کی تصریح کی اور انہیں پیش کیا۔

۴- مزید یہ کہ سعید ممدوح نے مجمل روایت کو بیان کر کے اور مفصل کو چھوڑ کر بڑی ہی علمی خیانت سے کام لیا۔ سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل میں متعدد مقامات پر یہ دھوکا دینے کی کوشش کی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو خلافت کے حق دار نہیں سمجھتے تھے۔ کیا سعید ممدوح کی نظر ان روایات پر نہیں پڑی۔ جس میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو خلافت کے لیے مناسب اور حق دار سمجھا۔ حضرت ابوسعید الخدری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ کیا میں سب سے پہلے اسلام نہیں لایا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا۔

عن ابی سعید الخدری قال قال ابوبکر الستُ احق الناس بها الست اول من السلم، الستُ صاحب کذا، الست صاحب کذا۔

(ترمذی رقم: ۳۶۶۸، الاحاد والمثانی رقم: ۱۸، مسند البزار رقم: ۳۵، صحیح ابن حبان رقم: ۶۸۶۳، الاحادیث مختارہ رقم: ۱۲۱۸)

۵- سقیفہ میں ہونے والی اول بحث تو خلافت پر ہوئی کیونکہ انصار اپنے لیے خلافت چاہتے تھے۔ سعید ممدوح کا یہ لکھنا کہ

''اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بالکل واضح ہوتی اور اس میں کوئی اختلاف نہ ہوتا اور خلافت اور افضلیت کے مابین تلازم عیاں اور سقیفہ کے حاضرین کے ذہنوں میں موجود ہوتا تو ان کے مابین دلیل یعنی افضلیت شیخین پر بحث ہوتی، لیکن وہاں کے حاضرین کے درمیان دلیل عام پر بحث ہوئی۔''

حقیقت سے بہت دور ہے۔ کیونکہ اگر اس بحث سے یہ ہی اخذ کرنا ہے تو پھر تو خلافت کو بھی سعید ممدوح نے اختلافی بنا دیا ہے۔ حالانکہ اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت برحق ہے۔

ور سعید ممدوح کا یہ لکھنا کہ ''اگر بنوسقیفہ میں حاضرین کے ذہن میں افضلیت کی دلیل ہوتی تو وہ اس پر
ی بحث کرتے'' سے استدلال بھی غلط ہے کیونکہ کسی ۔ ک ذہن میں وقتی طور پر کوئی دلیل کا نہ ہونا اس
ے انکار پر، اس کا نہ ہونے کا انکار تو نہیں ہوسکتا۔

مزید یہ کہ حاضرین سقیفہ کے ذہنوں میں یہ دلیل بھی نہ تھی کہ خلیفہ قریش سے ہونا چاہیے۔
گر مسائل کا دارومدار ذہنوں میں آنے والی دلیل پر ہوتا تو پھر خلافت پر بھی اختلاف ثابت ہوتا۔

جس طرح اُس وقت حاضرین بنی ثقیفہ کے ذہن میں صرف یہ تھا کہ خلیفہ انصار میں سے ہونا
چاہیے۔ان کے ذہن میں ائمہ من قریش (ائمہ قریش سے ہوں گے) کی دلیل موجود نہ تھی۔
بالکل اسی طرح افضل کو خلیفہ بنانے کا مسئلہ اور دلیل بھی ذہن میں نہ تھی اور ویسے بھی عدم ذکر نفی کو
ستلزم نہیں ہوتا۔ جس طرح حاضرین بنوسقیفہ کو ائمہ قریش سے ہوں گے کی دلیل حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کی اور مسئلہ واضح ہوگیا۔ بالکل اسی طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت حاضرین
سقیفہ کے سامنے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان کی۔ بخاری شریف، رقم الحدیث: ۳۶۶۸ میں
بنی سقیفہ کے واقعہ میں جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انصار کے سامنے ائمہ قریش سے ہوں
گے اسی حدیث کے متصل، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فقال عمر بل نبایعك اَنْتَ فَاَنْتَ سَيِّدُنا و خَيْرُنا و اَحَبُّنَا اِلی
رسول الله ﷺ فاخذ عُمَرُ بیده فبایعه و بایعه النّاسُ۔

(بخاری رقم: ۳۶۶۸)

ترجمہ: ''حضرت عمر نے کہا: بلکہ ہم آپ سے بیعت کریں گے۔ آپ ہمارے سردار ہیں اور
ہم سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک آپ ہم سب سے محبوب تھے۔
پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے بیعت کی اور تمام
لوگوں نے ان سے بیعت کرلی۔''

(ترمذی رقم: ۳۶۵۶، ابن ابی عاصم رقم: ۱۱۶۶، مستدرک حاکم رقم: ۴۴۲۱، ضیاء المختارہ رقم: ۱۴۶)

قارئین کرام! اس روایت سے تو واضح طور پر اجماع صحابہ ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیدنا، خیرنا اور احبنا کے الفاظ کہے اور ان الفاظ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ
اور تمام موجود صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہی الفاظ پر بیعت کی اور اس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت

مع افضلیت پر اجماع ہوگیا۔ جس طرح چند صحابہ کرام کا بیعت نہ کرنا یا بیعت سے اختلاف کرنے سے بیعت پر اجماع ثابت ہوسکتا ہے تو پھر مسئلہ افضلیت میں کسی صحابی کا قول (برسبیل تنزل ثابت ہو بھی جائے) کس طرح مسئلہ افضلیت پر اجماع کو مشکوک کرسکتا ہے۔ لہٰذا یہ تمام حوالہ جات پیش کرنا محمود سعید ممدوح کی چالاکی اور عیاری ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۱۰۳ پر نمبر ۵ کے تحت لکھتا ہے:

''ابن اثیر نے فرمایا ہے: حضرت علی، بنوہاشم، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم بیعت سے پیچھے رہے۔'' (الکامل ۲/۱۷۹)

اور پھر امام ابن عبدالبر کے حوالہ سے صفحہ ۱۰۴ پر لکھتا ہے:

''سعد بن عبادہ، خزرج کا ایک گروہ اور قریش کا ایک گروہ ان کی بیعت سے پیچھے رہا، پھر بعد میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں لوگوں نے اُن کی بیعت کرلی۔''

اعتراض: یہ متحقق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع تھا۔ دوسرا یہ کہ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''سوائے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے باقی سب نے بیعت کرلی تھی''، تو پھر ایسے حوالے نقل کرنا کہ فلاں نے بیعت نہیں کی یا فلاں نے اختلاف کیا، ان حوالوں کو پیش کرنے کا کیا مطلب ہے؟ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام بشمول حضرت علی، بنوہاشم، زبیر اور طلحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔

شیخ محمود سعید ممدوح کی یہ علمی خیانت ہے کہ کسی بھی بات کا صرف ایک پہلو نقل کرتا ہے اور اصل تحقیق چھپالیتا ہے۔ حالانکہ ابن اثیر نے اپنی دوسری کتاب اسد الغابہ میں بنوہاشم اور حضرت خالد بن سعید بن العاص کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کا اقرار کیا ہے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں:

"بایع بنو هاشم أبابكر بايعه خالد و أبان۔" (اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۰۵)

ترجمہ: یعنی بیعت کی بنوہاشم نے اور پھر بیعت کی حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت اَبان رضی اللہ عنہ نے۔

لہٰذا سعید ممدوح کا علمی خائن ہونا اظہر من الشمس ہے۔

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے مقام پر بھی وضاحت کی کہ پھر بیعت عام دوسرے دن ہوئی علی رضی اللہ عنہ، بنی ہاشم، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ بیعت سے الگ رہے اور پھر بعد حضرت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب نے بیعت کرلی سوائے

سعد بن عبادہ کے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۱۹)

اس بارے میں ضمناً یہ بھی استفسار کروں کہ کیا جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بقول سعید ممدوح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی کیا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل نہیں مانتے تھے؟ اگر اعتراض یہ ہے کہ ان کے بیعت نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل نہیں مانتے تھے۔ تو اس کا جواب بڑا ہی آسان ہے کہ پھر تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ان صحابہ کرام کے نزدیک خلافت کا حقدار افضل ہی ہوتا ہے۔ تبھی تو یہ صحابہ کرام کسی اور کو افضل سمجھ کر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے رہے۔ مگر اس موقف سے تفضیلیہ دور بھاگتے ہیں۔

اس مقام پر ایک اہم سوال یہ بھی ابھرتا ہے کہ جن صحابہ کرام نے بقول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تو اس کی وجہ کیا تھی؟ کیا بیعت سے پیچھے رہنے والے صحابہ کرام سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل نہیں سمجھتے تھے؟ جواب جو بھی ہو یہ بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ وہ افضل شخص کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنے کی تحقیق:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیعت نہ کرنا تحقیق کی رو سے غلط ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل کی حدیث سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔

"حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جب خطبہ دیا تو انصار کی کوئی فضیلت نہ تھی جو آپ نے بیان نہ کی ہو۔ اس کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب **قریش ولاۃ ھذا الامر** یعنی قریش امر خلافت کے سربراہ ہوں گے فرمایا تھا تو اے سعد رضی اللہ عنہ آپ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو یاد ہے نا؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بولے! جی ہاں۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ اس کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا **نحن الوزراء و انتم الامراء** یعنی انصار وزیر ہوں گے۔ اور آپ لوگ یعنی قریش امیر"۔

(مسند امام احمد، رقم الحدیث: ۱۸۔ ۱۹)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متفق ہو گئے تھے۔اور دونوں میں کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔

حافظ ابن حجر مکی الھیثمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و یؤخذ منہ ضعف ما حکاہ ابن عبد البر أن سعدا أبی أن یبایع أبابکر حتی لقی اللہ۔

(الصواعق المحرقہ ص ۳۶ باب الفصل الاول فی بیان کیفیتھا)

ترجمہ: یعنی کہ ابن عبد البر نے یہ جو لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی اس روایت (مسند امام احمد رقم الحدیث: ۱۸۔۱۹) سے اس کی تغلیط ہوتی ہے۔

تاریخ طبری میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بیعت کے بارے میں لکھا ہے:

فتتابع القوم علی البیعۃ و بایع سعد۔ (تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۲۳)

یعنی قوم نے اطاعت کرتے ہوئے بیعت کی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر لی۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ کرام کی طرح حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

سعید ممدوح صرف اور صرف عوام الناس کو الجھانا چاہتا ہے۔اس وقت سعید ممدوح کا حال اس بچے کی مانند ہے کہ اگر پتنگ کسی دوسرے کے ہاتھ میں آجائے تو وہ دوسرے لڑکے کی پتنگ پھاڑ دیتا ہے اور دل میں بڑا سکون محسوس کرتا ہے کہ اگر پتنگ میرے ہاتھ نہیں آئی تو دوسرے کے ہاتھ میں بھی نہ آئے۔کیونکہ سعید ممدوح کا نہ اپنا کوئی موقف سامنے آتا ہے اور نہ اس کے پاس اس مسئلہ میں دلائل ہیں۔مگر صرف ظنی اور قطعی کے مسئلہ میں عوام الناس کو الجھا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔

نیز جناب اگر کسی ایک صحابی کے بیعت سے اختلاف کرنے سے بیعت اور بیعت پر اجماع ہونے سے فرق نہیں پڑتا تو کسی ایک صحابی کا قول افضلیت سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونے سے مسئلہ افضلیت پر کیا فرق پڑھ جاتا ہے۔ان چند حوالوں کی وجہ سے اجماع صحابہ اور اجماعِ اہل سنت کو انکار کرنا کہاں کی سنیت ہے؟ ذرا غور فرمائیے گا۔

اعتراض: سعید ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ ۱۰۴ امترجم پر لکھتا ہے:

''حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ بھی بیعت صدیقی سے پیچھے رہے حالانکہ وہ سابقین میں سے تھے بلکہ قبولِ اسلام کے لحاظ سے وہ پانچویں یا چھٹے نمبر پر تھے اور مشہور ومعروف تھے۔''

امام ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے: ابن حمید نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ نے از ابن اسحاق از عبداللہ بن ابوبکر بیان کیا کہ جب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یمن سے لوٹے تو دو ماہ تک بیعت سے رکے رہے، فرماتے تھے: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر مقرر فرمایا تھا پھر آپ نے مجھے معزول نہیں فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلالیا اور وہ حضرت علی بن ابی طالب سے ملے تو کہا: اے بنو عبد مناف! تم نے بخوشی اپنا معاملہ چھوڑ دیا تو دوسروں نے سنبھال لیا۔ (بحوالہ تاریخ طبری ۳/ ۳۸۷)

جواب: عرض یہ ہے کہ سعید ممدوح کے پیش کردہ حوالہ تاریخ طبری ۳/ ۳۸۷ میں صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دو ماہ تک رکے رہے اور بعد میں انہوں نے بیعت کر لی تھی۔

سعید ممدوح نے اپنا پرانا حربہ استعمال کیا اور اصل حقائق کو عوام الناس سے چھپا لیا۔ ابن اثیر نے اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۰۵ پر حضرت خالد بن سعید بن العاص کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کا اقرار کیا ہے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: "بایع بنو هاشم أبابکر بایعه خالد و أبان" یعنی بیعت کی بنو ہاشم نے اور پھر بیعت کی حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت اَبان رضی اللہ عنہ نے۔

مزید یہ کہ تاریخ طبری ۳/ ۳۸۷ کا جو حوالہ دیا ہے۔ اس میں چند علتیں موجود ہیں:

اول: اس سند میں ابن حمید جو کہ محمد بن حمید الرازی ہے اس کی توثیق تو جناب سعید ممدوح کو ہی معلوم ہوگی۔

دوم: اس سند میں ابن اسحاق مدلس راوی ہے اور روایات میں عن سے روایت کر رہا ہے۔

سوم: اس سند میں ابن اسحاق کے شاگرد سلمۃ کا تعین بھی فرما دیں۔

لہٰذا مجہول اور ضعیف راوی کی سند تفضیلی حضرات کو ہی مبارک ہو اور یہ کہ اس سند کو ثابت کرنا سعید ممدوح کے پاکستانی مداحوں پر لازم ہے۔ سعید ممدوح کی آڑ میں چھپنے والے اور اپنا عقیدہ بیان کرنے والوں پر اس کی سند ثابت کرنا ضروری ہے۔

اعتراض: سعید ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ ۱۰۴ پر ایک منطقی مگر بھونڈی دلیل پیش کرتا ہے۔

"تفضیل میں ان کے (انصار و مہاجرین کی ایک جماعت) جنہوں نے تاخیر کی، موقف کے دو احتمال ہو سکتے ہیں:

اول: یا تو وہ سمجھتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الصحابہ ہیں۔

دوم: یا وہ سمجھتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق افضل الصحابہ نہیں ہیں۔

پس احتمال اول کے مطابق ان کی تاخیر سے لازم آتا ہے کہ ان کے مذہب میں خلافت کے لیے افضل کا ہونا شرط نہیں ہے۔ اور احتمال ثانی کے مطابق ان کی رائے میں خلافت کا افضلیت سے کوئی تعلق نہیں اور ان کی اکثریت نے بعد میں بیعت کر لی تھی۔

جواب: اول تو اس احتمال کا جواب خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے۔

حضرت زر بن جبیش سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انصار نے اپنی رائے سے رجوع صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی قسم دلاتا ہوں، بتاؤ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ حکم ملا تھا یا نہیں کہ وہ لوگوں پر نماز پڑھائیں؟ سب لوگوں نے کہا ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر تم میں سے کس کا دل اس بات کو گوارا کرتا ہے کہ جس جگہ پر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑا کیا ہے وہاں سے ان کو ہٹا دے۔ سب نے کہا کہ ہم میں سے کسی کا دل بھی اس بات کو گوارا نہیں کرتا۔ ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۱۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے واضح ہو گیا کہ انصار نے اپنے دعویٰ سے رجوع صرف اور صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول سے کیا تھا۔

مزید کہ یہ سب اعتراضات محمود سعید ممدوح کے اپنے دماغ کی اختراع ہے۔ کسی صحابی کا بیعت سے تاخیر کرنا جس طرح خلافت کا انکار نہیں۔ اس طرح افضلیت کا انکار بھی نہیں ہے۔ کیونکہ بنو سقیفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لفظ سیدنا، خیرنا اور احبنا کے الفاظ پر ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کی تھی۔ یہ کیسے ممکن ہے اور کیسے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بیعت سے تاخیر سے یہ لازم آ گیا کہ خلافت کے لیے افضل کا ہونا شرط نہیں ہے؟ جناب والا، ذرا اس بات کا بھی تو جواب عنایت فرما دیں کہ ان لوگوں (انصار و مہاجرین) کا کسی دوسرے کو خلافت کا حق دار سمجھنے کی وجہ کیا تھی؟ انھوں نے (انصار و مہاجرین) نے خلافت کے لیے کس خوبیوں کے حامل شخص کی بیعت کرنی چاہی؟ ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ انصار و مہاجرین کی ایک جماعت اگر کسی اور صحابی

بشمول حضرت علی المرتضیٰ کی بیعت کرنا چاہتے تھے تو اس کی وجہ بھی انکے فضائل ہی تھے۔ لہٰذا اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل شخص کو ہی خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ لہٰذا خلافت خاصہ اور افضلیت کے باہمی ربط کو ہم نظرانداز ہرگز نہیں کر سکتے۔

یہ عجب مضحکہ خیز بات ہے اگر کوئی شخص اپنے گھر سے ناراض ہو کر (کسی بھی وجہ سے) کچھ دنوں کے لیے چلا جائے اور پھر کوئی یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کرے کہ کیونکہ وہ کچھ دنوں بعد گھر آیا ہے لہٰذا وہ اپنے ماں باپ اور گھر کو نہیں مانتا۔ سعید ممدوح کا استدلال کسی بھی طرح ایک لطیفہ سے کم نہیں ہے۔

جناب عالی! جس طرح کسی بھی صحابی کی تاخیر سے اس علت کی نفی نہیں ہوتی کہ ائمہ قریش میں سے ہوں گے اسی طرح ان صحابہ کی تاخیر سے بیعت کرنے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی نفی نہیں ہوتی۔ جس طرح تاخیر سے بیعت کرنے سے بیعت پر اجماع سے اثر نہیں ہوتا اسی طرح تاخیر سے بیعت کرنے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع سے اثر نہیں پڑتا۔

نوٹ: اگر کوئی بھی شخص کسی بھی صحابی کا قول دکھائے کہ وہ تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو مانتے تھے۔ (حالانکہ ایسا کوئی بھی قول اول تو سنداً ثابت نہیں اور دوم اپنے مفہوم اور دلالت پر واضح نہیں ہوتا) تو ان کو سادہ سا جواب عرض کر دیں کہ اجماع کے بعد چند لوگوں کی مخالفت یا تاخیر سے اجماع پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حالانکہ مولانا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اجماع میں اور بیعت کرنے والوں میں شامل تھے۔ یاد رکھیں سو جو شخص مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول فیصل کو تسلیم کرنے میں حیل و حجت کرتا نظر آتا ہے کیا اس سے توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ ہماری تحقیق اور دلائل کو تسلیم کرے گا؟ مصنف عبد الرزاق کے مصنف سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ کس کو افضل مانتے ہیں۔ تو عبد الرزاق نے کہا کہ میں مولا علی رضی اللہ عنہ کو ماننے والوں میں ہوں اگر مولا علی المرتضیٰ شیخین کو افضل مانتے ہیں تو میں کیسے مخالفت کر سکتا ہوں؟

حیرانگی ہے آج کل کے تفضیلیوں پر مولا علی المرتضیٰ کا نام لیتے نہیں تھکتے، سارا دن حب اہل بیت کے دعوے کرتے ہیں۔ مگر نہیں مانتی تو مولا علی المرتضیٰ مشکل کشا کی بات نہیں مانتی۔ باقی نتیجہ قارئین خود اخذ کر سکتے ہیں۔

اعتراض: سعید ممدوح خلافت و افضلیت کے مابین تلازم کے رد میں غایۃ التبجیل صفحہ ۱۰۱ مترجم پر لکھتا ہے:

''میں کہتا ہوں: خلافت و افضلیت کے مابین تلازم والے مذہب کے مطابق

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل قرار پاتے ہیں اور یہ شیخین کریمین کے بعد ان دونوں (عثمان و علی رضی اللہ عنہما) کی افضلیت کے اجماع کے دعوے کے خلاف ہیں۔"

پھر مسند امام احمد ۱/ ۱۸، فضائل الصحابۃ رقم: ۱۲۸۵، ۱۲۸۷، تاریخ المدینۃ ۳/ ۸۸۶، طبقات الکبریٰ ۳/ ۴۱۳ کے حوالے سے لکھتا ہے:

"(حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) آپ نے فرمایا: اگر مجھے موت آنے لگے اور ابوعبیدہ زندہ ہوں تو میں انہیں خلیفہ نامزد کرتا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مجھے موت اس حال میں آتی کہ ابوعبیدہ وفات پا چکے ہوتے تو میں معاذ بن جبل کو خلیفہ مقرر کرتا۔"

جواب: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ "میں حضرت ابوعبیدہ کو خلیفہ نامزد کرتا" سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تن تنہا ان دونوں کو نامزد کرتے۔ حالانکہ ایک طالب علم سے بھی یہ مخفی نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ لوگوں کی شوریٰ بنائی اور اس کے سپرد خلیفہ بنانے کی ذمہ داری سونپی اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو وہ اس شوریٰ کے ایک رکن ضرور ہوتے۔ دوم عرض یہ ہے کہ اعتراض تو اس وقت ہوتا کہ اگر انہوں نے نامزد کیا ہوتا۔ جب نامزد مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے کیا تو پھر اس قول سے استدلال تو قیاس مع الفارق ہے۔

ہمارے دعویٰ کی مؤیدہ وہ روایت ہے جو مسند احمد بن حنبل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کو امیر بناتا تو ابن ام عبد یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بناتا۔

(مسند امام احمد، رقم الحدیث: ۷۳۹)

اس روایت کو ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اسد الغابہ ۲ ص ۳۶۴ پر بھی روایت کیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں مشاورت کا بڑا عمل دخل تھا۔ جس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اجماع پر حضرت علی المرتضیٰ سے مروی حدیث سے استدلال کر کے اجماع پر اثر نہیں پڑتا بالکل اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اعتراض: غایۃ التبجیل صفحہ ۱۰۷ پر لکھتا ہے:

"صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال

کے بعد جب زمام اقتدار سنبھالی تو لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

أیها الناس، إنی ولیّکم ولست بخیر کم۔

ترجمہ: لوگوں میں تمہارا حکم بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔

(بحوالہ مصنف عبدالرزاق ۱۱/۳۳۶، السیرۃ النبویۃ ابن ہشام ۴/۶۶، الطبقات الکبریٰ ۳/۱۸۲، البدایۃ والنہایۃ ۵/۲۸۰،۶/۲۴۰)

جواب: اولاً: محمود سعید ممدوح نے یہاں خیانت کی اور بے شرمی میں یہودیوں کو بھی مات دے دی ہے چناچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ سے اس کی سند سے تصحیح تو نقل کی مگر پھر حافظ ابن کثیر کا قول مکمل نہیں کیا۔ جوکہ اس کی خیانت کا ثبوت ہے۔ حافظ ابن کثیر متصلاً اس عبارت کے بعد فرماتے ہیں:

ولیّکم و لست بخیر کم من باب الهضم والتواضع فانهم مجمعون علی أنه أفضلهم و خیرهم رضی الله عنهم۔

مفہوم: ''ولیّکم و لست بخیر کم (حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں) باب تواضع یعنی تواضعاً کے طور پر ہے اور یہ تمام (صحابہ کرام) اس پر متفق تھے کہ وہ (سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ) ان میں افضل اور بہتر تھے۔''

دوم: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دوسرا فرمان نقل نہیں کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''کیا میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ کیا میں سب سے پہلے اسلام نہیں لایا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا۔ یعنی اپنی فضیلتوں کا بیان کیا۔

(ترمذی: ۳۶۶۳، مسند بزار: ۳۵، صحیح ابن حبان، رقم: ۶۸۶۳، الاحادیث مختارہ، رقم: ۱۸ و ۱۹)

اعتراض: سعید ممدوح صفحہ ۱۰۷ مترجم پر لکھتا ہے:

''ابو محمد ابن حزم نے الفصل میں کہا: اور یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حقیقتاً اور واقعۃً فرمایا کہ میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں'' تواضعاً نہیں فرمایا...... غور کیجئے کہ ابو بکر اپنے تمام فضائل کو بیان کر رہے ہیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اپنے بیان کردہ فضائل و اقوال میں سچے ہیں تو اگر آپ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہوتے تو ضرور اس کا بھی صراحتاً ذکر فرماتے اور پوشیدہ نہ رکھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کذب سے محفوظ رکھا ہے۔''

(الفصل فی الملل والنحل ۴/۲۱۰)

جواب: یہ بات تو طے شدہ ہے کہ نصوص کو معنی و مفہوم سلف صالحین کی تصریحات کی روشنی میں متعین کیا جاتا ہے۔ ابن حزم اور محمود سعید ممدوح کا اس کو حقیقت پر محمول کرنا غلط ہے۔ کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والی حدیث مفصل نہیں بلکہ مجمل ہے اور متن سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ عدم بیان سے نفی کیسے ثابت ہوتا ہے۔ نیز بیان عدم اور عدم بیان میں فرق بعید ہوا کرتا ہے۔

مزید یہ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اپنے قول کی وجہ سے افضل نہیں بلکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہے۔ افضل ہونے میں تو کسی کو اعتراض نہیں تھا اور یہ حقیقت واضح ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبھی خلافت یا امارت کی کبھی خواہش نہ کی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ "میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں"، تو اس وقت اپنے مفہوم پر انطباق ہوتا جبکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت کے خواہش مند ہوتے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بیعت کے بعد کا ہے جیسا کہ مستدرک حاکم رقم الحدیث: ۴۴۲۲ سے ظاہر ہے۔ مگر جب بیعت ہو چکی تو پھر کسی شخص کے اعتراض کرنے پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی جرأت سے اپنی اہلیت اور افضلیت کا واضح اقرار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کہ کیا میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ کیا میں سب سے پہلے اسلام نہیں لایا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا۔"

(ترمذی: ۳۶۶۷، مسند بزار: ۳۵، صحیح ابن حبان، رقم: ۶۸۶۳، الاحادیث مختارہ، رقم: ۱۸و۱۹)

لہٰذا ابن حزم کا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ "میں تم سے بہتر نہیں ہوں تواضعاً نہیں بلکہ حقیقتاً ہے" صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۶۰۰ حصہ سوم میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ جب لوگوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے تاخیر کی تو سیدنا ابوبکر صدیق نے برملا کہا کہ

"مجھ سے زیادہ کون خلافت کا مستحق ہے۔ پھر جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل ہو گئی تو انھوں نے خطبہ دیتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کیئے کہ لوگوں میں تمھارے امر خلافت کا والی تو ہو گیا لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں"۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۶۰۰)

اس مذکورہ بالا قول سے یہ ثابت ہوا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول تواضع اور انکساری پر ہی مبنی تھا۔

امام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں:

أن أكون خيركم. قال الحسن: و هوا والله خيرهم غير مدافع، و لكن المسلم يهضهم نفسه أبدا۔ (الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۲۳۱)

ترجمہ: یعنی مجھے اس لیے خلیفہ نہیں بنایا گیا کہ میں تم سے بہتر ہوں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حالانکہ آپ (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سب سے بہتر تھے جس میں کسی کو اختلاف نہیں تھا۔ تاہم کسر نفسی مسلمان کی شان ہے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ثابت ہوگیا کہ حضرت ابوبکر صدیق کا فرمان کسر نفسی اور انکساری پر محمول تھا۔ جب کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بھی اقرار کیا۔

محمود سعید ممدوح کے استدلالات کا انداز انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضلیت کا معاملہ ہو تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمان کہ "میں تم سے بہتر نہیں ہوں" کو اپنے اصل اور حقیقت پر محمول کرے جبکہ سیدنا علی المرتضیٰ کے فرمان "اِس اُمت میں اِس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد افضل شخص ابوبکر ہیں اور ابوبکر کے بعد عمر ہیں اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص ہے اور اُس کا نام نہیں لیا (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۶) اور دوسرے فرمان "خبردار جس کسی کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھے شیخین پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس پر جھوٹے کی حد لگاؤں گا۔" (کتاب السیر ص ۳۲۷، تاریخ الواسط ص ۱۶۶، الشریعۃ للآجری رقم: ۱۱۹۶، ۱۸۳۰، ۱۸۲۹، شرح أصول الاعتقاد أهل السنۃ للالکائی ج ۷ ص ۱۲۹۵، فضائل الخلفاء الأربعۃ ص ۱۸۴۔۱۸۷، فضائل الصحابۃ رقم: ۴۹، ۴۸۴) کو حقیقت سے پھیر کر تواضعا بلکہ عاجزی اور انکساری پر محمول کرتا ہے۔ کیا اِسی کا نام تحقیق ہے؟

خلافت کے وقت چند صحابہ کرام کا اختلاف صرف خلافت کی تفویض کا تھا۔ اور یہ بات تو واضح ہے کہ ان کا انتخاب افضل شخص ہی تھا۔ جب یہ فیصلہ ہوگیا کہ خلافت کرنا قریش کا حق ہے تو پھر تمام صحابہ نے سب سے بہتر اور افضل شخص سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اجماع کے ذریعے چن لیا۔ عجیب مضحکہ خیز بات ہے کہ اگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ وہ افضل بھی نہ ہوں گے؟ کیا خلافت اور افضلیت متضاد ہیں؟ کیا خلیفہ بننا افضلیت کے خلاف ہے؟ جبکہ

اس کے برعکس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول پر صحابہ کرام کا اتفاق کرنا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اور افضلیت بیک وقت دونوں پر اجماع ہوگیا۔ لہٰذا کسی کے قول سے یہ اجماع ٹوٹ ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا ایسے اوچھے ہتھکنڈے آزمانے سے منہج اہل سنت و جماعت کے عوام و خواص کو تشکیک کا شکار بنانا مناسب نہیں۔

شیخ ممدوح کا خلافت اور افضلیت کے مستلزم کے حوالہ نقل کرنا

شیخ ممدوح نے حضرت علی المرتضیٰ کو افضل بنانے کے لیے نادانی میں ایسے حوالہ جات بھی نقل کردیے جن میں صحابہ کرام نے خلافت کے لیے افضلیت کی شرط بیان کیں ہیں۔ لہٰذا ان کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

۱- غایۃ التبجیل ص 200 پر لکھا ہے:

مرزبانی نے کہا: جب حضرت عثمان کی شہادت کی خبر اہل کوفہ کو پہنچی تو ہاشم نے ابوموسیٰ اشعری کو کہا: اے ابوموسیٰ ہم اس امت کی بہترین ہستی علی کی بیعت کریں۔ (بحوالہ الاصابۃ 593/3)

۲- شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۱۷۷ پر لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم و تفضیل کے قائلین میں جلیل القدر صحابی حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ کی شخصیت بھی ہے۔ تاریخ طبری اور نصر بن مزاحم کی کتاب صفین میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہا:

امابعد: معاویہ رضی اللہ عنہ! ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تجھے اس امر کی طرف بلائیں جس سے اللہ ہماری امت اور ہماری دعوت کو ایک کردے۔ اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے خون کو محفوظ فرمادے۔ اور ہم تجھے سبقت میں امت کے افضل ترین اور اسلام میں اتباع کے لحاظ سے بہترین شخصیت کی طرف بلاتے ہیں۔ لوگوں نے ان کی حکومت کو تسلیم کرلیا اور یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھلائی کو سمجھنے کی ہدایت دی تو انہوں نے اسے قبول کرلیا، صرف تم اور تمہارے ساتھی ہی باقی رہ گئے ہیں۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲، صفین لنصر بن مزاحم ص ۱۹۷)

غایۃ التبجیل صفحہ 196 پر سعید ممدوح نے ایک اہم بات لکھی ہے کہ "ابن ابی الحدید کے قول میں غور فرمائیے اور اس زمانے میں لفظ شیعہ ان لوگوں کے بارے میں معروف تھا جو

افضلیت علی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے یہ بات امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حزم کے اس قول کے موافق ہے جو پیچھے گزر چکا ہے اور یہ زمانہ صفین اور اس کے بعد کا زمانہ پس اس زمانے میں صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد (مذکورہ صورت میں) شیعہ تھی۔"

۳- غایۃ البتجیل ص 199 پر لکھا ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب عظیم المرتبت صحابی حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو جب معرکہ کا حکم مقرر فرمایا تو انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا لوگو! ہم نے اس شخص کی بیعت کی ہے جس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ وہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بہتر ہیں۔

(بحوالہ تاریخ الملوک والامم لابن جریر الطبری 3/66 فینی)

۴- غایۃ التبجیل ص 200 پر لکھا ہے:

مرزبانی نے کہا، جب حضرت عثمان کی شہادت کی خبر اہل کوفہ کو پہنچی تو ہاشم نے ابوموسیٰ اشعری کو کہا: اے ابوموسیٰ ہم اس امت کی بہترین ہستی علی کی بیعت کریں۔

(بحوالہ الاصابۃ 3/593)

۵- غایۃ البتجیل ص 201 پر لکھا ہے:

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عتبۃ بن ابی لہب بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ معاملہ پہلے بنوہاشم سے پھر ابوالحسن سے رخ موڑ جائے گا۔

کیا وہ پہلے شخص نہیں جس نے تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور کیا وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر عالم کتاب وسنت نہیں۔ (بحوالہ اسد الغابہ 40/4)

۶- غایۃ البتجیل ص 201،202 پر لکھا ہے:

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا تھا۔

کاش میں جانتا کہ کون ہماری ذمہ داری اٹھائے گا اور کیا قریش میں امام کے بارے میں تنازع ہوگا؟ اس امر کو سنبھالنے کیلئے تین قریشی افراد ہیں اللہ بہتر کرنے والا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ یا صدیق رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ اس کے اہل ہیں اور ان تین کے بعد کوئی چوتھا اس کا اہل نہیں۔ (بحوالہ الطبقات الکبریٰ 410/2)

۷- غایۃ البتجیل ص 203 اور ص 204 پر لکھا ہے۔

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی منبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیعت کی گئی تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے منبر کے سامنے کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے۔

ترجمہ: جب ہم نے علی کی بیعت کی تو ہمیں کافی ہیں ابوالحسن ان فتنوں سے بچانے کیلئے جن سے ہم خوفزدہ ہیں ہم نے انہیں دوسرے لوگوں سے زیادہ لوگوں کا محبوب پایا۔ بے شک وہ کتاب وسنت کی رو (یا فہم) سے قریش کی عمدہ ہستی ہیں۔ بے شک قریش کا رعب اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ وہ کسی کمزور پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ ان (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) میں وہ ساری خوبیاں ہیں جو تمام لوگوں میں ہیں اور ان میں محاسن نہیں جو تنہا ان میں ہیں۔ (بحوالہ مستدرک حاکم ج3 ص 114,115)

۸- غایۃ التبجیل ص 207 پر حضرت زحر بن قیس رضی اللہ عنہ سے منسوب اشعار نقل کیے ہیں کہ

"جریر بن عبداللہ! ہدایت سے منہ نہ موڑ! علی کی بیعت کر لے، میں تیرا خیر خواہ ہوں۔ یقیناً علی ان سب سے بہتر ہیں جو کنکریلی زمین پر چلتے ہیں۔ ماسواء سیدنا احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور موت تو صبح یا شام آ کر ہی رہے گی۔" (بحوالہ صفین لنصر بن مزاحم ص ١٦)

شیخ محمود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل صفحہ ١٠٦ پر ایک اہم بات انجانے میں نقل کر دی ہے:

"(بیعت کے موقعہ پر) حضرت عتبہ بن ابولہب نے کہا تھا۔ میں نہیں گمان کرتا کہ حکومت پہلے بنوہاشم سے پھر اُن میں سے اس ابوالحسن سے چلی جائے گی۔ جو سب سے پہلے ایمان لانے والا اور سبقت کرنے والا ہے اور قرآن وسنت کا سب سے بڑا عالم ہے۔ وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر آخری وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے والا ہے، جبریل علیہ السلام جن کے ساتھ غسل وکفن میں معاون رہے۔ اس میں وہ تمام خوبیاں جمع ہیں جو ان سب میں متفرق ہیں، وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے اس میں جو محاسن ہیں وہ وپوری قوم میں نہیں ہیں۔" (بحوالہ الاستیعاب ٣/ ١٣٣، اسد الغابۃ ٣/ ٦٢١)

نکتہ: سعید ممدوح کے اس حوالہ سے یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ عتبہ بن ابولہب رضی اللہ عنہ حکومت کرنے کا یعنی خلیفہ بننے کا حقدار اُسے سمجھتے تھے جس میں خوبیاں موجود ہوں (اور جو لامحالہ افضل کی طرف اشارہ ہے) اس کو خلیفہ بننے کا حق دار سمجھتے تھے۔ یعنی یہ بات ثابت ہو گئی کہ ان صحابہ کرام کے

نزدیک خلافت کا حق داروہ شخص ہے جس میں زیادہ خوبیاں اور اوصاف پائے جائیں۔اسی لیے تو انہوں نے مولی علی رضی اللہ عنہ کے خصائص گنوائے۔انہی صحابہ کرام پر جب مسئلہ واضح ہوگیا تو انہوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بمع افضلیت کی بیعت کی۔اگر ان لوگوں کا خلافت پر بیعت سے انکار یا تاخیر سے جس طرح خلافت کے اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا بالکل اسی طرح ان اصحاب کا کسی اور کو افضل سمجھنا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ایک طرف شیخ صاحب خلافت اور افضلیت کو مترادف قرار دینے کی لاحاصل کوشش کریں اور پھر ایسے حوالے اور اقوال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر پیش کریں جو بیعت کے وقت کہے گئے تھے۔شیخ صاحب کے ان پیش کردہ حوالوں سے تو افضل اور خلیفہ کا باہمی ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

اور مزید یہ کہ سعید ممدوح نے صرف قول دکھایا ہے،اس پر لازم تھا کہ وہ یہ ثابت کرتا کہ حضرت عتبہ بن ابولہب نے بیعت کی ہی نہیں۔جب بنو ہاشم نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی تو پھر تو حضرت عتبہ بن ابولہب کا بیعت نہ کرنے کو کوئی جواز ہی نہیں رہتا۔

اس سلسلہ میں مزید عرض یہ ہے کہ محمود سعید ممدوح کا یہ دجل اور فریب ہے کہ قارئین کے سامنے مسئلہ کا ایک پہلو رکھتا ہے جبکہ دوسرا پہلو چھپا جاتا ہے۔جناب عالی! کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ اکثر اوقات صحابی ایک قول کہتا ہے مگر جب ان پر صورت حال اور حقیقت واضح ہو جاتی ہے تو وہ اپنے موقف سے رجوع کر لیتے ہیں۔حضرت عتبہ بن ابولہب نے ابتداء میں اپنی رائے کا اظہار کیا مگر جب حقیقت واضح ہوگئی تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔اس کی مثال سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قرآن کو مصحف کی صورت میں جمع کرنے کی ہے۔ابتداء میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات کی مخالفت کی مگر جب ان کا سینہ کھل گیا تو انھوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کی اور اسکی موافقت کی۔اب اگر کوئی شخص اٹھ کر محمود سعید ممدوح کی طرح علمی بددیانتی پر عمل پیرا ہو کر یہ کہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو قرآن کو جمع کرنے کے خلاف تھے تو کتنی علمی زیادتی اور حقیقت کے خلاف بات ہوگی۔یہ منہج محمود سعید ممدوح کا بھی ہے۔لہٰذا اسکے دجل سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

اس تمام تحقیق سے واضح ہوا کہ لوگوں کو خلافت اور افضلیت کی بحث میں الجھانا فضول اور غلط ہے۔

❀❀❀❀

چوتھے باب کا جواب

حیاتِ نبوی میں افضل الصحابہ کی تحقیق

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۳ تک تقریباً ۳ علماء کرام کی تصریحات سے یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں وصال ہونے والے صحابہ کرام بعد میں زندہ رہ جانے والے صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ سعید ممدوح نے جن علماء کرام کے حوالے پیش کیے ان کا نام مندرجہ ذیل ہے:

۱- امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ الاستذکار ۱۴ / ۷ ۲۳

۲- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ فتح الباری ۷ / ۱۷

۳- ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ الجامع من المقدمات صفحہ ۱۷۶

۴- قاضی عیاض بحوالہ اکمال المعلم بفوائد مسلم ۷ / ۳۸۲

پھر سعید ممدوح صفحہ ۱۱۳ پر لکھتا ہے:

''میں کہتا ہوں: ہر چند کہ بعض علماء نے اس مذہب کو فقط ابن عبدالبر کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن یہ جلیل القدر صحابہ کرام کے ایک گروہ کا مذہب ہے (یعنی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل وہ حضرات ہیں جنہوں نے حیات نبوی ﷺ میں شہادت کا رتبہ پایا اور بعض علماء کرام نے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو افضل معین کیا ہے فتح الباری ۷ / ۱۷)۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے پس اطلاقات، تہویلات (دھمکیاں)، اجماعات اور دعوے کہاں۔''

جواب: ان میں سے زیادہ تر لوگوں نے یہ مذہب ابن عبدالبر کا نقل کیا ہے:

۱- اس مذہب کو نقل کرنے کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وھذا الاِطلاق غیر مرضی ولا مقبول۔

(شرح مسلم نووی باب فضائل صحابہ۔ ۸ / ۱۱۸)

"یعنی یہ قول ناپسندیدہ اور غیر مقبول ہے۔"

معلوم ہوا کہ ایسا مذہب شاذ اور غیر مقبول ہے اور شاذ مذہب کو پیش کرنے والا شر پھیلانے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ تحقیق پیش کی جا چکی ہے۔ علامہ نووی کے اس قول سے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تدریب الراوی ۲/ ۲۲۳ فی معرفۃ الصحابۃ اور امام الابناسی شذ ایضاح صفحہ ۵۰۷ پر یہ قول نقل کرتے ہیں:

۲- ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قول کی تردید کی ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

و اغرب من هذا كله قول طائفة۔ منهم ابن عبد البر المالكی۔ أن من توفی من الصحابة حال حياته أفضل ممن بقی بعدهم۔ و لعله محمول علی واعدا العشرة المبشرة۔ (شم العوارض صفحہ ۶۳)

ترجمہ: اور اس گروہ کے اقوال میں سب سے زیادہ غریب قول ہے جو ابن عبد البر رضی اللہ عنہ مالکی نے کہا ہے کہ جو صحابہ وصال فرما گئے بقیہ صحابہ کرام کی حیات میں تو وہ بقیہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں: اور شاید کہ یہ قول عشرہ مبشرہ کے بعد پر محمول ہے۔

۳- علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی المواہب الدنیہ پر ابن عبد البر کے قول کو غلط لکھا ہے۔

۴- علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ تمام اقوال کے بارے میں لکھتے ہیں:

حكی المازری عن الشيعه تفضيله و عن الخطابی تفضيل عمرو عن الراونديه تفضيل العباس والقاضی عياض ان ابن عبد البر و طائفة ذهبوا الی أن من توفی عن الصحابة فی حياة النبی ﷺ أفضل ممن بقی بعده قوله ﷺ فی بعضهم أنا شهيد علی هولاء و عين بعضهم فهم جعفر بن ابی طالب و كل هذا مردود۔

(فتح المغیث ۳/ ۱۲۹)

مفہوم: "علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ المازری نے شیعوں کو تفضیلی، خطابی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تفضیل، رواندیہ حضرت عباس اور قاضی عیاض نے ابن عبد البر سے ایسے صحابہ کرام کی فضیلت نقل کی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں تھے۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ

لکھتے ہیں یہ تمام اقوال ومذاہب مردود ہیں۔"

لہٰذا جب کوئی قول شاذ ہو اور محدثین کرام اس کا رد بھی کر دیں تو پھر ایسے قول کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور ایسے اقوال سے استدلال کرنے والا اصول کے خلاف چلنے والا ہے۔

نیز جب ایک امر طے شدہ ہے کہ مسئلہ افضلیت کا مدار قرب اللہ تبارک وتعالیٰ ہے تو محدثین یا چند ائمہ کے اپنے فہم سے مسئلہ افضلیت میں مروی اقوال ہرچند نا قابل قبول تصور کیے جائیں گے۔

پانچویں باب کا جواب

افضل کا تعین کرنے والوں کے مذہب کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح نے مسئلہ تفضیل کو الجھانے کے لیے غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۱۱۶ تا صفحہ ۱۴۶ تقریباً اُنیس اقوال نقل کیے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو افضل کہا ہے۔ اِن اقوال کا مختصر بیان مندرجہ ذیل ہے۔

پہلا قول: اکثر حضرات کا یہ کہنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے افضل ہمارے آقا و مولیٰ خلیفہ راشد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان یہ ایک انتہائی مشہور و معروف اور واضح قول تھا اور یہی اہلِ سنت، خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔ اہل سنت کے بعض حضرات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو قطعی مانتے ہیں۔ لیکن اہلِ سنت کے اشعری و ماتریدی ائمہ کے نزدیک یہ ایک ظنی قول ہے۔ (غایۃ التبجیل صفحہ ۱۱۶)

جواب: سعید ممدوح کی اس عبارت سے چند باتیں واضح ہو گئیں:

۱- صحابہ کرام میں سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول مشہور و معروف اور واضح تھا۔

۲- سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ہی اہلسنت، خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔

۳- اہلِ سنت میں مسئلہ افضلیت بعض کے نزدیک قطعی اور بعض کے نزدیک ظنی ہے۔

اب اِن نکات سے یہ واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت مشہور و معروف تھی۔ اس بات کا اقرار کر لینے کے بعد ان احادیث پر ہاتھ صاف کرنا ظلم ہو گا جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ثابت کرتی ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری شریف کی روایت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی دُرے لگانے والی روایت۔ تفضیلیوں کو عجیب مسئلہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اقرار محفلوں میں اور لوگوں کے سامنے کرتے ہیں مگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کرنے والی روایات پر جرح و قدح بھی کرتے ہیں

اور ان روایات پر اپنی باطل تاویلات کی بنا پر تاویل کرتے ہیں جیسا کہ سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل صفحہ ۳۱۵ اور صفحہ ۳۲۳ مترجم پر کیا ہے۔

لہٰذا ایسی حرکت کرنا علمی خیانت کے مترادف ہے۔ اور رہا اس مسئلہ کا ظنی ہونا تو ہم پہلے باب کے جواب میں ظنی ہونے کے بابت تحقیق کر آئے ہیں کہ اس مسئلہ کو تحقیق کی روشنی میں ظنی کہنا غلط ہے بلکہ شیخ ممدوح کے پیش کردہ حوالوں سے تو ظنی ہونا ایک طرف بلکہ ان اقوال سے تو توقف ثابت ہوتا ہے۔

ہمارا تو یہ سوال ہے کہ ان اکابرین کا اس مسئلہ کو ظنی کہنا کس درجہ کا ہے؟ ان کی مراد ظنی بالمعنی اعم ہے یا کہ ظنی بالمعنی الاخص۔ جناب ظنی، ظنی کہہ کر اپنا مطلب نکالنا غلط ہے۔ اگر تفضیلی حضرات مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں تو ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اظہار کریں۔ حالانکہ ظنی ظنی کی رٹ لگا کر خود شیخ محمود سعید ممدوح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دلائل پیش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ تقریظ لکھنے والے صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے شیخ سعید ممدوح مسئلہ تفضیل میں مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی طرف مائل ہیں۔ اگر پانچویں باب میں افضلیت کے باب میں ۱۹، مذاہب پیش کرنا مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے خلاف نہیں تو یہ ۱۹ دلائل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے معارض کیسے آسکتے ہیں۔

دوسرا قول: متعدد حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ اہلِ بیت اطہار، صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کی ایک عظیم الشان جماعت، خصوصاً ہاشمی، کوفی، بعض اہل سنت اور معتزلہ کی اکثریت اسی کی قائل ہے۔ اور جہاں تک اہلِ تشیع کے مشہور مذاہب مثلاً زیدیہ اور امامیہ کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی و یقینی ہے۔ عنقریب ان شاء اللہ ایک خاص باب ان لوگوں کے متعلق آئے گا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں۔ (غایۃ التبجیل ص ۱۱۶)

جواب: سعید ممدوح کے بیان سے معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں: (۱) اہل بیت اطہار (۲) صحابہ کرام (۳) تابعین عظام (۴) ہاشمی (۵) کوفی (۶) بعض اہل سنت (۷) معتزلہ۔

تو جناب بات یہ ہے کہ وہ کون کون سے اہل بیت اطہار ہیں جو کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے

افضل مانتے ہیں؟ اور یہ کہ وہ مولا علی رضی اللہ عنہ کو کس پر تفضیل دیتے ہیں؟ مولا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یا کہ مولا علی کو شیخین پر؟ جناب اس بات کا بھی بیان فرمادیں کہ یہ اصحاب افضلیت مطلقہ کے قائل تھے یا افضلیت جزئی کے؟ اس کتاب کے شروع میں مسئلہ افضلیت پر چند اصول واضح کردیے گئے ہیں۔ اگر تو وہ اس کے مطابق ہیں تو عرض کریں اور اگر ان اصول کے مطابق نہیں ہیں تو شیخ ممدوح کا بلانام عقیدوں کا اندراج محض اپنا نامہ اعمال کی طرح صفحات کالے کرنے کے مترادف ہے۔

پھر ذرا ان صحابہ کرام سے باسند صحیح ایسے اقوال نقل کریں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضلیت مطلقاً مانتے ہیں۔ جناب تحقیق کے میدان میں تحقیقی بات پیش کریں۔ کبھی بلاسند ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے صحابہ کے اقوال نقل کرنا اور کبھی ظاہری المذہب منکر قیاس و اجتہاد ابن حزم اندلسی کے حوالوں سے اپنا مدعا ثابت کرنا آپ ہی کو مبارک ہو۔ جناب یہ تحقیقی میدان ہے بلاسند کسی بھی اصول کا ثابت کرنا آپ ہی کو مبارک ہو اور آپ ہی اس پر خوشی منائیں۔ یاد رہے کہ ہم افضلیت شیخین کے قطعی ہونے کے قائل ہیں۔ ختنین (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی افضلیت میں ہم اجمہور اہل سنت کی طرف مائل ہیں مگر ختنین کا باقی صحابہ کرام پر افضلیت بھی قطعی ہے ان کی باہمی افضلیت ظنی ہے۔ یہ تو ہم آپ کے پیش کردہ حوالوں کی قلعی اگلے باب میں ہی کھولیں گے جہاں پر آپ نے یہ تمام حوالے نقل کیے ہیں۔ اور شیعوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل ماننا اس میں ہماری بحث نہیں ہے۔ شیعوں کے اقوال آپ ہی کو مبارک ہوں۔ ہم نے تو اہلِ سنت و جماعت کا موقف پیش کرنا ہے۔

تیسرا قول: سلف میں کچھ حضرات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور سیدنا عمر بن خطاب کو تمام صحابہ کرام سے افضل ثابت کرنے کے لیے شیخ محمود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص ۱۱۷ تا ۱۲۰ تک چند زیر مذکورہ اقوال نقل کیے ہیں:

(i) ابن حزم سے محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری کا حوالہ۔ (بحوالہ الفصل فی الملل ۴ / ۱۸۲)

(ii) امام عبدالرزاق کے حوالے سے امام وکیع کا حوالہ "اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو میں اسے نہ جھڑکوں گا۔ عبدالرزاق نے فرمایا کہ میں نے یہ بات وکیع کو بتائی تو اس بات نے وکیع کو انتہائی مسرور کیا اور انہوں نے اس

قول کو بہت سراہا۔“ (بحوالہ الاستیعاب ۳/ ۳۹۲)

(iii) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کسی کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ عظمت اور سخاوت کا حامل نہیں دیکھا۔“ (بخاری: ۳۶۸۷)

(iv) ”صحابہ کرام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق باہم گفتگو کررہے تھے کہ عطارد کے ایک شخص نے کہا کہ عمر بہتر ہیں ایک شخص نے کہا کہ ابوبکر بہتر ہیں۔ اور کہا: تو مجھ سے دور ہو جا اور فرمایا کہ بے شک ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں اِس اِس لحاظ سے افضل ہیں۔ اور کہا کہ جس شخص نے اِس قول کے علاوہ کوئی بات کہی تو اس کے لیے وہی سزا ہے جو سزا مفتری کی ہے۔“ (بحوالہ فضائل صحابہ، رقم: ۱۸۹-۳۹۶، الامامۃ لابی نعیم، رقم: ۵۶)

(v) حضرت جبیر بن نضیر فرماتے ہیں کہ چند افراد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے کہا کہ خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو اُن سے زیادہ عدل میں بڑھا ہوا، حق بات کہنے والا اور منافقین پر غضبناک نہیں پایا۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اللہ کی قسم! تم نے حقیقت کے خلاف بات کی۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد عمر سے بھی زیادہ افضل شخص کو دیکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی جانب متوجہ ہوئے اور پوچھا۔ اے عوف رضی اللہ عنہ! تم کس کو افضل شمار کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عوف نے سچ کہا اور تم لوگوں نے غلط کہا۔ یقیناً ابوبکر مشک کی خوشبو سے بھی عمدہ تھے اور میں ہرگز ان کی مثل نہیں ہوں۔ (الامامۃ لابی نعیم صفحہ ۵۷)

(vi) حسن فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے لوگوں میں سب سے بہترین شخص۔ تو انہوں نے فرمایا: میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ تو اس شخص نے کہا: ”اللہ کی قسم ہم نے کسی کو آپ سے زیادہ بہتر نہیں دیکھا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کیا تم نے ابوبکر کو نہیں دیکھا؟“ اس نے کہا: ”نہیں...... پھر آپ نے اوپر والی بات ارشاد فرمائی۔
(المصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/ ۱۶)

پھر اس کے بعد سعید ممدوح لکھتا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں واضح سبق یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے افراد پائے جاتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے۔

(vii) بے شک ابن جریج مکی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابوبکر پر مقدم مانتے تھے۔

(العواصم من القواصم صفحہ ۲۵۸)

جواب: شیخ محمود سعید ممدوح کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دینا خود ان کے پیش کردہ حوالوں کی رو سے غلط ہے۔ شیخ ممدوح کے پیش کردہ اقوال کا جائزہ بالترتیب ملاحظہ کریں۔

(i) ابن حزم کا امام حاکم کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا ایک فضول حوالہ ہے۔ ابن حزم اور محمد بن عبداللہ حاکم کے درمیان سند غائب ہے اور کس کے واسطے سے یہ خبر پہنچی یہ تو خود سعید ممدوح بتا سکتا ہے یا ان کے خیر خواہ۔ لہٰذا مجہول راویوں پر اعتماد آپ ہی کریں اور اپنے سینے سے یہ قول لگا کر خوشی منائیں۔ حالانکہ تحقیق کے میدان میں ایسے حوالے فضول ہیں۔ خواہ مخواہ وقت کا بھی ضیاع اور سیاہی کا بھی۔

(ii) عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ اور معمر بن راشد کے حوالے میں امام وکیع کا مسئلہ افضلیت پر مسرور ہونا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل بتانے والے کو نہ جھڑکنے کا قول بھی سند کمزور ہے۔ الاستیعاب ۳/۳۹۲ میں تو اس کی سند موجود ہی نہیں ہے۔ تفضیلیوں کے سرگرم رکن ظہور احمد فیضی نے شرح خصائص علی صفحہ ۵۳۲ اور ۵۳۳ پر اس قول کو الاستعیاب ۳/۲۳۹ اور تاریخ دمشق لابن عساکر ۴۲/۵۳۰ سے نقل کیا ہے۔ مگر افسوس جناب تاریخ دمشق کی سند بھی مجہول راویوں سے بھری پڑی ہے۔ جناب اس مذکورہ حوالہ کی سند میں احمد بن منصور بن یسار کا ترجمہ اور توثیق تو پیش کریں؟ اور پھر احمد بن منصور بن یسار کی ملاقات عبدالرزاق سے ثابت کریں؟ سند میں احمد بن عبیداللہ بن الفضل کا تعارف بھی درکار ہے؟ جناب ایسی منقطع اور مجہول راویوں کی سند پر بغلیں بجانا آپ کا کام ہے۔ تحقیق کے میدان میں لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔ عوام الناس کو ایسے اقوال سے دھوکا دینا اب ختم کرنا پڑے گا۔ وگرنہ ضعیف سندوں سے استدلال کر کے خوش ہونا جاہلوں کا ہی کام ہے۔

(iii) حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کے قول سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضل مطلق کہنا بھی غلط ہے۔ بخاری رقم: ۳۴۸۷ میں کسی بھی طریقے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول ثابت نہیں ہوتا اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں اور مزید برآں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۵، ۳۶۷۷ سے شیخین

کریمین کی افضلیت ثابت ہوتی ہے اور شاید محمود سعید ممدوح صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ اگر بظاہر دو حدیثوں میں تعارض پایا جائے تو تطبیق دی جاتی ہے یا تاویل بھی کی جا سکتی ہے۔ مگر یہ تعارض حقیقی نہیں بلکہ صوری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری رقم: ۳۶۵۵ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت مطلقہ ثابت ہوتی ہے جبکہ سعید ممدوح کی پیش کردہ روایت میں فضیلت جزوی (عظمت اور سخاوت) ثابت ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ۷/ ۴۹ پر اس حدیث کی تاویل بھی کی ہے اور یہ بات بداہت عقلی سے ثابت ہے۔ سعید ممدوح کی پیش کردہ روایت میں سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ اس سے خارج ہیں۔ مزید یہ کہ افضلیت مطلقہ اور فضیلت جزوی میں کیا مقابلہ۔ لہٰذا ایسے اقوال پیش کر کے سعید ممدوح اپنی جہالت کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ حدیث کا مفہوم وہی معتبر ہوتا ہے جس کا تعین سلف وصالحین نے کیا ہو۔ اور سعید ممدوح کی اس پیش کردہ روایت سے کسی محدث نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول نہیں کیا۔ حیرانگی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ایک طرف اور کہاں زید بن اسلم کا قول؟ کچھ تو خیال رکھیں۔

(iv) فضائل صحابہ، رقم: ۱۸۹-۳۹۶ سے یہ استدلال پیش کرنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپس میں بحث چل رہی تھی اور عطارد کے ایک شخص نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر ہیں۔'' انتہائی جہالت ہے۔

اول: تو یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں لوگوں میں سے ایک کو ضرب لگانا اور دوسرے کو سزائے مفتری سنانا یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ پہلے شخص کو اس لیے ضرب لگائی کہ اس نے کیوں اس مسئلہ میں بحث کی حالانکہ یہ مسئلہ متفقہ اور تسلیم شدہ تھا اور عطارد کے ایک شخص کو مفتری کی سزا اس لیے دی کہ اس نے غلط بات کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

دوم: اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس دور میں ہوتے تو تفضیلیوں کو ضرور اس مسئلہ میں مفتری کی سزا دیتے جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے۔

سوم: کتنی حیرت کی بات ہے کہ عطارد کے ایک بندہ کے موقف کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ غلط کہیں۔ مگر آج کل تفضیلی سعید ممدوح عطارد کے ایک شخص کے قول سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو افضل ثابت کر کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ عطارد نام کا ایک شخص تابعی تھا کیونکہ روایت میں موجود ہے کہ

اس نے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے کو نہ پایا تھا۔لہٰذا یہ مسئلہ تابعی کے دور کا تھا۔کچھ تو خدا کا خوف کریں ایک تابعی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہتر کہے مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے قول کو غلط کہہ کر رد بھی کر دیں مگر تفضیلیہ عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے حوالے لیے پھرتے ہیں۔یہ ہی تو مقام سنیت ہے کہ دیکھیں کون اہل سنت کے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات مانتا ہے یا کہ ایک تابعی کی۔مزید یہ کہ اگر سعید ممدوح یہ کہے کہ میں تو صرف اختلاف نقل کر رہا ہوں تو عرض یہ ہے کہ غلطی کی اصلاح یا موقف کی تصحیح یا رجوع کے بعد وہ اختلاف کیسے رہ جاتا ہے؟ لہٰذا کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ/تابعی کے موقف کو غلط کہا ہو اور اس تابعی نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو نہ مانا ہو؟ ایسے اقوال پیش کرنا علمی خیانت اور زیادتی ہے۔اگر سعید ممدوح یہ کہے کہ میں تو صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اختلاف رہا ہے۔تو عرض یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے بعد اختلاف کیسا؟ مزید یہ کہ آپ تو تابعین کے حوالے پیش کر رہے ہیں۔ہم تو ایسے حوالے پیش کر سکتے ہیں کہ وہ آپ کے نزدیک بھی مسلمہ ہیں اور صحابہ کرام نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث آنے کے بعد ان صحابہ کرام نے اپنے اختلاف سے رجوع کر کے حق کا قبول کرنا واضح کیا۔

چہارم: سعید ممدوح کو یہ قول پیش کرنے میں شرم آنی چاہیے تھی۔کیا سعید ممدوح کے سامنے وہ حدیث نہ تھی کہ میرے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا؟ تف ہے تجھ پر سعید ممدوح کہ تو ایک مرجوح قول نقل کر کے اختلاف کو بیان کرے۔اگر مسئلہ افضلیت پر کوئی روایت بھی نہ ہو تو میرے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہی کافی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔تجھے اور تیرے حوارین کو تیرے استدلال مبارک ہو۔

-V حضرت جبیر بن نضیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے چند افراد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عدل میں بڑھا ہوا، حق بات کہنے والا اور منافقین پر غضبناک نہیں پایا ثابت کرنا بھی دھوکا ہے کیونکہ اسی حوالے کے اندر ایسی بات کرنے والے کو نہ صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غلط کہا بلکہ جلیل القدر صحابی عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی ایسے شخص کی بات کو خلاف حقیقت کہا۔

مگر حیرت ہے سعید ممدوح پر کہ ان تابعین کا مرجوح قول سامنے لا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کا صحیح مذہب اور قول کو پس پشت ڈال دیا۔میں سوال کرتا ہوں

اپنے پڑھنے والوں سے کہ جب ایسے لوگوں کی اصلاح کر دی تو پھر ان کا موقف یا قول کہاں باقی رہتا ہے؟ مزید یہ کہ تابعی اور صحابی کے قول میں ترجیح کا حامل کونسا قول قرار پائے گا؟ مزید یہ کہ مجھے میرے نبی ﷺ نے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور یہی اہل سنت کی پہچان ہے۔ مزید یہ کہ چند افراد کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے خود غلط کہہ کر ان کی اصلاح کر دی تو پھر ایسا نظریہ کیسے باقی رہ سکتا ہے اور پھر ایسے نظریے کو سلف صالحین کا مذہب قرار دینا بھی غلط ہے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کی اصلاح کر دی تو پھر کسی کی کیا مجال کے اس کے خلاف عقیدہ رکھ سکے۔ لہٰذا ایسے اقوال سے عوام الناس بلکہ علماء کرام میں تشکیک پیدا کرنا مردود ہے۔

vi- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول بحوالہ المصنف ابن ابی شیبۃ 16/112 بھی اسی ضمن کے تحت آتا ہے۔ اس میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے نظریے کا سختی سے رد کیا ہے۔ لہٰذا ایسے اقوال تو خود تفضیلیوں کا رد کر رہے ہیں۔ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو افضل کہیں اور لوگوں کا رد کریں مگر یہاں تفضیلی اس بات کو پیش کر رہے ہیں جس کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود رد کر رہے ہیں اور ایسے عقیدہ رکھنے والوں کو غلط کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا ایسے اقوال آپ ہی کو مبارک ہوں۔

vii- ابن جریج مکی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عمر کو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تقدیم دینا کسی سند صحیح سے ثابت نہیں ہے لہٰذا ایسے اقوال بے سند پیش کرنا تحقیق کے خلاف ہے۔

viii- طرطوشی کا قول اگر کوئی شخص عمر رضی اللہ عنہ کو مقدم مانتا تو میں ضرور اس کی پیروی کرتا (العواصم ص 295) سے تو یہ صاف واضح ہو گیا کہ امت میں امام طرطوشی تک کسی کا بھی مذہب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تقدیم کا ہے۔ لہٰذا ایسے حوالوں سے جو کہ ثابت بھی نہیں ہیں ان کو تحقیق کے میدان میں پیش کرنا علمی خیانت ہے لہٰذا ایسے اقوال کو پیش کرنا اصول کے خلاف ہے۔

اے نام نہاد محقق تو جو علماء کرام کے شاذ اقوال پیش کر کے عوام الناس کو شبہ اور تشکیک میں مبتلا کر رہا ہے۔ ذرا دیکھ علماء حق شاذ اقوال کے بارے میں کیا حکم لگاتے ہیں۔ علماء کرام کے فتوی جات شاذ روایت کے بارے میں اس بات کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

چوتھا قول: سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 120 و ص 121 مترجم پر لکھتا ہے:

بعض حضرات نے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام پر فضیلت دی ہے۔ امام

احمد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام حاکم نے از عکرمہ از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جعفر سے افضل نہ کسی نے جوتیاں پہنیں، نہ اونٹنی پر سوار ہوا اور نہ ہی گھوڑے کی زین پر سوار ہوا۔

(مسند احمد 413/2، جامع ترمذی رقم:3764، السنن الکبری للنسائی رقم:8157، المستدرک 41/3 رقم:209)

جواب: ۱- اس کی سند میں ایک راوی عکرمہ ہے۔ جو کہ تفضیلیہ کے نزدیک ضعیف ہے۔ صاحب مترجم کتاب غایہ التبجیل کے استاد جناب قبلہ شاہ حسین گردیزی نے اپنی کتاب الذنب فی القرآن میں عکرمہ راوی پر سخت جرح کی ہے۔

۲- یہ پہلے بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک حدیث کا مفہوم دوسری حدیث سے ہی سمجھ میں آتا ہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب مسند احمد رقم: ۹۳۵۳ میں کچھ یوں نقل کیا ہے۔

افضل من جعفر بن ابی طالب یعنی فی الجود الکرم۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ صرف اور صرف جود الکرم میں ہی افضل ہیں نہ کہ مطلقاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور یہ کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔

۳- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

کان جعفر خیر الناس للمساکین۔ (الاصابہ ۱/۴۸۶)

۴- علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولا ینبغی أن یزعم زاعم أن مذهبه: أن جعفر أهل افضل من أبی بکر و عمر فان هذا الاطلاق لیس هو علی عمومه، بل یخرج منه الأنبیاء والمرسلون، فالظاهر أن أبا هریرة لم یقصد أن یدخل أبابکر و عمر رضی الله عنهم۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۵۰۶ رقم:۲۸۳)

ترجمہ: یعنی اور کسی گمان کرنے والے کو یہ گمان کرنا لائق نہیں ہے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ بے شک حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہیں۔ پس بے شک یہ اطلاق اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس سے انبیاء و مرسلین خارج ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس سے شیخین کے اس

عموم میں داخل ہونے کا قصد بھی نہیں کیا۔

۵- حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وكأنه انما يفضله في الكرم، فأما في الفضيلة الدينية فمعلوم أن الصديق والفاروق بل و عثمان بن عفان أفضل منه وأما أخوه علي رضي الله عنهم، فالظاهر أنهما متكافئان أو علي أفضل منه، وانما أبوهريرة تفضيلة في الكرام۔ (البدایۃ والنہایۃ ۴/۲۹۲)

ترجمہ: اور گویا کہ وہ (حضرت ابوہریرۃ) انہیں سخاوت میں فضیلت دیتے تھے۔ بہر حال فضیلت دینیہ میں یہ بات یقینی اور مسلم ہے کہ بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں اور پھر ان کے بھائی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان (حضرت جعفر رضی اللہ عنہ) سے افضل ہیں۔

قارئین کرام! اس مندرجہ بالا تحقیق سے واضح ہوگیا کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی فضیلت جود وسخا میں ہے لہٰذا یہ روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہونے پر صحیح نہیں ہے۔ مزید یہ کہ محدثین کرام نے اس حدیث کو عموم پر لاگو نہیں کیا بلکہ اسے فیاضی اور کرم کے ساتھ تخصیص کیا ہے۔ لہٰذا اس قول کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے معارض پیش کرنا صحیح نہیں کیونکہ ہم شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حوالہ جات سے یہ واضح کر آئے ہیں کہ افضلیت ثابت کرنے میں ایک جہت کا ہونا ضروری ہے۔

نیز خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ افضلیت شیخین کریمین کی افضلیت کے قائل ہیں جیسا کہ آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ

كنا معشر أصحاب رسول الله ﷺ ونحن متوافرون نقول أفضل هذه الامة نبيها أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم نسكت۔

ترجمہ: ہم لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ کئی گروہ تھے ہم لوگ کثیر تعداد میں تھے ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سے افضل بعد از نبی کریم ﷺ ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں پھر ہم چپ کر جاتے تھے۔

(مسند الحارث، باب فیما اشترک فیہ ابوبکر وغیرہ من الفضل جلد ۲ ص ۸۸۸ رقم ۹۵۹)

پانچواں قول: غایۃ التبجیل ص 122 وص 123 مترجم پر دعویٰ ہے۔
فضلین (تفضیلیوں) میں سے بعض حضرات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیا ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ اور احباب، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی ان سے افضل نہیں مانتے تھے۔ (بحوالہ الفصل لابن حزم 182/4)

جواب: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو افضل ثابت کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے ابن عبدالبر کے علاوہ کسی نے بھی استدلال نہیں پکڑا۔ اور یہ روایت تفضیلیہ کو بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ کسی نے بھی وسیلہ کی وجہ سے کسی بھی شخص کو افضل نہیں سمجھا۔ افضلیت کادارومدار قریبی وسیلہ پر رکھنا صحیح نہیں ہے۔

۲- مزید یہ کہ اس روایت سے فضل جزی تو ثابت ہو سکتی ہے مگر فضل کلی ثابت نہیں ہوتی۔ تنازع فضل کلی میں ہے۔

۳- یہ بات علماء کرام پر ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضلیت ان کے فقیہ ہونے میں ہے۔ جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد انہیں تمام صحابہ پر فضیلت دیتے تھے تو عرض یہ ہے کہ یہ بات بھی اپنے عموم پر نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے شاگرد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سب سے بڑا فقیہ سمجھتے تھے۔ اس کی مثال کچھ یوں سمجھئے کہ امام اعظم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا دیدار بھی کیا اور ان کا قول کتاب العلل ترمذی میں موجود ہے کہ میں نے عطا بن اَبی رباح سے افضل آدمی نہیں دیکھا۔ تو جناب حضرت عطا بن اَبی رباح تو تابعی ہیں تو تابعی کا مرتبہ صحابی سے کیسے بڑھ گیا؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد انہیں فقہ اور تفقہ میں سب سے افضل سمجھتے تھے لہٰذا فضل جزی کو فضل کلی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضلیت کے قائل ہیں۔ ملاحظہ کریں شرح اصول الاعتقاد للالکائی ص ۱۲۲۸ ج ۲۔

اس مذکورہ بالا قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزہراء سے بھی افضل ہوئے۔ یہ نتیجہ تو کسی کو بھی قبول نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی کسی معتبر عالم نے ایسا عقیدہ رکھا ہے۔

نیز خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قائل تھے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے کہ

اجعلوا امامکم خیرکم فان رسول اللہ ﷺ جعل امامنا خیرنا بعدہ۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر، جلد اص ۲۹۷ ترجمہ ابوبکر صدیق)

ترجمہ: اپنے میں سے بہتر شخص کو امام بناؤ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس کو اپنے بعد بہتر پایا ہمارا امام مقرر فرما دیا۔

نیز اس حدیث موقوف سے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نظریہ ظاہر ہے کہ وہ آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل اور بہتر جانتے تھے۔

چھٹا قول: غایۃ التبجیل ص 123 مترجم پر لکھا ہے:

بعض حضرات نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو فضلیت دی ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہی موقف تھا کہ صحابہ کرام میں سے سب سے افضل ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابن حزم نے کہا۔ ہمیں ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی یہ بات روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فضیلت اور افضل کا ذکر فرمایا تو کہا کہ کون ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے؟ یہ پہلا گھر ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت فرمائی۔

(الفصل فی الملل والنحل 111/4)

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں رقم 918 کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے۔

جواب: سعید ممدوح نے اس روایت کو پیش کر کے ایک علمی خیانت کی ہے کیونکہ صحیح مسلم میں افضلیت مطلق ثابت ہی نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم کی حدیث ملاحظہ کریں:

"ام سلمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھ لے:

اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا فیھا۔

تو اللہ پاک اس سے بہتر اس کو دیتا ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو میں نے کہا کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کونسا مسلمان ہو سکتا ہے؟ پھر میں نے یہ دعا مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مجھے پیغام نکاح دیا۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو بہتر سمجھنا بحیثیت شوہر تھا نہ کہ مطلق

افضل سمجھنا۔ اگر اسی حدیث سے استدلال کرنا ہے تو پھر تو اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ہی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو بہتر سمجھتی تھیں۔ لہٰذا یہ استدلال تو بداہت عقل کے بھی خلاف ہے۔ مزید یہ کہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین کریمین سے بھی افضل سمجھتیں تھیں جو کہ ہرگز ہرگز تفضیلوں کو قبول نہ ہو گی۔ تفضیلیوں کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ظنی ثابت کر کے اپنا مقصد یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو افضل ثابت کرنا ہے۔ تفضیلوں کا مقصد کوئی تحقیق کرنا نہیں بلکہ اس تحقیق کی آڑ میں اپنا ایجنڈہ پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔

اکثر تفضیلیہ عوام الناس کے سامنے لعن طعن سے بچنے کے لیے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل کہتے ہیں۔ افسوس کہ تقیہ کس چیز کا نام ہے؟ ذرا غور کیجئے گا۔

ساتواں قول: غایۃ التبجیل ص 123 اور ص 124 پر لکھا ہے:

فضیلت دینے والوں میں سے بعض حضرات نے طلحہ بن عبید اللہ تمیمی رضی اللہ عنہ (جو عشرہ مبشرہ سے ہیں) کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دی ہے۔ ابن تیمیہ نے اس مذہب کا ذکر اپنی منہاج 74/2 میں کیا ہے اور اسے بعض متقدمین کی جانب منسوب کیا ہے۔

جواب: نامعلوم اور مجہول لوگوں کی سند سے کسی کو افضل ماننا آپ لوگوں کو ہی مبارک ہو۔ قارئین کرام! تفصیلی حضرات ایسے ایسے اقوال ڈھونڈ کر نقل کرتے ہیں جس کا نہ کوئی ماننے والا ہے اور نہ ہی جس قول کو جاننے والا ہے۔

ابن تیمیہ کا پیش کردہ قول بلا سند ہے۔ اگر سند موجود ہو تو سند کی صحت اور متن کی صحت ثابت کریں۔ باب العقائد میں ایسے اقوال کی حیثیت کیا ہے؟ اس کے بعد اصول ترجیحات اور اصول تاویل کے قاعدے اور ضوابط بیان کریں۔

اگر سعید ممدوح اور اس کے ہمنوا یہ دعویٰ کریں کہ ہم تو صرف اختلاف مذاہب نقل کر رہے ہیں تو اس کے جواب میں عرض یہ ہے کہ جناب وہ قول جس کو خود اکابرین صحابہ کرام، تابعین اور سلف صالحین نے نہیں مانا تو پھر اختلاف کیسا؟ ہم کئی ایسے مسائل آپ کے سامنے پیش کر سکتے ہیں جس میں صحابہ کرام اور تابعین نے اختلاف کیا مگر علماء سلف و صالحین نے حق کا ساتھ دیا جیسے اللہ تعالیٰ کا دیدار، شفاعت کا مسئلہ، علم غیب، دوزخ اور جہنم کی پیدائش، معراج جسمانی کا مسئلہ اور اسی طرح

زیارت روضہ رسول ﷺ اور مسئلہ توسل جس میں خیر سے آپ نے بڑی کتاب بھی لکھی ہے، لہٰذا ایسے شاذ اقوال نقل کرنا جس کا کوئی مدعی بھی نہیں ہے اس کو پیش کرنا شر کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

اس باب کے آخر میں شاذ قول کو ڈھونڈ کر پیش کرنے والوں پر علماء کرام کا فتویٰ بھی ملاحظہ کیجئے گا۔

آٹھواں قول: غایۃ التبجیل ص 124 پر لکھا ہے:

''بعض حضرات نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو افضل مانا ہے۔ ابن حزم نے اپنے رسالے ''المفاضلۃ بین الصحابۃ ص 170'' میں لکھا ہے: ہمیں ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ قول روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جاتے وقت تین افراد ایسے تھے جن پر فضیلت میں کوئی فائق نہ تھا۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، اسیر بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ۔ اس حدیث کو حافظ نے الاصابۃ 311/5 میں عباد بن بشر کے باب میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو: الاستیعاب 454/2۔''

جواب: اولاً: یہ قول مختلف کتب حدیث میں موجود ہے۔ اول تو یہ قول عموم پر ہی نہیں ہے۔ بداہت عقلیہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا استثناء کیوں نہیں ہو سکتا جبکہ افضلیت شیخین کریمین پر اجماع اہل سنت ہونا بھی روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔

ثانیاً: اس حدیث مبارک سے مذکورہ بالا تین صحابہ کرام کی فضیلت کا اثبات تو کیا جا سکتا ہے نا کہ افضلیت بھی جو کہ حدیث مبارک سے عیاں ہے۔

ثالثاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود افضلیت شیخین کریمین پر دال حدیث مبارک کی راویہ ہیں ان کو مسئلہ افضلیت میں اہل سنت و جماعت کے اجماع سے الگ تصور کرنا حقائق کے منافی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حدیث مبارک ہے کہ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں تین چاند دیکھے جو کہ میرے حجرے میں اُتر آئے ہیں میں نے اس خواب کی تعبیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمائی آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ اگر یہ خواب سچ ہے تو اے عائشہ آپ کے حجرے میں اھل الأرض میں تین سب سے بہترین (افضل) اشخاص آپ کے حجرے میں مدفون ہوں گے۔ چنانچہ جب

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عائشہ یہ اُن تین چاندوں میں سے ایک ہیں۔ (مستدرک للحاکم، کتاب المغازی والسرایا جلد ۳ ص ۶۲ رقم ۴۴۰۰)

محمود سعید ممدوح کی حدیث مذکور سنداً ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے۔ یہ راوی مدلس ہے اور یہ روایت عن سے کر رہا ہے کیونکہ محمد بن اسحاق طبقہ ثالثہ کے مدلسین میں سے ہے۔ (النکت علی ابن صلاح للحافظ ابن حجر ص ۲۵۸)

امام احمد بن حنبل نے بھی محمد بن اسحاق کو مدلس کہا ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۹۳) لہٰذا طبقہ ثالثہ کے مدلسین کا عنعنہ یعنی وہ روایت جس میں عن سے روایت کرے تو ضعیف ہوتی ہے۔ علامہ ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لئے لکھا۔

ورجاله ثقات الا ابن اسحاق عنعن۔ (مجمع الزوائد ۱۴۹۳۴)

لہٰذا اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ یہ روایت ایک تو اپنے عموم پر نہیں ہے اور مزید یہ کہ یہ حدیث محمد بن اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لہٰذا خاص روایات اور ضعیف اقوال سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو متعارض نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ بالفرض یہ روایت صحیح تسلیم کر بھی لی جائے تو موؤل ہوگی جیسا کہ امام سخاوی، امام قسطلانی اور عجلونی کے حوالہ جات اس ضمن میں سپردِ قرطاس کئے جاچکے ہیں۔

نواں قول: غایۃ التبجیل ص 124 پر لکھا ہے:

"ان حضرات کے مذہب کا بیان جو اہل صفہ کو عشرہ مبشرہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ اس مذہب کو ابن تیمیہ نے الفتاوی 56/11 میں اور مجموع الرسائل 46/1 میں بیان کیا ہے۔"

جواب: ابن تیمیہ اور ان حضرات کے درمیان کون سی سند ہے؟ اور ابن تیمیہ نے کس روایت سے استدلال کیا ہے؟ اس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ کیا یہ حضرات اہل صفہ کو مطلقاً افضل سمجھتے تھے؟ یا کہ جزوی فضیلت کے قائل تھے؟ اگر جزوی فضیلت کے قائل تھے تو ہمارے موقف کے خلاف نہیں ہے اور اگر مطلقاً فضیلت کے قائل تھے تو پھر یہ آپ کے موقف کے بھی خلاف ہے۔ جناب عالی ایسے اقوال کا نہ تو کوئی مدعی موجود ہے اور نہ کوئی قائل۔ لہٰذا ایسے معدوم اور مرجوح مذہب آپ کو ہی مبارک ہوں۔ مزید یہ کہ اللہ کے رسول نے ہمیں شیخین کی اقتداء کرنے کا دیا ہے۔ لہٰذا خود تیسرے قول کے تحت بڑی تفصیل سے کلام ہو چکا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صرف اور صرف سیدنا ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے اور اس قول پر تمام صحابہ کرام کا اجماع صحیح بخاری میں واضح موجود ہے۔ جناب والا اجماع سے قبل اختلاف اور مابعد کا اختلاف اجماع کو مضر نہیں ہوتا ذرا اصول کی کتابوں کو بھی ملاحظہ کریں۔

ہمیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کا بھی دھیان ہے کہ میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا۔ ہمارے موقف کی حقانیت پر تو یہ حدیث کافی و شافی ہے۔ جناب دو مختلف مذہب میں بھی اولیٰ اور غیر اولیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ آپ کی یہ کیسی چال ہے کہ جس کو بھی افضل مان لو تو منظور ہے۔ جناب خیال رکھیں اگر کل کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل کہہ دیا تو آپ کو مشکل پڑ جائے گی۔ لہٰذا باطل تاویلات کے ذریعے اس مسئلے کو گڈ مڈھ کرنے کی کوشش سے اجتناب کریں۔

دسواں قول: غایۃ التبجیل مترجم ص 124 اور ص 125 پر لکھا ہے:

''ان حضرات کا مذہب جو حضرت عباس کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں۔ ابو بکر باقلانی نے کہا: فضیل بن میب کہا کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل عباس ہیں اور وہ آپ کے وارث ہیں یہی آج تک تمام راوندیوں، ابو موسیٰ اصبہانی اور اہل علم کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔'' (مناقب الائمۃ الاربعۃ ص 153)

قاضی عبد الجبار لکھتے ہیں:

''اس قول کو ابن ابی الشلج نے سعید بن میب سے روایت کیا ہے اور ابو عثمان جاحظ نے بھی ان کے متعلق اسی قول کو بیان کیا ہے۔'' (المغنی 20/113)

جواب: امام باقلانی سے لے کر فضیل بن میب تک سند پیش کریں اور ابن ابی الشلج اور ابو عثمان جاحظ کی سند بھی پیش کریں پھر فیصلہ ہوگا کہ سند صحیح ہے کہ قول صرف مشہور ہے بغیر کسی ثبوت کے۔ مزید یہ کہ بدعتی فرقے راوندیوں کا یہ مذہب آپ ہی کو مبارک ہو۔ اور یہ بھی بتائیں کہ قاضی عبد الجبار سنی ہے یا معتزلی؟ جناب قاضی عبد الجبار معتزلی کے حوالے آپ کے لیے حجت ہونگے۔ لہٰذا راوندیوں اور معتزلیوں کے اقوال پر آپ ہی خوش ہوں۔

مزید یہ کہ ذرا یہ بھی پیش کر دیں کہ فضیل بن میب کے قول میں افضلیت جزوی۔ فضیل بن میب کے قول سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ وہ وارث کی حیثیت سے ان کو افضل مانتے ہیں۔ اگر

جزوی فضیلت ہی افضلیت ہے تو پھر تو ہر صحابی دوسرے صحابی سے کسی نہ کسی حیثیت اور جہت میں افضل ہو جائے گا۔

گیارھواں قول: غایۃ التبجیل ص 125 پر لکھا ہے۔

بعض حضرات نے سیدتنا فاطمہ بنت نبی کریم ﷺ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دی ہے کیونکہ وہ نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے جسم اقدس کا حصہ ہیں۔

سعید ممدوح نے ص 125 تا ص 130 تک تقریباً 9 علماء کرام سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کے اقوال نقل کیے ہیں، ان اقوال میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول المعجم الاوسط رقم: 2721، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول المستدرک 3/155 امام مالک کا قول الحاوی 2/294، مرقاۃ المفاتیح، 56295، شیخ ابو سہل محمد بن سلیمان کا قول کتاب الاجابۃ فیما استدرکتہ ص 58، علامہ مناوی کا قول فیض القدیر سے، علامہ عراقی کا حوالہ فیض القدیر 4/424 ہے۔ امام آلوسی کا حوالہ روح المعانی 165/88، علامہ نبھانی کا قول، اور شیخ احمد المقری کا قول فتح المتعال ص 385 سے نقل کیا ہے۔

جواب: ان حوالوں کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ما رایت افضل من فاطمۃ غیر ابیھا بحوالہ المعجم الاوسط رقم: 2721 مرسل ہے۔ کیونکہ اس کے ایک راوی عمرو بن دینار نے حضرت عائشہ سے نہیں سنا۔ لہٰذا یہ سند مرسل ہے۔ احادیث مرسل ماننے کی چند شرائط اصول کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مزید یہ کہ اصول میں یہ بات واضح ہے کہ ترجیح احادیث صحیحہ مرفوعہ اور اجماع اہلسنت و جماعت کو دی جائے گی۔

۲- دوم یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اسی سند سے ایک روایت مسند ابی یعلیٰ رقم: 4700 پر بھی موجود ہے۔ جس کے الفاظ ہیں:

قالت عائشة ما رأيت أحدا قط أصدق من فاطمة غير أبيها۔

معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کے متن میں خود تخصیص ثابت ہے کہ میں نے کسی کو بھی فاطمہ سے بڑھ کر سچا نہیں دیکھا۔ معلوم ہوا کہ افضلیت سچ بولنے میں ہے جو کہ فضل جزوی ہے جبکہ مسئلہ تو افضلیت کلی کا ہے۔

یاد رہے کہ سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود سرکار پاک ﷺ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سیدنا

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت روایت کی ہے۔

(دیکھئے ترمذی حدیث نمبر 3589 اور 3590 باب مناقب ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ)

۳- حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ''اے فاطمہ! اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک کسی کو تم سے زیادہ محبوب نہیں پایا اور اللہ کی قسم تمہارے والد کے بعد لوگوں میں سے کوئی شخص بھی میرے نزدیک تم سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔'' (المستدرک 155/3 رقم:4736) کو حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک رقم:4736 پر غریب عجیب لکھا ہے۔ حافظ ذہبی کا اس حدیث کو عجیب غریب لکھنے پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آحبنا الی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اور تفضیلیہ کے ہاں بھی احبیت، افضلیت کو مستلزم ہے۔ جیسا کہ شیخ محمود سعید ممدوح نے حدیث طیر اور دیگر روایات کے تحت ذکر کیا ہے۔

مزید یہ کہ ایسے اقوال بہت سارے صحابہ کرام کے لیے ثابت ہیں بلکہ ایسے الفاظ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی موجود ہیں۔ عرض یہ ہے کہ ہماری اس بات سے کوئی یہ الزام نکالنے کی کوشش نہ کرے کہ ہم اہل بیت کی فضیلت کے منکر ہیں۔ اور یہ کہ اگر ان روایات سے فضیلت ثابت کرنی ہے تو چشم ما روشن دل ماشاد۔ اور اگر ان روایات سے مسئلہ افضلیت پر استدلال کرنا ہے تو پھر ان روایات کو ضرور پرکھنا ہوگا کیونکہ فضیلت میں تو ضعیف احادیث سے استدلال ہو سکتا ہے مگر مسئلہ افضلیت میں ضعیف احادیث سے استدلال اصول کی روشنی میں غلط ہے۔

۴- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کے ٹکڑے پر کسی کو فضیلت نہیں دیتا'' بحوالہ الحاوی 294/2 ومرقاۃ المفاتیح 56295 سے استدلال افضلیت مطلقاً کرنا غلط ہے۔ کیونکہ امام مالک تو اپنی کتاب المدونۃ الکبری میں شیخین کریمین کی افضلیت کے بارے میں قطعیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور امام الانباسی نے الشذ الفیاح میں امام مالک سے تفضیل شیخین کے بارے میں قطعیت کا قول نقل کیا۔ جناب والا خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وہ حوالہ بھول گئے جو آپ نے غایۃ التبجیل ص 83 اور ص 84 پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ افضلیت میں توقف کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ جناب کیا الاستذکار 20/14، 241/14، 243/14 کے حوالہ جات کو ہضم کر گئے ہیں، میرا سعید ممدوح اور ان

کے حوارئین سے صرف ایک سوال ہے کہ کیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ تفضیل پر توقف کرتے تھے یا کہ نہیں؟ اگر توقف کرتے تھے تو پھر سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا حوالہ کیوں پیش کیا؟ اور اگر وہ مسئلہ تفضیل میں توقف نہیں کرتے بلکہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو افضل سمجھتے تھے تو پھر آپ نے امام مالک کو توقف کرنے والوں کی فہرست میں کیوں شمار کیا؟ جناب آسانی سے جان نہیں چھڑ ت سکتی۔

۴- شیخ ابوالسہل محمد بن سلیمان کی بات بحوالہ الاجابۃ فیما استدرکتہ ص 58 پر کہ وہ حضرت فاطمۃ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے تھے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے تو عرض یہ ہے کہ یہ حوالہ ظاہر کر دیا ہے کہ افضلیت کا قول تقابل کے طور پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ہو رہا ہے تو جناب تقابلی فضیلت سے تو جزوی فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ کہ مطلقاً افضلیت۔ لہٰذا ایسے اقوال سے استدلال کرنا مناسب نہیں ہے۔

۵- علامہ مناوی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے کے تحت جو فرمایا ہے، سہیلی نے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو برا کہا اس نے کفر کیا کیونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو برا کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غضبناک کرنا ہے اور بے شک وہ شیخین سے افضل ہیں۔ (فیض القدیر 421/4) اس قول سے استدلال کرنا غلط اور مردود ہے۔ جناب سعید ممدوح نے جو حوالہ دیا اس کے متصل دو الفاظ وہ چھپا گئے۔ اس کے متصل ہی فیض القدیر ص 420,421 پر علامہ مناوی نے لکھا ہے: قال ابن حجر وفیہ نظر۔ یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس قول میں نظر یعنی گڑھ بڑھ ہے۔

جناب فیض القدیر کا مزید مطالعہ بھی فرما لیتے۔ علامہ مناوی اس قول "ھی أفضل الصحابة حتی شیخین" کے بعد لکھتے ہیں:

و اطلاقه ذلك غير مرضى بل ينبغى ان يقال انها افضل من حيث البغة حتى شيخين"

کے بعد لکھتے ہیں:

و اطلاقه ذلك غير مرضى بل ينبغى أن يقال انها أفضل من حيث البغة الشريفة والصديق افضل بل وبقية الخلفاء أربعة

من حيث المعرفة وجوم العلوم ورفع منار الاسلام، ولبسط ماله من الاحكام على البسيله كمايدل على ذلك بل يصرح به كلام التضاذ انى فى المقاصد حيث قال بعد ماقر ان افضل الائمة المصطفى ﷺ الاربعة ورتبهم على ترتيب الخلافة مانصه۔ (فیض القدیر 107/3 رقم:2868)

مفہوم: اس عبارت سے واضح ہے کہ ایک تو جس نے یہ کہا کہ سیدنا فاطمہ شیخین سے بھی افضل ہیں اس کا رد کیا اور علامہ مناوی نے تشریح کر دی ہے کہ اس روایت میں افضل ہونا صرف نبی کریم ﷺ کے جسم کے ٹکڑے ہونے کی حیثیت سے افضل ہے اور جسم کے ٹکڑے کی حیثیت سے افضل ہونا جزوی فضیلت ہے جو کہ افضلیت مطلقہ کے خلاف نہیں ہے۔

مزید یہ کہ اگر سعید ممدوح مسئلہ افضلیت کا دارومدار جزء جسم نبی کریم ﷺ پر رکھتے ہیں تو پھر یہ بتائیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ میں سب سے افضل کون ہے؟ تو جناب جواب کیا ہوگا؟

جناب عالی ہم بھی سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کے جسم کے ٹکڑا ہونے کی وجہ سے افضل مانتے ہیں۔ ہم نے اس کا انکار کبھی نہیں کیا۔ مگر مسئلہ اس وقت افضلیت مطلقہ کا ہے نہ کہ افضلیت جزوی کا؟ ہم ابتداء میں اس مسئلہ کے بارے میں چند اصول وضع کر آئے ہیں لہٰذا وہاں مطالعہ کریں۔

۵- علامہ عراقی کے قول "سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ بالاتفاق خلفاء اربعہ سے افضل ہیں۔" (فیض القدیر:424/11) اس قول کا جواب شیخ محقق نے تکمیل الایمان میں دیا ہے۔ شیخ محقق لکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ تمام روایتیں نہ تو ہمارے مقصود کے لیے نقصان دہ ہیں اور نہ ہمارے مدعا کے برخلاف ہیں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ ہمارا مقصود یہاں ایک خاص وجہ کی سبب افضلیت سے ہے اور اگر کسی اور وجہ سے مفضولیت ہے بھی تو یہ اس کے منافی نہیں ہے۔ چونکہ مذکورہ فضائل میں کثرت ثواب اور اہل اسلام کو نفع پہنچانے کا معنیٰ نہیں ہے بلکہ یہ نسبی شرف اور ذاتی جوہر کی عظمت کے حوالے سے ہے (لہٰذا کوئی حرج نہیں) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد آپ ﷺ کے مبارک جسم کا جزء ہے اور یہ فضیلت حضرات شیخین کریمین کو حاصل نہیں اور اس حوالے سے

کسی شخص کو توقف اور انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کے باوجود شیخین کریمین کثرت ثواب اور اسلام اور اہل اسلام کے لیے نافع اور زیادہ جلالت و بزرگی عالی ہیں اور یہ ہی وجوہات افضلیت ہیں۔

علامہ عراقی کے اس قول کے بارے میں وضاحت خود علامہ مناوی نے کی ہے۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ عراقی کا یہ قول پسندیدہ نہیں بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ یوں کہا جاتا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جگر گوشہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی وجہ سے افضل ہیں اور خلفاء اربعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے خزانہ علوم جمع کرنے دین کی مدد کرنے، اسلام کے مینار بلند کرنے اور تقویت اسلام کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کی بنا پر افضل ہیں جیسا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی کتاب مقاصد میں یہ کلام اس پر دلالت بالصراحت کر رہا ہے کہ آپ نے خلفاء اربعہ کو جمیع امت میں اپنی ترتیب خلافت کے مطابق افضل ہونے کا اثبات کرنے کے بعد فرمایا۔ ان کے بعد ثابت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔ (شرح انموذج اللبیب قلمی)

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ بھی علامہ عراقی کا جواب کچھ یوں لکھتے ہیں:

"اگر تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی افضلیت اس حیثیت سے مراد لی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کا حصہ ہیں تب تو یہ متحمل ہے۔ اگرچہ علوم کثیرہ، کثرت معارف (دین کے اسرار و رموز کی کثرت سے معرفت) اور دین و امت کی مدد و نصرت کی بنا پر خلفاء اربعہ ہی افضل ہیں۔" (شرح مواہب الدنیہ)

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو علماء کرام نے کوئی احسن طریقہ سے نہیں مانا بلکہ اس قول سے مطلقاً افضلیت کو ماننے والوں پر رد کیا۔ لہٰذا ایسے اقوال ہمارے موقف کے خلاف بھی قطعاً نہیں ہیں۔

۷- علامہ آلوسی کا حوالہ کہ "جسم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ہونے کی حیثیت سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے برابر کوئی نہیں۔" (روح المعانی 165/28) بھی ہمارے موقف کے کوئی خلاف نہیں۔ جسم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ہونے کی حیثیت سے جزوی فضیلت ثابت ہوئی ہے مگر یاد رہے کہ اختلاف تو افضلیت مطلقہ کا ہے۔ لہٰذا ایسے حوالے ہمارے خلاف نقل کرنا کوئی مفید نہیں ہے۔

۸- علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ علقمی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ فیض القدیر 421/4 ہمارے خلاف نہیں۔

مزید یہ کہ علامہ شمس الدین علقمی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب خود علامہ مناوی فیض القدیر 107/3 رقم: 2868 کے تحت دے چکے ہیں۔ علامہ مناوی لکھتے ہیں:

اطلاقه ذلك غير مرضى بل ينبغى ان يقال انها افضل من حيث البغة الشريفة والصديق افضل بل وبيقة الخلفاء الاربعة۔

ترجمہ: یعنی یہ افضلیت کا اطلاق مرضی اور حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ علماء کرام نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن کا ٹکڑا ہونے کی حیثیت سے افضل ہیں اور صدیق اکبر ہی افضل ہیں۔

لہٰذا ایسی مردود تحقیق پیش کرنا باطل اور مردود ہے۔

9- شیخ احمد المتری المالکی کے حوالہ میں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بطور جسم کا حصہ ہونے میں افضل کی تصریح ہے جو کہ فضیلت جزئی ہے جبکہ اختلاف افضلیت مطلق میں ہے۔ لہٰذا ایسے اقوال ہمارے خلاف پیش کرنا بچکانہ حرکت ہے۔

دیگر علماء نے بھی سیدتنا فاطمہ کو عورتوں میں سب سے افضل کہا ہے اور وہ بھی تمام عورتوں سے نہیں۔ مزید یہ کہ ایسے حوالے جہاں بھی پیش ہوں وہ عورتوں میں افضل ہونے کے بارے میں ہیں اور یہ فضیلت بھی جزوی فضیلت ہوگی۔

اھم نکتہ: جناب ظہور احمد فیضی صاحب اپنی کتاب شرح خصائص علی رضی اللہ عنہ ص 648 پر تمام حوالہ جات دے کر لکھتے ہیں "اس تمام تر تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دلائل شرعیہ کی رو سے دنیا و آخرت میں سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا مطلقاً تمام خواتین کی سیدہ ہیں اور ان سب سے افضل ہیں۔ ظہور احمد فیضی کے اس قول سے واضح ہوا کہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء کی افضلیت عورتوں میں ہے جو کہ افضلیت جزوی ہے۔

اب عرض یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث اور مروی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هي أفضل بناتي أصيبت في۔

ترجمہ: وہ میری افضل بیٹی ہیں (حضرت زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہیں میری وجہ سے تکلیف پہنچائی گئی۔ (تحفۃ الاخیار رقم: 876399 ص 94)

اب سوال پیدا یہ ہوا کہ جسم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ہونے میں سیدہ فاطمۃ کی تخصیص کیوں؟ آخر دیگر

تین صاجزادیاں بھی تو موجود تھیں اور آپ ﷺ کا خون تھیں۔

اس سوال کا جواب جناب ظہور احمد فیضی صاحب شرح خصائص علی ص 644 پر کچھ یوں دیتے ہیں کہ یقیناً باقی صاجزادیاں بھی حضور اکرم ﷺ کے جسم اقدس کا حصہ تھیں لیکن ان کے حق میں ایسا ارشاد صادر نہیں ہوا۔ آگے فیضی صاحب لکھتے ہیں لہٰذا بنات رسول اللہ ﷺ ہونے کے لحاظ سے ان کی بالکل اسی طرح فضیلت ہے جیسی کہ سیدتنا فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ تاہم زبان نبوت سے خصوصاً سیدتنا فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے حق میں فاطمہ کے لفظ کا صدور ان کی مخصوص فضیلت پر ضرور دلالت کرتا ہے۔ آگے لکھتے ہیں۔ تاہم علماء کرام کی عبارت سے معلوم ہوا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مقام صبر و رضا کے باعث انہیں اپنی بہنوں پر فضیلت حاصل ہے۔ ظہور فیضی صاحب اس مسئلہ کا حل امام لحاوی کے قول سے کچھ یوں نکالنے کی کوشش کرتے ہیں "علماء کرام کے مطابق یہ بہت پہلے کی بات ہے (یعنی نبی کریم ﷺ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو افضل کہنا) جبکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابھی چھوٹی تھیں بعد میں جب ان کے زہد، صبر و استقامت، عبادت و ریاضت اور اعلیٰ سیرت کے احوال نمایاں ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں (بشمول بنات نبوی ﷺ) تمام خواتین جہاں، کی سیادت کا مژدہ جانفزا سنایا۔ (شرح خصائص علی ص 646)

ظہور احمد فیضی صاحب کے اس قول سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہنوں میں فضیلت ان کے زہد صبر و استقامت اور عبادت و ریاضت کی وجہ سے ملی۔ تو پھر جناب نبی ﷺ کے جسم کا حصہ ہونے کی وجہ سے افضلیت کا دعویٰ تو آپ کی اپنی تصریحات کی وجہ سے غلط ثابت ہو گیا ہے۔ ذرا غور فرمائیں۔

نوٹ: اگر شیخ محمود سعید ممدوح اور فیضی صاحب کے وہ حوالہ جات کو مطلقاً افضل مان لیں تو پھر تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہو جاتی ہیں اور مزید یہ کہ اگر نبی ﷺ کے جسم کا حصہ ہونے سے افضلیت مطلقہ کا حل ہوتا ہے تو پھر تمام سید حضرت شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے تو کیا صحابہ کرام سے بھی افضل ٹھہرتے ہیں۔ جناب ذرا غور کیجئے۔ دیکھ تیرا دھیان کدھر ہے۔

شاذ اقوال پیش کرنے کے بارے میں علماء کرام کا فیصلہ

1- امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس شخص نے علماء کے نادر مسائل کو لیا وہ اسلام سے نکل

گیا۔ (سیر الاعلام النبلائی 125/7)

2- امام سلیمان یتمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر تو ہر عالم کی رخصت کو لینے لگے تمہارے اندر شر جمع ہوجائے۔ (الجعدیات 595/1)

3- ابراھیم بن ابوعلیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے علماء کے شاذ مسائل حاصل کیے اس نے بہت بڑے شر کو اٹھایا۔ (شرح علل ترمذی 410/1)

4- معاویۃ بن قرۃ نے فرمایا۔ تم شاذ علم سے بچو۔ (جامع بیان العلم 2-90-91)

5- قاضی اسماعیل بن اسحاق نے فرمایا۔ ''میں خلیفہ معتضد کے پاس آیا تو اس نے مجھے ایک کتاب دی جب میں نے اسے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں علماء کی لغزشوں کو ہر ایک کے دلائل کو جمع کیا گیا ہے تو میں نے کہا اے امیر المومنین! اس کتاب کا مصنف تو زندیق ہے تو معتضد خلیفہ نے کہا'' کیا یہ احادیث صحیح نہیں ہیں؟ میں نے کہا احادیث تو ایسے ہی ہیں جیسے انہیں روایت کیا گیا لیکن جو عالم مسکر یعنی نبیذ کو صباح قرار دیتا ہے وہ متعہ کو مباح نہیں سمجھتا اور جو متعہ کی اباحت کا قائل ہے وہ غنا (گانا) اور مسکر کو حلال نہیں سمجھتا اور ہر عالم کی کوئی نہ کوئی لغزش ہوتی ہے اور جس شخص نے علماء کی لغزشوں کو جمع کرم کے ان کو اپنا لیا تو اس کا دین ضائع و برباد ہوگیا۔ چنانچہ خلیفہ معتضد نے حکم دیا اور اس کتاب کو جلا دیا گیا۔

(سنن الکبری 211/10)

6- امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام یحیٰی بن قطان سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی انسان ان تمام رخصتوں اور گنجائشوں کی پیروی کرنے لگ جائے جو احادیث میں آئی ہیں تو وہ اس کی وجہ سے ضرور فاسق بن جائے گا۔ (العلل 219/1)

7- یحیٰی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر کوئی شخص ہر رخصت پر عمل کرنا شروع کر دے مثلاً سماع میں اہل مدینہ کا قول لے لے، نبیذ کے بارے میں اہل کوفہ کے قول پر عمل کرے اور متعہ کے متعلق مکہ والوں کی بات پر عمل کرے تو وہ ضرور فاسق ہوجائے گا۔

(المسودۃ ابن یتمیہ ص 518)

8- عبدالرزاق نے معمر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص غناء (گانا) سننے میں اور عورتوں کے پچھلی جانب سے جماع کرنے میں اہل مدینہ کا قول لے اور متعہ اور بیع کے

متعلق اہل مکہ کا قول لے اور مسکر (نبیذ) کے بارے میں کوفہ والوں کا قول لے تو وہ اللہ کے بندوں میں سب سے برا ہے۔ (التلخیص الحبیر 187/3)

9- امام ابو بکر الاجری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "پس اگر کوئی شخص شطرنج کھیلنے کی رخصت ہونے میں دلیل پیش کرتے ہوئے یہ کہے کہ وہ لوگ جو علم سے وابستہ ہیں انہوں نے شطرنج کھیلا ہے؟ تو اسے کہا جائے گا کہ یہ تو ان لوگوں کا استدلال ہے جو اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں اور علم کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ جن بعض علماء سے لغزش ہوئی ہے تو یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کی اس لغزش کی پیروی کی جائے ہمیں اس سے روکا گیا ہے اور علماء کی لغزشوں کی پیروی سے ہمیں ڈرایا گیا ہے۔ (تحریم النبر دو الشطرنج والملاہی ص 170)

10- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ تین چیزیں گمراہ کرنے والی ہیں۔ گمراہ کرنے والے امام، منافق کا قرآن کے ذریعے جنگ وجدل کرنا اور عالم کی لغزش۔ (تحریم النبر دص 170)

11- امام ابوالحسن الکرابیسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر کوئی کہنے والا کہے "یہ لوگ اہل علم میں شمار ہوتے ہیں تو اسے کہا جائے گا کہ ایک عالم کی لغزش اسلام کو منہدم اور گرا دیتی ہے لیکن ہزار جاہلوں کی لغزشیں اسلام کو منہدم نہیں کرتیں۔ (طبقات الکبریٰ الشافعی للسبکی 125/2)

12- ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حکماء نے عالم کی لغزش اور غلطی کو کشتی کے ڈوبنے سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جب کشتی ڈوبے گی تو اس کے ساتھ بہت سے لوگ بھی ڈوبیں گے۔
(جامع البیان والعلم 111/2)

13- یزید بن عمیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ آپ پر رحم کرے مجھے کیسے ہو گا کہ حکیم گمراہی کی بات کہہ رہا ہے اور منافق حق کی بات بول رہا ہے؟

تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حکیم کے کلام میں سے جو مشبہات ہیں جن کے متعلق تم کہو یہ کیا ہیں؟ ان سے بچو لیکن یہ چیز تمہیں اس سے دور کرنے کا سبب نہ بنے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مراجعت کرے اور حق بات سننے پر اس تک پہنچ جائے کیونکہ حق بات کے ساتھ ایک نور اور روشنی ہوتی ہے۔ یعنی کتاب سنت اجماع یا قیاس کی اس پر کچھ نہ کچھ دلالت اور رہنمائی موجود ہوتی ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بتا دیا کہ دانا شخص کی کچی بات کو لازم نہیں قرار دیتی کہ اس سے اعراض کیا جائے بلکہ اس کی صرف وہ بات چھوڑ دی

جائے گی جس پر نور نہیں ہے کیونکہ حق پر نور ہوتا ہے یعنی کتاب سنت یا قیاس کی اس پر کچھ دلالت موجود ہوتی ہے۔

(سنن ابی داؤد کتاب السنۃ 5/186 رقم 4596، المعرفہ والتاریخ 2/231، بیہقی المدخل ص 444، جامع البیان 2/111)

اس مندرجہ بالا تحقیق سے واضح ہوگیا کہ علماء کے شاذ اقوال سے استدلال کرنا باطل اور مردود ہے اور علماء کرام کی ہر بات نہ قبول ہوئی ہے اور نہ ہر بات رد کر دی جاتی ہے۔ لہٰذا شاذ اقوال چھوڑ کر صحیح رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ یہاں ایک دلچسپ بات عرض کردوں کہ مسئلہ افضلیت کے بڑے پرجوش حامی ایک شاہ صاحب سے اکثر اس موضوع پر گفتگو رہی ہے۔ اگر آپ التمہید ابوشکور سالمی سے مسئلہ افضلیت حوالہ دیں تو وہ اس کتاب سے کوئی دوسرے موضوع پر شاذ حوالہ پیش کر دیتے، امام اشعری کی کتاب مقالات اسلامین سے مسئلہ افضلیت پر حوالہ پیش کر دو تو کہتے تھے کہ امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ تو عورتوں کی نبوت کے قائل ہیں۔ اگر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر حوالہ پیش کر دیں تو جواب دیتے کہ مکتوبات میں گڑھ بڑھ ہوتی ہے۔ ان کے طریقے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مسئلہ تفضیل کے حامیوں کے پاس کافی شاذ اقوال موجود ہیں اور یہ اقوال سن کر ایک عام آدمی تو کیا اچھا بھلا پڑھا لکھا شخص اضطراب کا شکار ہوجاتا ہے اور اگر اس موضوع پر اضطراب کا شکار کوئی شخص ہوگیا تو اس کے بھٹکنے میں پھر زیادہ وقت نہیں لگتا۔ لہٰذا بزرگوں کے عقیدوں پر عمل کرنا ہی منارہ نور اور رشد و ہدایت کا قرینہ ہے۔ اگر کوئی شاذ اقوال مل بھی جائیں تو اس سے ہمارے موقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

بارھواں قول: غایۃ التبجیل ص 131 پر لکھا ہے:

"ان حضرات کا مذہب جو اہل کسا رضی اللہ عنہ (پنج تن پاک) کو سب پر مقدم مانتے ہیں۔"

پھر سعید ممدوح نے ص 131 حاشیہ تا ص 138 تک ان کی فضیلت پر اقوال نقل کیے ہیں۔

جواب: اہل کسا رضی اللہ عنہم کے بارے میں پہلے مسلمہ شخصیت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی سن لیں۔

i- علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ شرف المؤبد ص 45 پر لکھتے ہیں۔ "میں کہتا ہوں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب میں ان لوگوں کو کس طرح داخل کر سکتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے داخل نہیں فرمایا اور یہ دلیل خاص اس امر پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ بے شک اس آیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ آل عبا مراد ہیں۔" علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ مزید صفحہ 47 پر لکھتے ہیں: "حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا

کی اس روایت میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل میں لفظ ہاں ذکر کیا ہے۔ یعنی میں (ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا) نے کہا یا رسول اللہ میں بھی ان میں سے ہوں، تو آپ نے فرمایا، ہاں کیوں نہیں۔ مقریزی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے کہ "میں نے (ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا) نے کہا، کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ پھر علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ دونوں روایتیں آیت کریمہ کے سابقوں لاحقوں سمیت اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ازواج مطہرات اس کی مراد میں داخل ہیں اور اسی وقت فریقین (اہل کسائ) کو شامل ہو گئی تھی. جیسا کہ جمہور مفسرین کا مذہب ہے۔

ii- شیخ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اس مسئلہ میں فرماتے ہیں۔ بعض فضیلت ایسی ہوتی ہے کہ وہ تبعاً ہوتی ہے۔ ذاتی نہیں ہوتی جیسے فضیلت حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی سب اطفال پر ہے اور فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاجزادیوں کی اور ازواج مطہرات کی باقی سب عورتوں پر ہے اور فضیلت بنی ہاشم کی باقی سب قبائل پر ہے۔ اسم قسم کی تفصیل میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ (فتاوی عزیزی ص 384)

شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جسم کا ٹکڑا ہونے اور اہل بیت ہونے کی حیثیت سے افضلیت ملنا ہمارے دعویٰ افضلیت مطلقا کے بالکل خلاف نہیں ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب مزید لکھتے ہیں:

"سیادت فضل کے علاوہ ہے اس واسطے کہ کسی شخص کی سیادت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس شخص میں کسی وجہ سے شرف ہے اصالتاً ہو یا تبعاً ہو امت کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اس شرف کی وجہ سے جو ان میں ہے سعادت ہیں ہر فضل جزائے عمل پر موقوف نہیں اور ہر امارت موقوف فضل نہیں۔" (فتاوی عزیزی ص 372)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اس مسئلہ کو کھول کر واضح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب فضیلت کے بارے میں گفتگو ہو تو ایسا سوال نامناسب نہیں کہ عام طور پر ایک طرح کی دو چیزیں ہوں۔ ان کے بارے میں استفسار کیا جائے کہ ان دو چیزوں میں کون سی چیز افضل ہے۔"

اس واسطے کہ ایک چیز کی فضیلت دوسری چیز پر صرف اسی صورت میں متحقق ہو سکتی ہے کہ

ان دونوں چیزوں کی فضیلت کسی وجہ سے ہو اور وہ وجہ کسی ایک چیز میں زیادہ اور دوسری چیز میں کم ہو۔ اگر ان دونوں چیزوں کی فضیلت دو وجہوں سے ہو تو ایسی دونوں چیزوں میں ایک کو دوسرے سے افضل نہیں کہہ سکتے۔ اس واسطے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں چیزوں میں کون افضل نہیں کہہ سکتے۔ اس واسطے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں چیزوں میں کون افضل ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز میں وصف زیادہ ہے کہ اس وصف میں یہ دونوں مشترک ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رمضان افضل ہے یا حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی افضل ہے اور ایسا یہ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کہ کعبہ شریف افضل ہے یا نماز افضل ہے۔ البتہ استفسار کر سکتے ہیں کہ مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ افضل ہے۔ رمضان شریف افضل ہے یا ذی الحجۃ افضل ہے۔ نماز افضل ہے یا زکوٰۃ افضل ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ افضل ہے یا آنحضرت کی غصباء (ناقہ اونٹنی) افضل ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ کلام بے محل ہے کہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہیں یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں اس واسطے کہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت عمل کی بنا پر نہیں بلکہ ایک خاص خصوصیت کی وجہ سے ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص 370،371)

اس حوالہ سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی عبارت افضلیت کے مسئلہ میں پیش کرنا بے محل ہے۔ باقی نتیجہ ہم قارئین کرام پر ہی چھوڑتے ہیں۔ مزید بھی عرض کر دیں کہ یہ فیصلہ کیسے اور کس بنیاد پر ہوگا کہ اہل کساء میں کون افضل ہوگا۔ ان کی افضلیت کا تعین کیسے ہوگا۔ کیونکہ سعید ممدوح نے خود ایسی عبارتیں گزشتہ صفحات پر نقل کیں ہیں کہ اس سے افضلیت فاطمہ رضی اللہ عنہا نکلتی ہے اور کچھ ایسی عبارتیں ہیں کہ جو حسنین کریمین کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں اور سعید ممدوح خود بھی مسئلہ افضلیت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی طرف مائل ہے اور اسی طرح سنیوں کی صفوں میں مائل بہ تشیع مبلغ تفضیلیت جناب ظہور احمد فیضی صاحب مصنف شرح خصائص علی بھی مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں تو جناب اہل کساء میں آپ افضلیت کس بنیاد پر وضع کرینگے اور جو وجہ آپ بیان کریں گے وہ خارجی دلیل ہوگی نہ کہ آیت تطہیر۔ تو معلوم ہوا کہ اہل کساء کی فضیلت بھی دلائل خارجی کے ساتھ متعین ہوئے نہ کہ وہ مطلق اس آیت سے کیونکہ پھر تو سب برابر ہوئے اور مزید یہ کہ اس آیت سے اہل بیت کی افضلیت مراد لی جائے تو آج کل کا ایک سید تو یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ اہل بیت ہے لہٰذا وہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جبکہ باقی تمام صحابہ سے بھی افضل ہے۔ جناب آپ جو عبارات پیش کر رہے ہیں

اس پر تو آپ کا اپنا عمل نہیں ہے ہمارے خلاف کیسے پیش کر رہے ہیں۔ ذرا ہوش سنبھالیں۔

تیرھواں قول: غایۃ التبجیل ص 139 پر لکھا ہے۔

بعض علماء نے امہات المومنین کو تمام پر فضیلت دی ہے۔ ابن حزم نے اپنے رسالہ المفاضلہ بین الصحابۃ میں اسی قول کو غالب قرار دیا ہے۔

جواب: عرض یہ ہے کہ اس قول کو پیش کرنا اصول کے خلاف کیونکہ ایسے اقوال مردود اور شاذ ہوتے ہیں۔ محقق وہ ہوتا ہے کہ جو مختلف اقوال میں صحیح اور اقرب الی الصواب قول کی نشاندہی کرے اور باقی اقوال کو رد کردے۔ سعید ممدوح ایسے اقوال سے صرف اور صرف مسئلہ افضلیت کو ظنی اور مشکوک ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے جبکہ ایسے اقوال کو امت میں کسی نے بھی قبولیت کا درجہ نہیں دیا۔

مزید یہ کہ اسی قول کے حاشیہ میں سعید ممدوح نے ابن حزم کے اس قول کو اپنے شیخ المشائخ سید علوی بن طاہر حسینی شافعی کی کتاب القول الفصل فی ما لبنی ہاشم والعرب من الفضل، اپنے شیخ علامہ سید عبدالعزیز بن صدیق الغماری کی کتاب الوقایۃ المانعۃ ص 7-9 اور شیخ سید عبداللہ بن صدیق الغماری کی کتاب البرہان الجلی فی تحقیق انتساب الصوفیہ الی الامام علی ص 87,88 کے حوالوں سے سختی سے رد نقل کیا ہے۔

جناب جب خود آپ کے شیخ اور مشائخ ایسے اقوال کو مردود کہتے ہیں تو پھر ہمارے مقابلے میں پیش کرنا علمی خیانت ہے۔ میں یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ قول صحیح اور قول شاذ کو گڈ مڈ کر کے عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ عوام الناس کے سامنے تمام اقوال نقل کر دیئے جائیں تا کہ وہ خود نتیجہ اخذ کرسکیں تو جناب یہ سوچ آپ کو بڑی بھاری پڑے گی۔ انہی اقوالوں میں سے اگر کوئی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول اٹھا کر یہ اعلان کر دے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اہل بیت سے افضل مانتا ہوں یا پھر کوئی راوندیوں کی تقلید کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مولا علی رضی اللہ عنہ سے افضل کہنے کا دعویٰ کر بیٹھے تو سر پکڑ کر بیٹھ جائیں گے اور فٹ سے جناب کی طرف سے ناصبی ہونے کا فتویٰ دھر دیا جائے گا۔ جیسا کہ سعید ممدوح نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بارے میں اظہار کیا ہے اللہ تیری ناک خاک آلود کرے تو اپنی حیثیت تو دیکھ کر شاہ ولی اللہ دہلوی پر ناصبیت کا الزام لگائے کچھ تو شرم آنی چاہیے

اور افسوس تو ان لوگوں پر ہوتا ہے کہ جنہوں نے غایۃ التبجیل کا ترجمہ کرتے ہوئے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ مناسب نہیں لگتا وگرنہ غایۃ التبجیل کو سراہنے والے بڑے نامور علماء کرام شامل ہیں۔

چودھواں قول: غایۃ التبجیل 1140,14 پر لکھا ہے:

اور عجیب ترین مذہب ہے، سیر اعلام النبلاء میں ہے۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے سیرت فاروقی لکھ کر آخر میں لکھا:

''اگر آپ اپنے زمانے میں اپنے عمال کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار فرمائیں گے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اپنے عمال کے ساتھ اختیار فرمایا تھا تو آپ اللہ کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہوں گے۔'' (سیر اعلام النبلاء 127/5)

آگے ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ انتہائی عجیب بات ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے کیسے افضل ہو جائیں گے؟

جواب: خود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل مترجم ص 141 پر اس قول پر علامہ ذہبی کا رد لکھ کر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو صحیح کہا ہے۔ مگر سعید ممدوح اس سے آگے لکھتا ہے:

''لیکن قابل غور بات اثبات مذہب ہے۔''

قارئین کرام! آپ نے خود سعید ممدوح کی تحریریں دیکھیں۔ اسی مذہب کو غلط بھی کہا اور پھر اس کو اثبات مذہب بھی لکھا۔ جناب عالی! جب کوئی شخص کسی قول اور مذہب کو خود غلط لکھے جو کہ شاذ بھی ہے اور پھر اس قول کو اثبات مذہب کے نام پر پیش بھی کرے۔ ایسے شخص کو محدثین نے شر پھیلانے والا کہا ہے۔ جس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے مگر فی الحال ایک حوالے پر اکتفا کریں۔

i- امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے علماء کے نادر مسائل کو لیا وہ اسلام سے نکل گیا۔ (سیر اعلام النبلاء 125/7)

ii- حضرت ابراہیم بن ابو جبلۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے علماء کے شاذ مسائل حاصل کیے اس نے بہت بڑے شر کو اٹھایا۔ (شرح علل ترمذی 410/1)

لہٰذا علماء کرام کی تحقیق میں علماء کے شاذ اور مرجوح اقوال کو اٹھانے والا اسلام سے خارج اور شر کو اٹھانے والا ہے جبکہ سعید ممدوح خود متعدد مقامات پر ان مذاہب کو خطا اور غلط لکھتا ہے۔ جناب نے اثبات مذاہب کے لیے نہیں بلکہ عوام الناس کو گمراہی کے راستے پر ڈالنے کی

کوشش ہے۔

نکتہ: مختلف مذاہب یا ایک مسئلہ میں اختلاف ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ مگر تلاش ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اور عمل بھی حق پر ہوتا ہے جبکہ فتویٰ بھی حق پر ہوتا ہے۔ اگر اختلاف مذاہب پیش کرنا مقصود ہے تو جناب یہ بھی عرض کر دیں کہ ان مذاہب کو مانا کس نے ہے؟ اور کس نے عمل کیا ہے؟ اور یہ بات واضح ہے کہ ایسے اقوال جو کہ شاذ اور نادر ہو اور پھر وہ معدوم ہو کر مرجوح ہو تو اسے اختلاف پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے۔ او اور یہ اختلاف اصول کی روشنی میں غلط ہے۔ مثال کے طور پر قطعی دلیل کا اختلاف ظنی دلیل کے ساتھ کرنا بے وقوفی ہے۔ اسی طرح مرفوع کا موقوف، صحیح کا ضعیف حدیث کے ساتھ اختلاف نقل کرنا ہی غلط ہے۔ لہٰذا شاذ مذہب کا تقابل راجح اور مشہور مذہب کے ساتھ کرنا بھی گمراہی ہے۔ ذرا غور کریں۔

مزید عرض یہ ہے کہ حضرت سالم کی بات کو غلط انداز میں پیش کیا گیا ہے اور جس کا رد خود علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے۔ کیونکہ غیر صحابی کسی صحابی سے افضل نہیں ہو سکتا جس کے بارے میں تحقیق ملاحظہ کریں۔

۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لا تسبوا أصحابي فلو ان أحد كم أنفق مثل أحد ذهبا مابلغ مد أحدهم ولا نصيفه۔

ترجمہ: یعنی میرے صحابہ کو برا نہ کہو تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک مد (۴۲۵ گرام) صدقہ کیے ہوئے بلکہ اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (صحیح بخاری: ۳۶۷۳، صحیح مسلم: ۶۵۴۱)

۲- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا تسبوا أصحاب محمد ﷺ فلمقام احدهم ساعة يعنى مع رسول الله خير من عمل احد كم عمره۔

ترجمہ: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی ایک گھڑی تمہاری زندگی بھر کے اعمال سے بہتر ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۶، فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۲، السنۃ لابن ابی عاصم جلد ۲ صفحہ ۴۸۴، اصول اہل السنہ

ج ۷ ص ۱۲۴۹)

۳- صحابی رسول حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:

لمشهد رجل منهم مع رسول الله ﷺ يغبر فيه وجهه خير من عمل احد كم عمره ولو عمر عمر نوح۔

ترجمہ: یعنی کسی صحابی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کرنا، جس میں اس کا چہرہ خاک آلودہ ہوگیا ہو، تمہارے زندگی بھر کے اعمال سے افضل ہے اگر عمر نوح بھی دے دی جائے۔ (سنن ابی داود ج ۴ ص ۴۴ ۳، مسند امام احمد ج ا ص ۱۸۷)

۴- حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں معاویہ کے گھوڑے کی ناک کی غبار عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے ربنا لک الحمد کہا اس کے بعد اور بڑا افضل اور شرف کیا ہوگا۔''

(الشریعہ للاجری ج ۵ ص ۲۴۶۶، البدایہ ج ا ص ۱۳۹)

۵- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ۔ انھوں نے جواب دیا۔

معاوية أفضل لسنا نقيس بأصحاب رسول الله أحدا۔

ترجمہ: یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں ہم صحابہ جیسا کسی کو بھی تصور نہیں کرتے۔

(السنۃ للخلال ص: ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۷۷)

۶- امام معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان فرق کیا ہے؟ راوی کا بیان ہے کہ

فرأيته غضب غضبا شديدا وقال لا يقاس باصحاب محمد ﷺ۔

ترجمہ: میں نے انھیں دیکھا وہ شدید غضبناک ہوئے اور فرمایا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے مقابلے میں کسی کو قیاس نہی کیا جائے۔

(الشریعۃ للآجری ج ۵ ص ۲۴۶۷، شرح اصول الاعتقاد ج ۸ ص ۱۴۴۵، تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۲۰۸)

۷۔ عظیم صوفی حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں خود سن رہا تھا، امام معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ؟ انھوں نے جواب دیا کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جیسے چھے سو لوگوں سے بھی افضل ہیں۔ (السنۃ للخلال ص ۳۴۵)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ واضح ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کو وہ عظمت اور فضیلت حاصل ہے جو بڑے بڑے زاہدین اور عابدین کو حاصل نہیں ہے۔ان حوالہ جات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس امت کے سلف و صالحین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا مقابلہ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہیں کرتے تھے۔ چہ جائیکہ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا مقابلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کیا جائے۔لہٰذا شیخ ممدوح کا ڈھونڈ کر شاذ اقوال اکھٹے کرنا اس کو مفید نہیں کیونکہ تحقیق کے میدان میں ایسے اقوال کی حیثیت مسلمہ نہیں ہے۔

پندرھواں قول: غایۃ التبجیل ص 141 پر لکھا ہے۔

"بعض حضرات نے امام مہدی کو افضل قرار دیا ہے۔ امام سیوطی اپنے رسالہ العرف الوردی فی اخبار المہدی جو الحاوی للفتاوی 153/2) میں شامل ہے...... تاہم ابن ابی شیبۃ نے المصنف (باب المہدی) میں ابن سیرین کا قول بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: "اس امت میں ایک عظیم الشان خلیفہ ہوگا جس پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فضیلت نہیں دی جائے گی۔ میں (سیوطی) کہتا ہوں اس روایت کی سند صحیح ہے اور یہ الفاظ پہلے الفاظ سے زیادہ خفیف ہیں۔

جواب: سیوطی نے خود ان احادیث کی تاویل کی ہے اوامام مہدی کی افضلیت کے موقف کو رد کر دیا ہے۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان خود ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 142 پر لکھا کہ "اس تفصیل سے مراد کثرت ثواب اور اللہ کے ہاں رفعت منزل نہیں ہے کیونکہ احادیث صحیحہ اور اجماع اس پر ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما انبیاء و مرسلین کے بعد افضل الخلق ہیں" ۔مگر علامہ سیوطی کا کلام سعی شیخ سعید ممدوح کو کچھ زیادہ پسند نہ آیا اور اس کے جواب میں لکھتا ہے۔ "بندہ ضعیف (سعید ممدوح) کا کہنا ہے۔اجماع کے دعوؤں کے بل بوتے پر اور موہومی قواعد کی بنیاد پر تاویلیں کرنا اچھی بات نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ پر اثبات افضلیت مہدی کا مقصد محمد بن سیرین کا قول ہے۔"

جناب غرض یہ ہے کہ جہاں اپنے مقصد کی بات آئے تو وہاں تاویل کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں

اور جہاں اپنے مقصد پر حرف آئے تو تاویلوں پر تاویل کرتے ہیں جیسا کہ سعید ممدوح نے شیخین کی افضلیت کی احادیث جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے درے لگانے اور شیخین کی افضلیت کے بارے میں کیا ہے۔ اللہ آپ کو اس کی جزا دے۔

مزید یہ کہ اس حدیث کی تاویل علامہ سیوطی نے ہی نہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور سید شریف برزنجی بحوالہ الاشاعۃ ص 238 اور علامہ مناوی نے التیسیر بشرح الجامع الصغیر نے 887/2 حرف المیم کے تحت کی ہے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال المؤلف وابن حجر رحمۃ اللہ علیہ هذا امما يجب تاويله وليس مراد هذا التفضيل الراجع الى زيادة الثواب و الرفعة عندالله تعالىٰ فالأحاديث الصحيحة والاجماع على أن أبابكر و عمر أفضل الخلق بعد النبين و المرسلين بل قال ابن حجران بقية الصحابة افضل منه والله اعلم قال في المطالع حكى أنه يكون في هذه الأمة خليفة لا يفضل عليه أبوبكر۔ (التیسیر بشرح الجامع الصغیر 887/2)

ترجمہ: یعنی میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا کوکب دری کی مانند۔ مولف اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسکی تاویل کرنا واجب ہے۔ اور وہ یہ کہ یہاں وہ تفضیل مراد نہیں جس سے مراد کثرت ثواب اور اللہ کے نزدیک بلندی ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ اور اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انبیاء المرسلین کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے شک باقی صحابہ بھی امام مہدی سے افضل ہیں۔ واللہ اعلم۔ فرمایا ہے کہ مطالع میں یہ حکایت نقل کی گئی ہے کہ اس امت میں ایسا خلیفہ ہوگا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی ان پر فضیلت نہیں ہوگی۔ (لیکن اس فضیلت سے مراد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی اور کثرت ثواب نہیں ہے۔)

مزید یہ ہے کہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول اثر مقطوع ہے۔ بھلا اس مقطوع روایت کا احادیث مرفوعہ سے کیسے تقابل ہو سکتا ہے؟ اثر مقطوع تو باب عقائد اور اصول الدین میں حجت ہی نہیں ہے۔ مزید یہ کہ ایک طرف محمد بن سیرین کا مقطوع اثر اور دوسری طرف احادیث مرفوعہ اور سیدنا عم

رضی اللہ عنہ کا اثر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا افضلیت پر قول۔محمود سعید ممدوح کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ جس قول کو علماء کرام اور امت تسلیم نہ کرے تو اسے شاذ قول کہتے ہیں اور ایسے شاذ اقوال کو نقل کرنا محدثین کے نزدیک شر پھیلانا ہے۔

مزید یہ کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں کوئی تقابل نہیں تو پھر امام مہدی اور شیخین کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے۔اے سعید ممدوح! کیا تجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد نہ رہا کہ جس میں انہوں نے اپنے صحابہ کرام کو سب سے بہتر کہا۔اے ظالم! کم از کم صحابیت کا تو خیال کر لیا ہوتا۔عوام الناس کو محمد بن سیرین کے حوالے سے بہکانا تجھے مفید نہیں ہے۔لہٰذا اپنے طور طریقے پر غور کر اور ایسے شاذ اقوال سے مذہب ثابت کرنا تجھے ہی قبول ہو۔

مزید یہ کہ ایک طرف حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مگر دوسری طرف آقا کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لا تسبوا أصحابي فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه۔

ترجمہ: یعنی میرے صحابہ کو برا نہ کہو تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک مد (۴۲۵ گرام) صدقہ کئے ہوئے بلکہ اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(صحیح بخاری: ۳۶۷۳، صحیح مسلم: ۶۵۴۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا تسبوا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلمقام أحدهم ساعة يعني مع رسول الله خير من عمل احدكم عمره۔

ترجمہ: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی ایک

ممدوح اور ان کے ساتھیوں کو ہی مبارک ہوں۔

سولھواں قول: غایۃ التبجیل ص 143 پر لکھا ہے:

''ان حضرات کا ہے جو چاروں خلفاء کو فضیلت میں یکساں مانتے ہیں۔''

(بحوالہ مناقب الائمۃ الاربعۃ ص 294)

جواب: ایسے اقوال کا درجہ شاذ کا ہے۔ احادیث صحیح اور اہل سنت کے اجماع کے بعد ایسے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی ایسے قول ہمارے دعویٰ کے خلاف ہیں۔ ایسے اقوال تو تمہارے دعوے کے مؤید بھی نہیں ہیں۔ شیخ سعید ممدوح نے بڑی عیاری سے یہ کتاب لکھی ہے۔ جہاں افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مسئلہ ہو اسے ایسے شاذ اقوال پیش کر کے رد کرتا ہے اور مسئلہ افضلیت کو ظنی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر جب قارئین کے ذہن میں مسئلہ افضلیت کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر حضرت علی المرتضیٰ کو افضل ماننے کا دعویٰ کر کے اس پر غیر متعلقہ دلائل دینا شروع کر دیتا ہے۔

قارئین کرام! یہ یاد رہے کہ باطل فرقوں کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے کہ کسی بھی صحیح العقیدہ سنی کے ذہن میں شکوک وشبہات ڈال کر اپنے مذہب کی طرف راغب کرتے ہیں۔ اس طریقہ کار کو ہمیشہ گہری نظر سے دیکھیے گا۔

علماء کرام پر یہ مخفی نہیں کہ جب ایک قول مرجوح ہو جائے تو اسے ہرگز استدلال میں پیش نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ایسے قول کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر چاروں خلفاء کی فضیلت یکساں ہے تو پھر اس پر خود شیخ سعید ممدوح کیوں عمل نہیں کرتا؟ جو مسلک مرجوح ہو اسے پیش کرنا دجل اور فریب اور گمراہی ہے۔

سترھواں قول: غایۃ التبجیل ص 143 پر لکھا ہے:

''ان حضرات کا ہے جو عشرہ مبشرہ کو فضیلت میں یکساں مانتے ہیں۔''

جواب: یہ مذہب بھی شاذ اور مرجوح ہے۔ اور ایسا مذہب اور قول ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ہیں۔ مروی صحیح احادیث کا مقابلہ میں شاذ قول کیسے قابل قبول ہو سکتے ہیں۔ مرجوح اقوال کی حیثیت راجح اقوال کے مقابلے میں کچھ نہیں ہوتی۔ اور جس مسلک کو علماء کرام نے مردود ٹھہرادیا ہو تو اس سے استدلال کیسے ہو سکتا ہے؟

اٹھارھواں قول: غایۃ التبجیل ص 143 پر لکھا ہے:

''ان حضرات کا ہے جو عبدالرحمٰن بن عوف کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں۔'' (بحوالہ مناقب الائمۃ الاربعۃ ص 294)

جواب: یہ قول بھی مرجوح اور شاذ ہے۔ لہٰذا مرجوح کا مقابلہ راجح کے ساتھ کیسے ممکن ہے؟ یہ اصول یاد رہے کہ جب راجح اور مرجوح میں تقابل ہوتا ہے تو مرجوح قول اگرچہ سند صحیح کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، مسترد ہو جاتا ہے۔ اور شاذ اقوال پیش کرنے والوں پر محدثین کرام کا سخت فتویٰ موجود ہے۔ یہ ایک عجب تحقیق ہے کہ سعید ممدوح نے مسئلہ افضلیت کو الجھانے کے لیے شاذ اور مرجوح اقوال نقل کر دیئے ہیں۔ اگر اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو شاذ اور مرجوح اقوال کو نقل کرنا علمی خیانت ہے۔ محدثین اور اصولیین بلکہ فقہاء کرام نے بہت سی روایات میں اگر تطبیق نہ ہو سکے تو راجح اور مرجوح کا اصول اپنایا ہے۔ اس کی مثال کچھ میں یوں عرض کر دوں کہ ناسخ روایت بھی صحیح ہو اور منسوخ روایت بھی صحیح ہو تو استدلال ناسخ روایت سے ہوتا ہے مگر کوئی شخص اسی مسئلہ کو الجھا کر عوام الناس کو یہ کہے کہ فلاں مسئلہ میں دونوں طرح کی صحیح روایات ملتی ہیں اور ناسخ اور منسوخ کی بات ترک کر دے تو عوام الناس کو گمراہی میں مبتلا کر دے گا اور اگر کوئی عقلمند ہو تو عوام الناس کے سامنے یہ ضرور بیان کرے گا کہ اگرچہ دونوں روایات صحیح ہیں مگر اصول کے مطابق منسوخ روایت پر عمل کرنا منع ہے۔ اسی طرح راجح اور مرجوح کا بھی وسیع علم ہے۔ جناب ذرا توجہ فرمائیں۔

مزید یہ کہ اس قول کی سند اور قائلین مجہول ہیں۔ لہٰذا مجہول اور بے سند اقوال پیش کرنا شیخ ممدوح کا ہی شیوہ ہے۔ ایک تشنہ طلب طالب علم کے لیے ایسے حوالہ جات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

انیسواں قول: غایۃ التبجیل ص 144 پر لکھا ہے:

''(قول) ان حضرات کا ہے، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام پر فضیلت دیتے ہیں۔''

(بحوالہ مناقب الائمۃ الاربعۃ ص 294 و مستدرک حاکم 114/3 رقم: 4568)

جواب: خود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 144 پر اسے اصولیین کا قول لکھا ہے۔ مزید یہ کہ جب کوئی اشعار پڑھے جاتے ہیں تو اس میں بڑھ چڑھ کر فضیلتیں بیان ہوتی ہیں اور یہ کہ اس قول کا ماننے والا نہیں ہے اور اس قول سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ شعر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے ہیں۔ لہٰذا اس شعر سے شیخین کریمین بداہت عقل سے مستثنیٰ ہیں اور ایسے

اقوال دشمنوں یا مخالفین کے رد میں پڑھ جاتے ہیں لہٰذا بصورت دیگر بھی یہ مذہب اور قول شاذ اور مرجوح ہے۔ لہٰذا ایسے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر سب سے پہلے اس قول پر عمل شیخ محمود سعید ممدوح یا ظہور احمد فیضی کرے۔ حالانکہ ان پیش کردہ انیس اقوال میں کوئی بھی قول شیخ محمود سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کو قابل قبول نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں احباب حضرت علی المرتضیٰ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے ہیں۔

جناب جب خود اس کے خلاف ہیں تو پھر ایسے اقوال کو پیش کیوں کیا جا رہا ہے؟

نکتہ: قارئین کرام! یہ بات ذہن نشین رہے کہ سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی صاحب کا ان پیش کردہ مذاہب پر خود عمل نہیں ہے بلکہ کئی مذہب کو وہ رد کر چکے ہیں تو ایسے مذاہب کو پیش کرنے کا فائدہ کیا ہے جبکہ وہ خود مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کی طرف مائل ہیں۔ اگر بالفرض کسی نے مولا علی رضی اللہ عنہ سے کسی دوسرے صحابی کو افضل کہا تو یہ لوگ تو پنجہ جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ناصبیت کا فتویٰ تو تیار ہی ہوتا ہے ان مذاہب پر کسی ایک مذہب پر بھی عمل نہ کرنے کے باوجود ان کو پیش کرنا امت میں فتنہ فساد کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ لہٰذا عوام الناس کو ان 19 مذاہب کو پڑھ کر تشویش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ تفصیلوں کا خود ان تمام مذاہب سے اختلاف ہے۔ لہٰذا ایسے مذاہب جو کہ شاذ ہیں ان کو پیش کرنا عوام الناس اور امت میں شر پھیلانے کے مترادف ہے۔

❀❀❀❀

چھٹے باب کا جواب

افضلیت علی رضی اللہ عنہ میں مذاہب پر تحقیق جائزہ

اس امر سے قبل کہ مسئلہ افضلیت مولا علی رضی اللہ عنہ پر ایک تحقیقی نظر ڈالی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نقطہ کی تنقیح کر دی جائے کہ اہل سنت و جماعت کی کتب معتبرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سے باکثرت مزین نظر آتی ہیں اور ان فضائل و مناقب کو نقل کرنے میں محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے کسی طرح بھی کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور یہ احادیث مبارکہ میں اکثر احادیث معتبر اسناد کے ساتھ بھی مروی ہیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور امام اسماعیل قاضی، امام نسائی اور امام ابوعلی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہم کی اس تصریح سے عیاں ہے کہ

قال أحمد و اسماعیل القاضی و النسائی و أبو علی النیسابوری لم یرد فی حق احد من الصحابة بالأسانیه الجیاد اکثر ما جاء فی علی

ترجمہ: امام احمد، امام اسماعیل القاضی، امام نسائی اور ابوعلی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا عمدہ سندوں کے ساتھ جس کثرت سے مولیٰ علیؑ کی شان میں احادیث وارد ہوئیں اتنی کسی دوسرے صحابی کی شان میں وارد نہیں ہوئیں۔

(فتح الباری للعسقلانی ,قول فی باب مناقب علی بن ابی طالب جلد۔ 71/7)، (فیض القدیر للمناوی ,حرف العین، جلد۔ 4 صفحہ۔ 355 تحت رقم 5589)، (مرقاۃ المفاتیح للقاری، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 421/17)

علاوہ ازیں مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اللہ عزوجل نے ایسے فضائل سے بھی نوازا جو کہ اس امت میں کسی اور شخص کے حصہ میں نہ آئے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے کہ

کانت لعلی ثمانیة عشر منقبة ما کانت لاحد من حفدہ الامة۔

ترجمہ: مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اٹھارہ منقبتیں ایسی تھی کہ اس امت میں دوسرے کیلئے نہیں۔

(المعجم الاوسط باب من اسمہ محمود۔ جلد 6، صفحہ: 180، رقم 84302)

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اصول میں مبرہن ہے کہ بیان عدد زیادتی کے منافی نہیں لہٰذا

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مناقب کو 18 کے عدد سے محصور فرمانا زیادتی فضائل وکمالات کے منافی نہیں۔

لیکن یہ بات بھی اس مقام پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح نواصب نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب پر احادیث وضع کیں ایسے ہی روافض نے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل ومناقب میں احادیث وضع کیں بقول امام خلیلی اور امام ابویعلی ان احادیث کی تعداد کم وبیش تین لاکھ کے قریب قریب ہے شاید اسی وجہ سے فن اسماء ورجال میں ملکہ تام رکھنے والی شخصیت امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

قلت قد أغنى الله عليا عن ان تقرر مناقبه بالا كاذيب والأباطيل۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں اللہ عزوجل نے علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اس بات سے مستغنی فرمادیا ہے کہ ان کے مناقب اکاذیب اور اباطیل سے ثابت کئے جائیں۔

(میزان الاعتدال، من اسمہ عبداللہ بن داہر بن یحییٰ بن داہر الرازی، جلد۔4، صفحہ 286)

اور امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (لسان المیزان، جلد 3، صفحہ 214) پر یہی تصریح فرمائی ہے لہٰذا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب کے باب میں فن اسماء رجال ایک بنیادی حیثیت کا حامل قرار پایا بالخصوص سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں مروی احادیث کو اس فن سے گزارنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے اور اس کے علاوہ بالعموم باقی صحابہ کرام کے فضائل مناقب میں مروی احادیث بھی اسی قبیل سے ہیں جیسا کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ روایت کہ

أبوبكر و عمر خير الأولين و خير الآخرين و خير أهل السموات و خير أهل الأرضين الا النبين و المرسلين۔

ترجمہ: ابوبکر وعمر بہتر ہیں سب اگلوں پچھلوں سے اور بہتر ہیں سب آسمان والوں اور سب زمین والوں سے سوا انبیاء ومرسلین کے۔ (العلل المتاھیہ لابن جوزی، جلد:198 رقم:311)

اس حدیث مبارک پر امام شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے شدید جرح فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال، من اسمہ جبرون بن واقد الافریقی، جلد 1 ص 257۔

قطع نظر اس کے یہ حدیث کس کے فضائل و مناقب میں مروی ہے احادیث کو قبول و رد کرنے کیلئے محدثین نے کچھ اصول وضع فرمائے ہیں جس کی روشنی میں احادیث مبارکہ کی صحت کا تعین کیا گیا لہٰذا سطحی قسم کی اس ذہنیت کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ محدثین کرام صرف ذاتی اور قلبی رجحان کے باعث احادیث کو قبول و رد کرتے رہے جیسا کہ بعض حضرات نے قلت مطالعہ کی بنا پر یہ نظریہ اپنا رکھا ہے اللہ عزوجل ہمارے بزرگان دین کے مسئلہ میں بدگمانی سے محفوظ فرمائے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد میں اپنے زیر بحث مسئلہ کی طرف لوٹتا ہوں اور اس سے قبل کے میں مسئلہ افضلیت مولا علی علیہ السلام پر اپنی ناقص رائے پیش کروں چند اصول و ضوابط بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں سب سے پہلے یہ کہ احادیث مبارکہ کا مفہوم و بیان وہی معتبر سمجھا جاتا ہے جو کہ بزرگان دین، ائمہ کرام اور محدثین کرام سے مروی ہو۔

ثانیاً: احادیث مبارکہ کو فن اسماء رجال کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔

ثالثاً: ایسے شاذ اقوال جو اجماع اھل سنت کے خلاف ہوں ان کی طرف ہرگز توجہ نہ دی جائے. چاہے وہ کسی صحابی کا قول ہی کیوں نہ ہو۔

رابعاً: اس بات کا ثبوت کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے متعلقہ اقوال خلفاء ثلاثہ کی موجودگی میں وارد ہوئے ہوں۔

خامساً: فضیلت اور افضلیت کا فرق ملحوظ خاص رکھا جائے جو احادیث مسئلہ فضیلت و مناقب میں مروی ہوں ان سے مسئلہ افضلیت مطلقہ پر استشہاد نہ کیا جائے۔ نیز اس کے علاوہ دلائل میں بوقت تعارض وجوہ ترجیحات کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا محض بظاہر احادیث میں ظاہری طور پر تعارض ہونے سے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کیلئے قطع نظر اصول و ضوابط اپنی رائے سے ایک حدیث کو ترجیح نہ دی جائے۔

افضلیت مولا علی رضی اللہ عنہ میں مذاہب پر گفتگو

شیخ محمود سعید ممدوح فرماتے ہیں کہ

"قتل و تشدد، سب و شتم اور ذہنی حراست کا اہل بیت کرام کی احادیث اور ان کی فقہ کو منظر عام سے غائب کرنے میں بڑا ہاتھ رہا ہے جس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

افضلیت کے متعلق اسلاف کرام کی نصوص منظر عام سے غائب ہو گئیں۔"

(غایۃ التبجیل صفحہ۔147[مترجم])

الجواب بتوفیق الوہاب:

ایک کھلا تضاد: شیخ محمود سعید ممدوح کی اس تصریح سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ افضلیت مولا علی رضی اللہ عنہ پر اسلاف کی تصریحات اہل سنت و جماعت کی کتب سے غائب ہیں مقام تعجب تو یہ ہے کہ جس حدیث طائر سے موصوف نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں افضلیت مولا علی رضی اللہ عنہ پر استشہاد فرمایا کیا وہ اہل سنت کی معتبر کتب سے نقل نہیں کی گئی اگر دلائل متحضر نہیں ہیں تو یہ احادیث مبارکہ اور وہ اقوال جو شیخ محمود سعید نے نقل فرمائے وہ کن کتب کا حصہ ہیں جن سے موصوف نے افضلیت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ثابت فرمانے کی سعی لاحاصل فرمائی مزید براں خود موصوف فرماتے ہیں کہ

متعدد حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں اہل بیت اطہار صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کی ایک عظیم الشان جماعت خصوصاً ہاشمی کوفی بعض اہل سنت اور معتزلہ کی اکثریت اس کی قائل ہے۔ (ملاحظہ ہو غایۃ التبجیل صفحہ 116[مترجم])

شیخ محمود کو ان اہل بیت اظہار صحابہ کرام اور تابعین کی افضلیت کی تصریحات کس کتاب سے مل گئیں؟ جبکہ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ اسلاف کرام کی نصوص اس بات (مسئلہ افضلیت) سے منظر عام سے غائب ہو چکی ہیں۔

اہل بیت کرام سے مروی کتب کا تحقیقی جائزہ

شیخ ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص ۱۵۸[مترجم] پر لکھتا ہے۔

"ان کتب سے روگردانی جو اہل بیت کرام کا ورثہ ہیں وہ کتب متروک قرار دی گئیں۔ انہیں طاق نسیان میں رکھ دیا گیا...... یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مابین دوریاں پیدا ہو گئیں۔"

پھر جناب ممدوح صاحب ص ۱۵۹ پر لکھتے ہیں:

"لیکن ہمارے سامنے امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار کی قیمتی کتب موجود ہیں۔ اور

ان میں معجم المولفین الزیدیۃ کے آخر طبع کا مطالعہ کیا۔ یقیناوہ ایک بڑا علمی ورثہ ہے جس سے ہم نے پہلوتہی کررکھی ہے اور اسے متروک کر دیا ہے"۔
شیخ ممدوح اسی صفحہ ۱۵۹ پر لکھتا ہے:
"الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر، مطبوعہ مصر پر جو متعدد علماء اہل سنت کی تقدیمات وتقریظات مرقوم ہیں وہ امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کی فقہ سے استفادہ پر ابھارتی ہیں"۔

جواب: عرض یہ ہے کہ مجموع الفقہ الکبیر المشہور مسند زین بن علی رحمۃ اللہ علیہ منسوب ہے۔ یہ کتاب جس سند سے مروی ہے اس میں متروک راوی ابو خالد عمرو بن خالد القرشی الواسطی ہے۔ اگر علمی جرأت ہے تو اس کی توثیق ثابت کر دیں۔ اس کتاب کی مروی سند میں دوسرا راوی نصر بن مزاحم متہم اور مجروح راوی ہے۔ مزید اس کتاب کی سند میں تیسرا راوی ابراھیم بن الزبرقان ضعیف راوی ہے۔
اگر بالفرض اسکی سند صحیح بھی مان لی جائے تو اسمیں ایسے مسائل ہیں جنکی مخالفت خود زیدیہ کرتے ہیں، جس سے اس کتاب کی حیثیت اور مشکوک ہو جاتی ہے۔
امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف بہت سارے گمراہ لوگوں نے کتابیں منسوب کر دیں تھیں۔ جن میں محمد بن الحسن بن ازھر نے کتاب الحیدہ، کچھ لوگوں نے کتاب الوصیۃ، کتاب القرآت منسوب کر دیں تھیں۔ لہذا گھڑی ہوئی کتابوں کی امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا علمی جہالت کا بین ثبوت ہے۔

حدیث الطیر سے مسئلہ افضلیت پر استدلال کا تحقیقی جائزہ:

سب سے پہلے تو شیخ محمود سعید ممدوح نے "حدیث الطیر" سے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی افضلیت پر استشہاد فرمایا جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

عن أنس بن مالك قال كان عند النبی ﷺ طير فقال أللهم ائتنی بأحب خلقك اليك ياكل معی هذا الطير فجاء علی فأكل معه۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا آپ نے دعا فرمائی اے اللہ تیری مخلوق میں جو تجھے زیادہ محبوب ہو اس کو میرے پاس بھیج دے وہ میرے ساتھ یہ پرندے کھائے پس حضرت علی آئے تو انہوں نے آپ کے ساتھ کھایا۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث۔ 3721)

شیخ ممدوح اس حدیث سے کچھ یوں نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ

کیونکہ مخلوق میں سے اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہونا فقط دینی اعتبار سے ہوتا ہے اور اس صورت میں محبوب ترین شخص کا افضل ہونا لازم ہے۔(غایۃ التبجیل صفحہ 161)

الجواب بتوفیق الوھاب: شیخ ممدوح نے اس مقام میں احب سے افضل ہونا ثابت فرمایا جو کہ انتہائی کمزور ہے۔کیونکہ احب ہونے سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔جیسا کہ امام زین الدین عبدالرؤف المناوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی۔آپ فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ کے احب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر افضلیت دی جائے۔

(أُسامة) ابن زيد بن حارثة (أحب الناس) من موالی (الی) و کونه أحبهم اليه لا يستلزم تفضيله علی غيره۔

(التیسیر بشرح جامع الصغیر جلد ا صفحہ 289)

ترجمہ:یعنی کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا تمام لوگوں سے محبوب ہونا ان کے موالی سے انکی غیر پر تفضیل کو متلزم نہیں ہے۔

ثانیا: نیز احبیت سے کسی غیر سے افضلیت کا اثبات بھی نہیں ہوسکتا۔جیسا کہ امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تصریح سے ثابت ہے کہ

احب الناس (الی) ولا يعارضه أن غيره أفضل منه۔

(فیض القدیر للمناوی، حرف الھمزۃ، جلد:1 4631 تحت 964)

ترجمہ:یعنی مجھے لوگوں میں وہ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔کسی غیر کے افضل ہونے کے معارض نہیں ہے۔

نیز اگر احبیت کو افضلیت کی علت تسلیم کرلیا جائے تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے افضل ہونا لازم آئے گا۔جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث مبارک سے ثابت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أحب أهلی الی من قد أنعم الله عليه و أنعمت عليه أُسامة بن زيد قال ثم من قال ثم علی بن ابی طالب۔

(سنن ترمذی، باب مناقب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جلد 5 ص 678 رقم:3819)

ترجمہ: یعنی میرے اہل بیت میں سے وہ زیادہ محبوب ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام اور میں نے بھی انعام کیا وہ اسامہ بن زید ہیں انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ پھر کون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ جو کہ کسی صورت میں بھی فریقین کیلئے قابل قبول نہیں ہے۔

اس کے علاوہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ انکم أحب الناس الی مرتین.

(صحیح البخاری جلد 5 ص 32۔ 3786)

ترجمہ: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو۔

احبیت سے اگر افضلیت کا اثبات ہو تو پھر تمام مہاجرین صحابہ پر انصاری صحابہ کرام کی افضلیت لازم آئے گی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ احب سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لایلزم من کونہ أحب أن یکون افضل۔ (مرقات جلد 11 ص 567)

ترجمہ: احب ہونا افضل ہونے کو متلزم نہیں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للأنصار أنتم أحب الناس الی هو علی طریق الإجمال أی مجموعکم أحب الی من مجموع غیرکم فلا یعارض قوله فی الحدیث الماضی فی جواب من أحب الناس إلیك قال أبو بکر الحدیث۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۱۴)

ترجمہ: یعنی باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انصار کو فرمانا کہ تم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو علی طریق الاجمال ہے یعنی تم مجموع من حیث المجموع مجھے تمہارے غیر کے مجموع سے محبوب ہو۔ پس یہ گذری ہوئی اس حدیث کے معارض نہیں ہے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

(المهدی رجل من ولدی وجهه كالكوكب الدری) قال المؤلف وابن حجر هذا مما يجب تأويله وليس المراد بهذا التفضيل الراجع الى زيادة الثواب والرفعة عند الله تعالى فالاحاديث الصحيحة والاجماع على أن أبا بكر وعمر أفضل الخلق بعد النبيين والمرسلين بل قال ابن حجر ان بقية الصحابة أفضل منه والله أعلم قال فی المطامح حكى أنه يكون فی هذه الأمة خليفة لا يفضل عليه أبوبكر۔

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۷۸۸ حرف میم)

ترجمہ: یعنی میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا کوکب دری کی مانند۔ مولف اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسکی تاویل کرنا واجب ہے۔ اور وہ یہ کہ یہاں وہ تفضیل مراد نہیں جس سے مراد کثرت ثواب اور اللہ کے نزدیک بلندی ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ اور اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انبیاء المرسلین کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے شک باقی صحابہ بھی امام مہدی سے افضل ہیں۔ واللہ اعلم

بالفرض یہ امر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اس حدیث متذکرہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اثبات ہوتا ہے تو بھی شیخ ممدوح کیلئے یہ بات بھی مفید نہیں کیونکہ مسئلہ افضلیت کے باب میں اخبار احاد نا کافی ہیں۔

نیز یہ حدیث مبارک اجماع اہل سنت کے مخالف بھی ٹھہرے گی جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اتفق أهل السنة على ان افضلهم ابوبكر ثم عمر۔

ترجمہ: اہل سنت کا اتفاق ہے کہ افضل صحابی ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد۔ 15 ص 148)

نیز علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

الاجماع على افضلية سيدنا أبی بكر الصديق رضی الله تعالى

عنہ علی الصحابۃ رضی اللہ عنہم۔ (مطالع المسرات صفحہ:290)

ترجمہ: ہمارے آقا سیدنا صدیق اکبر کے تمام صحابہ کرام سے افضل ہونے پر اجماع ہے۔

لہٰذا اجماع جو کہ دلیل قطعی ہے ایسی تمام احادیث (ظنی) کو ان کے معارض نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں۔

والظن لایعارض القطع۔ (عمدۃ القاری جلد 1، صفحہ 468)

ترجمہ: اور ظن، قطعیت کے معارض نہیں آسکتا۔

نیز امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجماع (افضلیت شیخین کریمین) پر تصریح موجود ہے وہ فرماتے ہیں کہ

لکن اجماع أهل السنة والجماعة علی أفضیلة وهو قطعي۔

(ارشاد الساری جلد 1 صفحہ:107)

ترجمہ: لیکن اہل سنت و جماعت کا افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اجماع ہے اور اجماع قطع ہے۔

لہٰذا ظن اور قطعیت کا معارضہ ممکن نہیں۔

نیز زیر بحث حدیث مبارک کو علی الاطلاق تسلیم کرنا بھی محال ہے۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام غیر نبی سے افضل ہیں اور یہ بات بھی حتمی اور قطعی ہے جب اس حدیث مبارک میں تخصیص اولی ثابت ہے تو ایسے دلائل جو کہ قطعیت کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں ان کی بنا پر شیخین کریمین کی تخصیص جائز کیوں نہ ہوگی۔ اسی لئے شارحین حدیث نے اس حدیث مبارک کی مختلف طریقوں سے تخصیص فرمائی ہے۔

حدیث طیر پر شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کے محبوب ترین لوگوں کے گروہ میں سے ہے۔

"جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹوں میں سے محبوب ترین ہے۔"

"جو آپ کے رشتہ داروں میں سے محبوب ترین ہے۔"

کیونکہ یقینی بات ہے کہ علی العموم تمام مخلوق مراد نہیں ہے"۔ (اشعۃ اللمعات جلد 7 صفحہ 456)

حدیث طیر پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

مزید یہ کہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مطلق کلام بھی فرمایا کرتے تھے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک وہ مقید مراد ہوتا تھا اور یوں بھی ہوتا کہ کلام میں تعمیم ہوتی تھی مگر تخصیص مراد ہوتی تھی اصحاب فہم و بصیرت قرینہ حالیہ، وقت کی نزاکت اور معاملہ کی نوعیت پر اعتبار سے ایسی چیزیں کما حقہ سمجھ لیتے تھے۔'' (مرقات، جلد 11 صفحہ 472)

حدیث طیر پر امام عبد الوہاب شعرانی کا تبصرہ

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''اور روافض نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولیت پر جس سے پہل لی ہے وہ حدیث پاک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بھنا ہوا پرندہ لایا گیا تو آپ نے عرض کیا یا اللہ اپنی مخلوق میں سے جو تجھے زیادہ پیارا ہو اسے میرے پاس بھیج دے جو میرے ساتھ مل کر کھائے پس پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔''

(الیواقیت والجواہر، صفحہ 502)

نیز محل نزاع مسئلہ افضلیت مطلقہ کا اثبات ہے جس کی علت احبیت نہیں ہے بلکہ اس کی علت خدا کے نزدیک بزرگی و کثرت ثواب ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت اس پر شاید ہے۔

الکلام فی الأفضیلة بمعنی الکرامة عند الله و کثرة الثواب.

ترجمہ: کلام فضیلت میں ہے بمعنی خدا کے نزدیک بزرگی و کثرت ثواب کے۔

(شرح مقاصد، الفصل الرابع فی الامامۃ، المبحث السادس، 523/3)

حدیث طیر پر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

وهو التمسك بخبر الطير، فا لا عتراض عليه:أن نقول: قوله "بأحب خلقك" يحتمل أحب خلق الله في جميع الأمور، أو يكون

أحب خلق الله فی شی معین۔ والدلیل علی کونه محتملا لهما: أنه یصح تقسیمه الیهما۔ فیقال: أما یکون أحب خلقه الیه فی الأمور، أو یکون أحب خلقه الیه فی هذا الأمر الواحد۔ وما به الاشتراك غیر مابه الاشتراك، و غیر مستلزم له۔ فاذن هذا اللفظ لا یدل علی کونه أحب الی الله تعالی فی جمیع الأمور فاذن هذا اللفظ لا یدل الا علی أنه أحب فی بعض الامور۔ وهذا یفید کونه أزید ثوابا من غیره فی بعض الأمور، ولا یمتنع کون غیره أزید ثوابا منه فی أمر أخر۔ فثبت: أن هذا لا یوجب التفضیل۔ و هذا جواب قوی۔ (الاربعین فی اصول الدین ج ۲ ص ۳۱۶)

ترجمہ: حدیث طیر سے استدلال پکڑنے پر اعتراض یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمان بأحب خلقك میں یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تمام امور میں زیادہ محبوب ہے یا کسی معین چیز میں اس حدیث کے محتمل ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کی ان دونوں احتمالوں کی طرف تقسیم صحیح ہے۔ تو پس کہا جائے گا کہ وہ مخلوق سے تمام امور میں زیادہ محبوب ہیں یا اس ایک امر میں؟ اور اس میں وجہ اشتراک کیا ہے؟ اس وجہ اشتراک کے ماسواء جو کہ اسے مستلزم نہ ہو۔ بتا تو ایسا لفظ۔ اللہ تعالیٰ کے تمام امور میں زیادہ محبوب ہونے پر دلالت نہیں کرے گا تو پھر یہ لفظ صرف بعض امور مین زیادہ محبوب ہونے پر دلالت کرے گا اور یہ لفظ بأحب خلقك صرف ان کے بعض امور میں زیادتی ثواب کا فائدہ کرے گا۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ (حضرت علی المرتضیٰ) کا غیر آپ سے بعض دوسرے امور میں از روئے ثواب زیادہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث طیر سے استدلال تفضیل کو ثابت نہیں کرتا اور یہ بڑی قوی مضبوط جواب ہے۔

حدیث طیر پر علامہ عضد الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

هو قوله حین أهدی إلیه طائر مشوی اللهم ائتنی بأحب خلقك

إليك يأكل معي هذا الطير فأتى علي وأكل معه الطائر والمحبة من الله كثرة الثواب والتعظيم فيكون هو أفضل وأكثر ثوابا وأجيب بأنه لا يفيد كونه أحب إليه في كل شيء لصحة التقسيم وإدخال لفظ الكل والبعض ألا ترى أنه يصح أن يستفسر ويقال أحب خلقه إليه في كل شيء أو في بعض الأشياء وحينئذ جاز أن يكون أكثر ثوابا في شيء دون آخر فلا يدل على الأفضلية مطلقا۔

(کتاب المواقف۔للامام عضد الدین عبد الرحمن بن احمد ال إیجی ج ۳ ص ۶۳۲

ترجمہ: وہ قول نبی کریم ﷺ کہ جب آپ ﷺ کو بھنا پرندہ ہدیہ کیا گیا تو آپ نے دعا دی کہ اللہ تو ایسے آدمی کو بھیج جو تیری مخلوق میں سے تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔تا کہ میرے ساتھ ہو یہ پرندہ کھائے پس حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔اور آپ کے ساتھ وہ پرندہ کھایا اور اللہ سے محبت کثرت ثواب اور عظمت و بزرگی ہے۔پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کثرت ثواب کی وجہ سے افضل ہوئے۔

اور میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ یہ ہر شئی میں محبوب ہونے کا فائدہ نہیں دیتا لفظ کل اور بعض کی طرف تقسیم کرنے کی وجہ پر کیا۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ بے شک اس طرح اس کی تفسیر بیان کرنا صحیح ہے؟ کی کہا جائے وہ اللہ تعالیٰ کو اسکی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔تو یہ محبوبیت تمام اشیاء میں ہے یا بعض اشیاء میں اور اس وقت جائز ہے کہ وہ کثرت ثواب کسی دوسری شئی میں ہو۔لہٰذا یہ حدیث (طیر) افضلیت مطلقہ پر دلالت نہیں کرتی۔

حدیث طیر پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

وسألت ابن أبي داود عن حديث الطير. فقال: إن صح حديث الطير فنبوة النبي ﷺ باطل، لانه حكى عن حاجب النبي ﷺ خيانة -يعني أنسا- وحاجب النبي لا يكون خائنا۔

قلت: هذه عبارة ردية، وكلام نحس، بل نبوة محمد ﷺ حق

قطعي، إن صح خبر الطير، وإن لم يصح. وما وجه الارتباط؟ هذا أنس قد خدم النبي ﷺ قبل أن يحتلم، وقبل جريان القلم، فيجوز أن تكون قصة الطائر في تلك المدة.

فرضنا أنه كان محتلما، ما هو بمعصوم من الخيانة. بل فعل هذه الجناية الخفيفة متأولا. ثم إنه حبس عليا عن الدخول كما قيل، فكان ماذا؟ والدعوة النبوية قد نفذت واستجيبت، فلو حبسه، أو رده مرات، ما بقي يتصور أن يدخل ويأكل مع المصطفى سواه إلا. أللهم إلا أن يكون النبي ﷺ قصد بقوله: "إيتني بأحب خلقك إليك، يأكل معي" عددا من الخيار، يصدق على مجموعهم أنهم أحب الناس إلى الله، كما يصح قولنا: أحب الخلق إلى الله الصالحون، فيقال: فمن أحبهم إلى الله؟ فنقول: الصديقون والانبياء.

فيقال: فمن أحب الأنبياء كلهم إلى الله؟ فنقول: محمد و إبراهيم و موسى، والخطب في ذلك يسير.

و أبو لبابة مع جلالته - بدت منه خيانة، حيث أشار لبني قريظة إلى حلقه، وتاب الله عليه.

و حاطب بدت منه خيانة، فكاتب قريشا بأمر تخفى به نبي الله ﷺ من غزوهم، وغفر الله لحاطب مع عظم فعله - رضي الله عنه - وحديث الطير على ضعفه - فله طرق جمة، وقد أفردتها في جزء، ولم يثبت، ولا أنا بالمعتقد بطلانه، وقد أخطأ ابن أبي داود في عبارته وقوله، وله على خطئه أجر واحد، وليس من شرط الثقة أن لا يخطىء ولا يغلط ولا يسهو.

والرجل فمن كبار علماء الاسلام، ومن أوثق الحفاظ - رحمه الله تعالى. (سير أعلام النبلاء ج ١٣ ص ٢١٣)

ترجمہ: اور میں نے ابن ابی داؤد سے حدیث طیر کے متعلق سوال کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر حدیث طیر صحیح ہے تو حضور ﷺ کی نبوت باطل ہے۔ اس لیے کہ یہ جو حضور ﷺ کی دربان کی خیانت پر حکایت نقل کی گئی ہے۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کا دربان خائن نہیں ہوسکتا۔ میں نے کہا کہ یہ عبارت ردی ہے اور عجیب کلام ہے۔ بلکہ محمد ﷺ کی نبوۃ حق اور قطعی ہے اگرچہ حدیث طیر صحیح ہو یا نہ ہو۔ اور رہی ان دونوں میں وجہ تطبیق تو وہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت کی بالغ اور مکلف ہونے سے پہلے تو ممکن ہے یہ پرندہ والا قصہ اسی مدت کا ہو۔ اور اگر ہم فرض کریں کہ وہ اس وقت بالغ تھے تو پھر بھی خیانت سے معصوم نہیں تھے۔ بلکہ آپ نے یہ جنایت خفی کی ہو، تاویل کی وجہ سے۔ پھر ان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روکنا جیسا کہ کہا گیا ہے تو اسی کی وجہ کیا تھی۔ اور مصطفی کریم ﷺ کی دعا قبولیت کی وجہ سے نافذ ہوگئی۔ اور اگر ان کو روکا یا کئی مرتبہ لوٹایا تو پھر اس کا کیا تصور باقی رہ جاتا ہے کہ وہ داخل ہوئے اور حضور کریم ﷺ کے ساتھ پرندہ کھایا یا قطع نظر اس کے۔ مگر یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان کے ساتھ کہ اے اللہ اس شخص کو بھیج جو تجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے کے علاوہ کا ارادہ فرمایا ہو۔ بہترین لوگوں میں سے شمار کرتے ہوئے یہ مجموع من حیث المجموع صادق آتا ہے۔ اس پر کہ بے شک وہ لوگوں میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب انبیاء کرام تھے۔ جیسا کہ ہمارا قول صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب صالحین ہیں پس پھر یہ سوال کیا جائے کہ صالحین میں کون محبوب ہیں۔ تو ہم کہیں گے صدیقین اور انبیاء کرام۔ پس کہا جائے کہ تمام انبیاء کرام میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ تو ہم کہیں گے محمد ﷺ، حضرت ابراھیم، حضرت موسیٰ۔ اور خطبہ اس میں آسان ہے۔ اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے باوجود جلالت شان کے ان سے خیانت کا ظہور ہوگیا جس وقت انہوں نے بنو قریظہ کو اپنے حلقے کی طرف اشارہ کرکے بتایا اور پھر اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ بھی کی اور حاطب سے بھی خیانت کا ظہور ہوا کہ قریش کو غزوہ کے متعلق لکھا حالانکہ حضور ﷺ اس کو مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ معاف فرمایا حاطب رضی اللہ عنہ کو باوجود اس

بڑے فعل کے۔ اور حدیث طیر کا اس کے ضعف پر اس کے لیے متعدد طرق ہیں اور میں انکو ایک جزء میں جمع کر دیا ہے۔ اور یہ ثابت نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کے بطلان کا اعتقاد رکھتا ہوں اور تحقیقی خطا کی ہے ابن ابی داوٗد نے اپنی عبارت اور قول میں۔ اور ان کے لیے ان کی خطا پر بھی ایک اجر ہے۔ اور ثقہ کے لیے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ اس سے خطا یا غلطی اور سہو صادر نہ ہو۔ پھر وہ ایسے شخص ہیں جو بڑے علماء اسلام اور ثقہ حافظ میں سے تھے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

حدیث طیر پر علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ:

ذكر ابن طاهر أنه رأى بخط الحاكم حديث الطير في جزء ضخم جمعه و قال وقد كتبته للتعجب قلنا وغاية جمع هذا الحديث أن يدل على أن الحاكم يحكم بصحته ولولا ذلك لما أودعه المستدرك ولا يدل ذلك منه على تقديم على رضى الله عنه على شيخ المهاجرين والأنصار أبي بكر الصديق رضى الله عنه إذله معارض أقوى لا يقدر على دفعه و كيف يظن بالحاكم مع سعة حفظه تقديم على ومن قدمه على أبي بكر فقد طعن على المهاجرين والأنصار فمعاذ الله أن يظن ذلك بالحاكم ثم ينبغي أن يتعجب من ابن طاهر في كتابه هذا الجزء مع اعتقاده بطلان الحديث ومع أن كتابته سبب شياع هذا الخبر الباطل واغترار الجهال به أكثر مما يتعجب من الحاكم ممن يخرجه وهو يعتقد صحته۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للامام السبکی ج ۴ ص ۱۶۵)

ترجمہ: ابن طاہر نے ذکر کیا ہے کہ بے شک انہوں نے حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث طیر کے متعلق ایک ضخیم جزء لکھی ہے اور میں نے تعجب کی بنا پر کہا کہ ہم کہتے ہیں اس حدیث کے جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امام حاکم نے اس پر صحت کا حکم لگایا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس کو مستدرک میں ذکر نہ کرتے۔ اور یہ سیدنا علی المرتضیٰ کی تقدیم شیخ المہاجرین

والانصار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر دلالت نہیں کرتی اس لیے کہ اس پر اس سے اقوی دلائل معارض موجود ہیں۔اس حدیث میں ان دلائل کے رد کرنے کی طاقت نہیں ہے۔اور حاکم نے اس وجہ سے اس نے باوجود وسعت حفظ کے تقدیم علی رضی اللہ عنہ کا گمان کیا ہے۔پس تحقیق اس نے طعن کیا ہے تمام مہاجرین اور انصار پر۔پس معاذ اللہ کہ اس کا حاکم سے گمان کیا جائے۔پھر لائق ہے کہ تعجب کیا جائے ابن طاہر پر کہ اس نے اس حدیث کے بطلان کا اعتقاد رکھنے کے باوجود اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے باوجود اس کے کہ اس کی کتابت کا کیونکہ سبب ظاہر ہے اس خبر کے باطل ہونے کا اور جاہلوں کا اس روایت سے دھوکہ دینا امام حاکم سے بھی زیادہ متعجب ہے۔جس نے اس کی تخریج کی ہے اور صحت کا اعتقاد رکھتا ہے۔

حدیث طیر پر محدث سندھ ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

علامہ ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوتے فرماتے ہیں:

''اگر یہ کہا جائے کہ چلیں یہ (انا مدینۃ العلم، بمنزلتی ہارون) احادیث تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں وارد ہونے والی احادیث کے معارض نہیں۔کیونکہ ان میں اسم تفضیل یا اس کے قائمقام کوئی صیغہ وارد نہیں۔لیکن متعدد حدیثیں ایسی بھی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں افعل التفضل کے صیغے سے بھی وارد ہوئی ہیں۔لہٰذا اب تو معارضہ پایا جائے گا۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام کے پاس بھنے ہوئے پرندے کا گوشت لایا گیا تو آپ نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔اے اللہ! اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب شخص کو میرے پاس بھیج کہ وہ میرے ساتھ اسے کھائے تب حضرت علی آگئے اور حضور علیہ السلام کے ساتھ اسے تناول کیا۔اس کو امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔اور یہاں پر احب سب سے بڑھ کر محبوب ہونے سے مراد اللہ کے ہاں سب سے بڑھ کر ثواب والا ہونا ہے اور اسی کو افضلیت کہتے ہیں۔''

جواب: میں (ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں اس کے 9 جواب ہیں:

۱۔ حافظ ابن جوزی نے اپنی کتاب ''موضوعات'' میں اور حافظ ابو العباس حرانی نے دینی کتاب ''منہاج'' میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

۲۔ بر سبیل تنزل بالفرض اگر موضوع نہ بھی ہو تو اس کے ضعیف ہونے میں تو شک ہی نہیں۔ جیسا کہ اس کی صراحت علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے اپنی کتاب ''موضوعات'' میں کی ہے۔ اور حدیث ضعیف احکام میں حجت نہیں بالخصوص اس مقام میں کہ جہاں رائے و اجتھاد سے مذکورہ مسئلہ معلوم بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ (بر سبیل) چلو یہ بھی مانا کہ ظاہراً یہ حدیث ضعیف نہیں لیکن باطناً اس کے ضعیف ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک معنوی اور پوشیدہ علت ہے جو اس کے ضعف کو ثابت کر رہی ہے۔ وہ یہ کہ اے اللہ! تیری مخلوق کے الفاظ عام ہیں جو کہ انبیاء و مرسلین کو بھی شامل ہیں۔ اور اس حدیث میں کوئی خاص لفظ بھی نہیں جس کے سبب یہ عمومیت خاص ہو سکے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ان میں وارد ہونے والی احادیث میں الانبیاء والمرسلین اور اسی طرح کے دیگر الفاظ وارد ہیں۔ اور اس پر اجماع ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے علاوہ سب پر افضل ہیں۔ پس یہ حدیث اجماع کے مخالف ہوگی مزید یہ کہ اس میں کسی لفظ مخصص کا نہ ہونا اس کی کمزوری اور اس کے ثابت ہونے میں ایک باطنی ممانعت کو ثابت کر رہا ہے۔

۴۔ اگر ہم یہ بھی جان لیں اور فرض کر لیں کہ یہ حدیث ظاہراً و باطناً دونوں طرح ضعیف نہیں ہے تب بھی ہم یہ نہیں مانتے کہ لفظ (احب) لفظ افضل کے قائم مقام ہے۔ اس پر دلیل ترمذی، نسائی، حاکم با قاعدہ تصحیح کی اور ابن حبان کی روایت ہے جو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ''افضل ذکر "لا الہ الا اللہ" ہے اور مسلم کی روایت حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو سب سے احب (پسند بات) سبحان اللہ و بحمدہ کہنا ہے۔ (یہاں افضل اور احب کا فرق ہے)۔ اس وجہ سے علامہ نووی رحمتہ اللہ نے اپنی شرح مسلم میں بخاری و مسلم شریف کی اس حدیث کے تحت (کہ جب حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے فرمایا عائشہ عرض کی گئی مردوں میں سے فرمایا ان کے باپ عرض کی گئی پھر کون فرمایا حضرت عمر) فرمایا کہ حضرت عائشہ کے حضور علیہ السلام کو زیادہ محبوب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ افضل بھی ہوں۔ اسی

طرح ان کے باپ (حضرت ابوبکر) کا حضور علیہ السلام کو زیادہ محبوب ہونا حضرت عمر سے افضل ہونے کو لازم نہیں۔ بلکہ آپ کی افضلیت اور دوسرے دلائل سے ثابت ہے جن میں لفظ افضل اور لفظ خیر صراحۃً وارد ہوئے ہیں انتھی۔

اور علامہ شیخ عبد الحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح مشکوۃ میں فرمایا کہ صحابہ میں گفتگو افضلیت کے حوالے سے ہے اور افضلیت کا معنیٰ اللہ کے ہاں زیادہ ثواب والا ہونا ہے۔ اور احبیت (زیادہ پسندیدہ) افضلیت کا غیر ہے۔ جیسا کہ افضلیت اور احبیت کے درمیان فرق کا قول علماء کی طرف سے مشہور و معروف ہے۔

۵- پھر اگر ہم ان کی مراد مطابقت مان لیں تب بھی اس سے قوی دلیل اس کے معارض ہے۔ اور وہ بخاری و مسلم میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا ہے" مردوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں رضی اللہ عنہما اور اس میں کوئی خفاء نہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب ہوا وہی اللہ کو بھی زیادہ محبوب ہوگا۔

اعتراض: پھر اگر کہا جائے کہ آپ نے ابھی تو پیچھے دونوں صاحبوں کی شان میں وارد ہونے والی روایات کے درمیان معارضہ ہونے کی نفی کی تھی اور یہاں آپ نے معارضہ ثابت کر دیا ہے یہ دونوں باتیں کیونکر جمع ہو سکتی ہیں؟

جواب: ہم کہتے ہیں وہاں جو ہم نے نفی کی تھی وہ معنی مساوات کے اعتبار سے کی تھی کہ جو مساوات ساقط حکمی کو ثابت کرنے والی تھی۔ اور یہاں ہم نے جو اثبات کیا ہے وہ جانبین میں سے ایک کے ثابت ہونے کے متعلق ہے اور وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا حکم دوسری جانب سے زیادہ راجح اور زیادہ قوی ہے۔

۶- احب و افضل کی مراد کو تسلیم کرنے کا ایک جواب علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مقاصد میں یہ دیا ہے کہ اس صورت میں حضور علیہ السلام کا فرمانا (احب خلقک) حضرت علی سے شیخین کی تخصیص کا احتمال رکھے گا۔ ان دلائل کی بناء پر جو شیخین رضی اللہ عنہم کی افضلیت کے حوالے سے وارد ہوئے ہیں......

میں (مصنف) کہتا ہوں اس کی تائید صحیحین کی مذکورہ حدیث سے ہوتی ہے کہ مردوں میں مجھے سب سے محبوب ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں رضی اللہ عنہم۔

مزید اس کی تائید حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے دیلمی نے

''مسند فردوس اعلیٰ''، میں روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے لوگوں میں سب سے محبوب ابوبکر ہیں اور ان کے بعد عمر ان کے بعد عثمان اور ان کے بعد علی ہیں رضی اللہ عنہم۔

۷۔ تسلیم مترادف کے بعد وہ تمام احادیث جو خلفائے ثلثہ کی افضلیت میں وارد پہلے گزر چکی ہیں وہ اس حدیث میں وارد احبیت کی تفسیر ہو جائیں گی کیونکہ جب مراد اَحب مان لیں گے تو دونوں لفظوں کا معنیٰ متحد ہو جائے گا۔ لہٰذا ان کثیر احادیث سے ثابت ہو گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت خلفائے ثلثہ کی افضلیت کے بعد ہے (کیونکہ وہ اس کی تفسیر کر دیں گی)۔ کما لا یخفی۔

۸۔ وہ ہے جو شیخ عضد الدین، مواقف اور سید شریف رحمہما اللہ نے اس کی شرح میں بیان فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ (احب) جناب امیر کے ہر ہر شے میں محبوب اکبر ہونے کو مفید نہیں کہ اس کو تقسیم بھی کیا جا سکتا ہے اور لفظ کل اور بعض سے اس کی تفسیر بھی کہہ سکتی ہے (کیا دیکھتا نہیں) کہ اس کو تقسیم کر کے یوں کہنا صحیح ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبوب مخلوق میں سب سے اچھے فیصل ہونے میں ہیں یا صادق ہونے میں ہیں یا خوبصورت ہونے میں ہیں یا بہادر ہونے میں ہیں یا کفار پر غالب آنے میں ہیں یا اس اس چیز میں ہیں وغیر ذلک اسی طرح کل اور بعض سے اس کی تفسیر کرتے ہوئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ مخلوق میں ہر شے میں زیادہ محبوب ہیں یا بعض اشیاء میں زیادہ محبوب ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا بھی جائز ہو گا کہ وہ ایک شے میں زیادہ ثواب والے ہوں لیکن دوسری میں نہ ہوں۔ لہٰذا علی اعلان یہ افضلیت پر دلیل نہیں۔ انتھی۔

۹۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ نے شرح مقاصد میں فرمایا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اس بندے کو بھیج کر جو اس پرندہ کو میرے ساتھ کھانے میں تیری مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تبصرہ۔ اعتراض۔ اگر کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں مذکورہ سب سے زیادہ محبوب ہو۔ (الطریقۃ المحمدیہ، قلمی)

شیخ محمود سعید ممدوح کا امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ''اعلمیت'' پر استدلال افضلیت

شیخ محمود سعید ممدوح نے مندرجہ ذیل حدیث مبارک سے بھی افضلیت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر استدلال فرمایا ہے۔

''امام احمد نے مسند اور فضائل میں ابن سعد نے طبقات میں امام نسائی نے الخصائص'' میں ابن ابی عاصم نے ''السنۃ'' میں طبرانی نے الکبیر میں اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے بطریق ابی اسحاق سبیعی از ھبیرہ بن مریم نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا:

''حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہماری طرف تشریف لائے ان کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا انہوں نے فرمایا کل تمہارے درمیان وہ عظیم الشان ہستی موجود تھی جس سے نہ تو پہلے والے آگے بڑھ سکے اور نہ ہی بعد میں آنے والے اس اسکے مقام کو پا سکیں گے۔''

(مسند احمد، جلد 1 صفحہ 199)

امام حسن رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ کوفہ میں ایک جم غفیر کے سامنے بیان فرمایا جو کہ افضلیت علی رضی اللہ عنہ پر ایک نص ہے۔(غایۃ التبجیل صفحہ 167-168)

الجواب بتوفیق الوھاب: شیخ محمود سعید ممدوح کا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے استدلال غلط ہے کیونکہ اول تو امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا اپنا عقیدہ افضلیت شیخین کا تھا۔ جلیل القدر تابعی امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أدرکت خمس مائۃ من أصحاب النبی ﷺ کلھم یقولون ابوبکر و عمر و عثمان و علی۔ (معجم ابن المقری، رقم:۳۰۵)

ترجمہ: یعنی میں نے پانچ سو صحابہ کرام سے ملاقات کی اور تمام صحابہ کرام کہتے تھے کہ حضرت ابو بکر، (پھر) اور حضرت عمر اور (پھر) حضرت عثمان اور (پھر) حضرت علی۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے استادوں میں حضرت حسن بن علی علیہ السلام بھی ہیں۔

(تہذیب الکمال، رقم:۳۰۴۲)

لہٰذا امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہوا کہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ دیگر ائمہ اہل بیت کی طرح افضلیت شیخین کے ہی قائل تھے۔

دوم یہ کہ مذکورہ بالا حدیث موقوف کو شیخ محمود سعید ممدوح نے افضلیت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر دال بتایا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے اعلمیت کو باب فضائل و مناقب میں تو شمار کیا جا سکتا ہے لیکن اعلمیت سے افضلیت پر استدلال کرنا محل نظر ہے۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے علم کی وسعتیں اور بے پایانیاں اہل علم و نظر سے ہرگز پوشیدہ نہیں لیکن اعلمیت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کسی بھی

اھل علم نے آپ کی افضلیت پر استدلال نہیں فرمایا۔

اگر اعلمیت سے افضلیت ثابت کرنی ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ملاحظہ کریں۔

۱- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور تمام آدمیوں کا علم بھاری ہوگا۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۶۴۸)

۲- حضرت ابراھیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ خدا کی قسم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے بڑھ کر کہا۔ میں نے (ابی وائل رحمۃ اللہ علیہ) پوچھا کیا کہا ہے۔ انہوں نے کہا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے جاتے رہے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۶۴۸)

۳- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے حالت رویاء میں دیکھا کہ ایک پیالہ دودھ کا مجھ کو دیا گیا میں نے اس میں پیا اور باقی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی کیا تاویل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علم۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۶۴۸)

اعلمیت سے افضلیت پر استدلال کرنا قطعاً صحیح نہیں:

۱- امام بدرالدین العینی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "زیادتی علم افضلیت کو واجب نہیں کرتی کیونکہ کثرت ثواب کے اسباب دوسرے ہیں جو کہ تقویٰ اخلاص اور کلمہ حق بلند کرنا وغیرہ ہیں اور کتاب اللہ کے اعلم ہونے سے مطلقاً اعلمیت لازم نہیں آتی کیونکہ احتمال ہے کہ غیر (اعلم بالکتاب) سے زیادہ اعلم بالسنۃ ہو۔

إن زيادة العلم لاتوجب الأفضلية لأن كثرة الثواب لها اسباب أخر من التقوىٰ والإخلاص و إعلاء كلمة الله و غيرها مع ان الأعلمية كتاب الله لاتستلزم الأعلمية مطلقا لاحتمال أن يكون وغيره أعلم بالسنة۔ (عمدۃ القاری للعینی، جلد 8 صفحہ 333)

ترجمہ: بے شک زیادتی علم افضلیت کو لازم نہیں کرتی اس لیے کہ کثرت ثواب کے لیے دوسرے اسباب ہیں تقویٰ، اخلاص، اعلاء کلمۃ اللہ وغیرھا۔ باوجود اس کے بے شک اعلمیت کتاب اللہ مطلقاً اعلمیت کو متلزم نہیں۔ اس احتمال کی وجہ سے ممکن ہے اس کا

غیر اعلم بالسنۃ ہو۔

۲- نیز امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف بن مری النووی رحمۃ اللہ علیہ "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ میں کتاب اللہ کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور اگر میں اپنے سے زیادہ کسی بھی اہل علم کو جانتا تو حصول علم کیلئے اونٹ پر سفر کر کے جاتا" کی تاویل میں کچھ یوں فرمایا۔

"حضرت عبداللہ بن مسعود کا فرمان کہ میں اعلم ہوں اور اس سے مراد کتاب امہ کا علم ہے جیسا کہ تصریح موجود ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ اعلم بالسنۃ اور اللہ کی بارگاہ میں ان حضرات سے افضل ہوں اور بسا اوقات ایک شخص کسی خاص جہت اور کسی خاص نوع کا اعلم ہوتا ہے جبکہ دوسرا اور اس کا غیر کسی دوسری جہت اور کسی خاص علم کے اعتبار سے اعلم ہوتا ہے اور افضلیت کا مدار زیادتی تقویٰ، خشیت، ورع، زہد اور طہارت پر منحصر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں"۔ (المنہاج شرح صحیح مسلم، جلد 16 صفحہ 17)

۳- ملا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اعلم من غیرہ ہونے سے انکا افضل ہونا لازم نہیں۔ یعنی فضیلت میں بڑھ جانا ثواب میں بڑھ جانے کو مستلزم نہیں"۔

عربی متن ملاحظہ ہو۔

أن يكون أعلم من غيره ولا يلزم من كونه أعلم كونه أفضل يعنى لايلزم من كونه أكثر فضيلة كونه أكثر متوبة كذا فى الازهار۔ (مرقات للعلی القاری، جلد 11 صفحہ 503)

۴- امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"کسی صفت فضیلت میں زیادہ افضلیت مطلقہ کا تقاضا نہیں کرتی"۔

إن الزيادة فى صفة من صفات الفضل لاتقتضى الأفضلية المطلقة"۔ (فتح الباری للعسقلانی جلد 9 صفحہ 49)

ان حديث للعامل منهم أجر خمسين منكم لا يدل على أفضلية غير الصحابة على الصحابة لأن مجرد زيادة الأجر لا يستلزم ثبوت الأفضلية المطلقة۔ (فتح الباری للعسقلانی جلد ۷ صفحہ ۷)

ترجمہ: یعنی بے شک یہ حدیث کہ عامل کے پچاس گناہ اجر ہے، غیر صحابہ پر افضلیت پر دلالت نہیں کرتی اس لیے کہ مجرد زیادتی اجر افضلیت مطلقہ کے ثبوت کو مستلزم نہیں ہے۔

أن يفوق بعض المفضولين بخصلة لا تستلزم الأفضلية المطلقة۔ (فتح الباری للعسقلانی جلد ۷ صفحہ ۲۵۵)

ترجمہ: یہ کہ فوقیت رکھتے ہوں بعض مفضولین کسی خاص عادت میں یہ افضلیت مطلقہ کو مستلزم نہیں ہے۔

۵- علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"کسی خاص فضیلت سے مختص ہونا افضلیت علی الاطلاق کو مستلزم نہیں"

الاختصاص بفضيلة لا يستلزم الأفضلية على الإطلاق۔

(عمدۃ القاری، جلد 1 صفحہ 364)

جیسا کہ افضلیت کا مدار واضح ہے کہ

أن المراد من الأفضلية الخيرية وأكثرية الثواب۔

(عمدۃ القاری، جلد 1 صفحہ 364)

افضلیت سے مراد خیریت اور کثرت ثواب ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اعلمیت کے چند اقوال بھی ملاحظہ کریں۔

ا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

وقد أمر النبی ﷺ فی مرضه أن يؤمهم أبوبكر رضی اللہ عنہ، ففی ذلك دلالة على أنه كان أعلمهم بالسنة مع ما دلت عليه آثار علمه وزيادة فضله رضی اللہ عنہ۔ (المدخل إلی السنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۳۳ رقم الحدیث: ۳۲)

ترجمہ: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری کی حالت میں حکم دیا کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امامت کروائیں۔ اس روایت میں اس بات پر دلالت ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

سنت کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ آثار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم اور افضلیت پر دلالت کرتے ہیں۔

۲۔ امام خلیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

و كان الأمر بعد رسول الله ﷺ إلى أبي بكر الصديق رضي الله عنه، وكان أعلمهم وأفضلهم۔ (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ج ۱ ص ۱۳)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد معاملہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ فضیلت والے تھے۔

۳۔ امام اَبو بکر بن اَبی عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

و أبو بكر الصديق أعلمهم عندي بعد رسول الله ﷺ، وأفضلهم وأزهدهم وأشجعهم وأسخاهم۔ (السنۃ لابن اَبی عاصم)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے نزدیک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بڑے عالم، سب سے افضل، سب سے بڑے زاہد، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔

و كان أبو بكر رضي الله عنه أعلمهم وأفقههم في كل أمره۔ (عمدۃ القاری، جلد ۸ ص ۳۳۴)

۴۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

و هي أن عليا كان أعلم. قلنا: لم يجوز أن يقال: انه حصل له هذه العلوم الكثيرة بعد أبي بكر۔ و ذلك لأنه عاش بعده زمانا طويلا، فلعله حصلها في هذه المدة۔ فلم قلتم: إنه في زمان حياة أبي بكر كان أعلم منه۔

ترجمہ: ان (اہل تشیع) کی تیسری دلیل یہ ہے کہ بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلم تھے۔

''ہم (اہل سنت) کہتے ہیں کہ کیا یہ کہنا ممکن نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ علوم کثیرہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حاصل ہوئے۔ پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اُن سے اعلم تھے۔ یعنی ایسا کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلم تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے۔''

(الاربعین فی الاصول الدین ج ۲ ص ۳۱۶)

لہٰذا شیخ محمود سعید ممدوح کا اعلمیت مولا علی رضی اللہ عنہ پر دلائل مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی افضلیت مطلقہ کا اثبات نہیں کر سکتے اور اجماع اہل سنت میں خلل انداز نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ امام محمد عبد الرحمن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ولیس فی هذا کله مایقدح فی إجماع أهل السنة من الصحابة والتابعین ضمن بعدهم علی أن أفضل الصحابة بعد النبی علی الإطلاق أبوبکر ثم عمر رضی اللہ عنہ۔ (المقاصد الحسنہ صفحہ 71 تحت رقم الحدیث:189)

من کنت مولاہ فعلی مولاہ پر تحقیقی جائزہ

شیخ سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۱۵۶ کے حاشیہ پر لکھتا ہے:

میں کہتا ہوں: حدیث موالات، متواتر ہے۔ حجۃ الوادع سے واپسی پر غدیر خم کے مشہور و معروف مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔

جواب: میں اس حدیث کی اسنادی حیثیت پر اس مقام پر کوئی کلام کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ بالفرض اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس حدیث سے افضلیت مراد لینا محل نظر ہے۔

امام المفسرین امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

اس حدیث کے بارے میں امام المفسرین امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ ملاحظہ کریں:

حدیث کی صحت تو ہمیں تسلیم ہے لیکن ہم لفظ مولیٰ سے اولیٰ کے احتمال کو تسلیم نہیں کرتے۔

اور استدلال اللہ تعالیٰ کے فرمان "آگ تمہاری رفیق ہے۔" (الحدید:۱۵)

وہ تمہارے زیادہ قریب کے معنیٰ میں ہے، وہ معارض ہے اس کے۔ بے شک ان دو لفظوں میں سے ایک دوسرے کے قائم مقام کرنا درست نہیں۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ یہ اولیٰ (قریب) اس سے اور یہ نہیں کہا جا سکتا یہ مولیٰ ہے اس سے۔ اور یہ کہاں جا سکتا ہے کہ یہ فلاں کا مولیٰ (مددگار) ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فلاں کے اولیٰ میں سے ہے۔

ہمیں تسلیم ہے مولیٰ کا لفظ اولیٰ کا احتمال رکھتا ہے لیکن ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ مولیٰ کا بیان ہو۔ پس اس پر محمول کرنا واجب ہو، ہم کہتے ہیں کہ یہ دلیل ظنی ہے تو قطعیات میں ظنی دلیل

قبول کی جا سکتی ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں لفظ مولیٰ کو اولیٰ پر محمول کیا جائے گا لیکن ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ ان کے اولیٰ (قریب) ہوں ہر شے میں۔ بلکہ ممکن ہے کہ وہ اس کے بعض اشیاء میں ان کے اولیٰ (قریب ہوں) اور وہ ان کی تعظیم و محبت کا واجب ہونا ہے۔ اور قطعی طور پر ان کا باطن کا سلامت ہونا۔ پس بے شک نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ کلام حضرت علی المرتضیٰ ے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے مابین ہونے والے جھگڑے کے درمیان فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو میرا مولیٰ ہے۔ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کا مولیٰ نہیں ہوں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا مولیٰ ہوں۔ تو نبی کریم ﷺ نے یہ کلام فرمایا۔ (الاربعین فی اصول الدین ج ۲ ص ۲۹۸)

أنت منی بمنزلۃ ھارون کا تحقیقی جائزہ:

شیخ سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۱۵۵ حاشیہ پر لکھتا ہے:

اور فضائل علی رضی اللہ عنہ میں جو صحیح احادیث ہیں وہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد "أنت منی بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبي بعدي" تیری منزلت میرے نزدیک ایسی ہے جیسی موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک حضرت ہارون کی الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

جواب: اس حدیث سے مسئلہ افضلیت پر استدلال کرنا ہی صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل ائمہ اعلام کی تصریحات سے واضح ہے۔

امام المفسرین فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لا نسلم أن هارون عليه السلام كان بحيث لو بقي، لكان خليفة لموسى عليه السلام. قوله: لأنه استخلفه، فلو لا يجوز أن يقال: إن ذالك الاستخلاف كان إلى زمان معين، فانتهى ذلك الاستخلاف بانتهاء ذلك الزمان.

و بالجملة: فهم مطالبون بإقامة الدليل على لزوم النقصان

عند انتهاء هذا الاستخلاف. بل هذا بالعكس أولى. لأن من كان شريك الإنسان فى منصب. ثم يصير نائبا له و خليفة له. كان ذلك يوجب نقصان حاله. فا ذا أزيلت تلك الخلافة. زال ذلك النقصان، و عاد ذلك الكمال.

سلمنا: أن هارون كان بحيث لو عاش. لكان خليفة له بعد وفاته. لكن لم قلتم: إن قوله: انت من بمنزلة هرون من موسى. يتناول جميع المنازل. و دليل الاستشناء معارض بحسن الاستفهام و حسن التقسيم و حسن إدخال لفظى الكل و البعض عليه.

ترجمہ: ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اگر حضرت ہارون علیہ السلام حیات رہتے تو ضرور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہوتے۔ مخالفین (اہل تشیع) کا یہ کہنا کہ حضرت موسیٰ نے ان کو خلیفہ بنایا اور اگر وہ ان کو معزول کرتے تو یہ بات حضرت ہارون علیہ السلام کے حق میں اہانت سمجھی جاتی۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ ان (اہل تشیع) کی یہ بات ہم نہیں تسلیم کرتے۔ پس یہ جائز نہیں کہ کہا جائے کہ بے شک ان کی خلافت معین مدت تک تھی۔ زمانے کی انتہا کے ساتھ یہ خلافت بھی منتھی ہوگئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ نقصان (کمی) کے لازم ہونے پر اقامت دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس خلافت کے انتہا کے وقت بلکہ اس کا الٹ تو زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ بے شک وہ شخص جو کسی منصب میں انسان کا شریک تھا پھر وہ اسکا نائب اور خلیفہ ہوگیا۔ یہ تو حالت نقصان کو ثابت کرتا ہے۔ پس جب خلافت ختم ہوگئی تو یہ نقصان بھی زائل ہوگیا اور کمال لوٹ آیا۔

ہم کو یہ بات تسلیم ہے کہ بے شک حضرت ہارون علیہ السلام اگر زندہ ہوتے تو وہ ضرور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہوتے لیکن تم (اہل تشیع) یہ کیوں نہیں کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان انت منی بمنزلة هارون من موسى جمیع منازل

کو شامل ہے۔ اور استثناء کی دلیل تو حسن استفہام کے بھی معارض اور حسن تقسیم کے بھی معارض ہے اور لفظ کل اور بعض کے اس پر داخل ہونے کے حسن کے بھی معارض ہے۔" (الاربعین فی اصول الدین ج ۲ ص ۳۰۰)

شیخ ممدوح اور شیخ عبداللہ الغماری کی جہالت:

شیخ ممدوح غایۃ التبجیل ص ۲۳۹ [مترجم] کے حاشیہ میں لکھتا ہے:

کیونکہ استثناء معیارِ عموم ہے۔ پس ہر وہ مرتبہ جو رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت ہے وہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ہے، ماسوا اس کے جسے دلیل سے خاص کر دیا گیا، پس حدیث کا ظاہر افضلیت مرتضوی کا فائدہ دیتا ہے۔

اس کے بعد شیخ ممدوح غایۃ التبجیل ص ۲۴۰ کے حاشیہ میں اپنے شیخ عبداللہ بن صدیق الغماری کے حوالہ سے لکھتا ہے۔

حدیث أنت منی بمنزلة هارون من موسیٰ اس بات کی تقاضہ کرتی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم ﷺ سے وہی مرتبہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام کا اخوت اور خلافت میں تھا۔ ارشاد الٰہی ہے:

و قال موسیٰ لأخیه هرون اخلفنی فی قومی و أصلح و لا تتبع سبیل المفسدین۔

ترجمہ: اور موسیٰ نے اپنے بھائی ھارون سے کہا: میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح کرنا اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا۔

اور اخلاق وعلوم اور ہر اس خوبی میں جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے مابین مشترک تھی سوائے نبوت کے۔ اس لیے حضور ﷺ نے ان الفاظ میں خود استثناء فرمایا:

إلا أنه لا نبی بعدی۔

ترجمہ: مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اور استثناء عموم کا معیار ہے۔ جیسا کہ علم اصول سے ثابت ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ امت کے سب سے بڑے عالم ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت ہارون

ﷺ سب سے بڑے عالم تھے۔ (بحوالہ البرھان الجلی)

جواب: شیخ ممدوح اور انکے شیخ علامہ عبداللہ بن صدیق الغماری نے اس حدیث سے جو استدلال پیش کیے ہیں۔ بعینہ استدلال اہل تشیع کے معروف ومشہور عالم محمد حسن ڈھکو نے اپنی کتاب تنزیہ الامامیہ میں نقل کیے ہیں۔ ان استدلال کی ۳ بنیادیں ہیں۔

۱۔ عموم الفاظ کا ہونا

۲۔ استثناء نبوت کی تصریح

۳۔ استثناء کا دلیل عموم ہونا

لہٰذا مناسب ہوگا کہ ان استدلال کا رد محقق العصر مناظر اہل سنت شیخ الحدیث قبلہ محترم اشرف سیالوی صاحب کی کتاب تحفہ حسینیہ سے پیش کر دیا جائے۔

عموم الفاظ کی بحث

شیخ الحدیث قبلہ اشرف سیالوی صاحب لکھتے ہیں:

ذرا اسی انداز استدلال اور طرز فکر کو دیکھیں کہ تعصب اور عناد نے کس طرح ان کی مت مار رکھی ہے، اور دعویٰ عموم میں موجود واضح اور آشکار خرابیاں ان کی نظروں سے کس طرح اوجھل اور پوشیدہ ہوگئیں۔

اول: جب حضور سرور عالم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو جو اقتدار و اختیار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سونپ گئے تھے، وہ خود سنبھال لیا یا نہ؟ دوسری صورت کا بطلان واضح ہے، کیونکہ اگر اقتدار صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، تو حضور سید عالم ﷺ کا محروم اقتدار ہونا لازم آگیا، جس کا کوئی مسلمان تو کجا کوئی عقلمند کافر بھی قول نہیں کرسکتا اور اگر دونوں حضرات متصرف اور مقتدر رہے تو بیک وقت دو بادشاہ اور حاکم تسلیم کرنے لازم ٹھہرے، اس کا بطلان بھی ظاہر اور واضح ہے۔

لہٰذا پہلی صورت متعین ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے، تو تفویض کیا ہوا اقتدار و اختیار آپ ﷺ نے خود سنبھال لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کرام علیھم الرضوان کی طرح اور حسب سابق حضور اقدس ﷺ کی رعیت اور تابع فرمان بن گئے۔ اور حس ومشاہدہ نے اس عموم کو ختم کر دیا۔ اسے سید عالم ﷺ کے رجوع تک کے ساتھ مخصوص اور مقید کر دیا۔ لہٰذا حس اور مشاہدہ کی دلالت کو نظر انداز کر کے محض عموم لفظ پر نظر رکھنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہوسکتا۔ (تحفہ حسینیہ ج ۳ ص ۳۳)

شیخ الحدیث اشرف سیالوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس خلافت میں زمانہ کے لحاظ سے عموم ثابت کرنا تو دور کی بات ہے، حلقہ اثر اور دائرہ اختیار کے لحاظ سے اس محدود وقت میں عموم ثابت کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ کے علاوہ دیگر مواضعات اور امصار و بلاد کے عمال اور گورنر آپ کے ماتحت نہیں تھے۔ اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں شریک غزوہ مجاہدین اسلام ہی آپ کے ماتحت تھے۔'' (تحفہ حسینیہ ج ۳ ص ۳۵)

شیخ الحدیث اشرف سیالوی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عورتوں اور بچوں پر مدینہ پاک میں خلیفہ مقرر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ یہاں کلام میں قطعاً عموم نہیں ہے، بلکہ کلام ہی مخصوص حالت (یعنی عورتوں اور بچوں پر صرف مدینہ کا خلیفہ) میں ہے۔ اور اول تا آخر اسی کا بیان ہے، تو اس کو مقصدِ متکلم اور سیاق و سباق سے الگ کر کے عموم پر کس طرح محمول کیا جا سکتا ہے۔ (تحفہ حسینیہ ج ۳ ص ۳۹)

استثناء نبوت کی بحث:

قبلہ محترم شیخ الحدیث صاحب أنت منی بمنزلة هارون من موسٰی میں نبوت کی تخصیص کے بارے میں لکھتے ہیں:

جاہل سے جاہل آدمی پر بھی یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جملہ کمالات میں شریک نہیں تھے اور نہ مراتب و کمالات میں برابر بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اصلی نبی تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام تابع، وہ حقیقی حاکم تھے اور صاحب اختیار و تصرف اور حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے وزیر۔ وہ کلیم اللہ کے منصب پر فائز تھے اور یہ اس منصب پر فائز نہ تھے۔ لہٰذا جب مقیس علیہ میں ہی تمام مراتب و منازل میں اشتراک اور مساوات ثابت نہ ہوئی تو مقیس میں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کس طرح برابری اور اشتراک ثابت ہو سکتا ہے؟

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قول مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمنزلة هارون من موسیٰ تو حکایت ہے اس منزلت کی جو قول موسیٰ علیہ السلام: اخلفنی فی قومی سے ثابت ہو رہی تھی۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قول سے اپنے کمالات اور منازل و مراتب میں حضرت ہارون علیہ السلام کی شرکت اور

مساوات بیان کرنا چاہتے تھے یہ آپ علیہ السلام اپنے طور پر سے واپسی تک ان کو قوم کی دیکھ بھال اور نگرانی ونگہبانی سونپ رہے تھے۔ کوئی معمولی عقل و دانش کا مالک بھی یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا اس قول سے انہیں عارضی طور پر اور محدود وقت کے لیے قائم مقام بنانا مقصود تھا نہ کہ نبوت اور دیگر منازل و مراتب میں ان کی مساوات بیان کرنا تو جب نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بمنزلۃ ھارون من موسیٰ فرمایا تو لامحالہ اس میں بھی وہی عارضی اور محدود نیابت اور قائم مقام مراد ہوئی۔ ورنہ توجیہ الکلام بما لا یرضی بہ القائل لازم آئے گی، جبکہ کلام قائل کو اس کی مرضی کے برعکس معنیٰ پر محمول کرنا اور اپنی مرضی سے اس میں تصرف کر دینا عام آدمی کو زیب نہیں دیتا چہ جائیکہ خاتم الانبیاء والمرسلین اور امین خدا اور امین خلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیب دے۔ لہٰذا جب ثابت ہوگیا کہ منزلت وہاں پر عام نہیں ہے تو یہاں بھی عام نہیں ہوگی، بلکہ صرف تبوک سے واپسی تک کے لیے عارضی نیابت اور نگرانی ونگہبانی میں قائم مقام ہونے کے معنیٰ میں ہوگی۔ (تحفہ حسینیہ ج ۳ ص ۴۱)

استثناء کا دلیل عموم ہونا پر بحث

جناب شیخ الحدیث اشرف سیالوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس استدلال کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ کمالات ثابت کرنے کے لیے إلا أنہ لا نبی بعدی کے استثناء کا سہارا لیا ہے کہ استثناء دلیل عموم ہوا کرتا ہے، لہٰذا نبوت اور اس کے خصائص کے علاوہ تمام مراتب و منازل میں اشتراک اور مشارکت ثابت ہوگئی۔ لیکن یہاں بھی موصوف نے دھوکہ دہی سے کام لیا ہے، کیونکہ ہر جگہ استثناء کو عموم کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا، بلکہ جہاں مستثنیٰ منہ میں عموم کی صلاحیت موجود ہو، صرف وہاں استثناء کو دلیل عموم سمجھیں گے۔ مثلاً کوئی شخص کہے: لہ علی مائۃ درھم إلا عشرۃ۔ یہاں استثناء تو موجود ہے لیکن مائۃ درہم کو عام نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اعداد اپنے تمام تر مراتب میں الفاظ خصوص ہوتے ہیں، ان کا تعلق دہائیوں سے ہو یا سینکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں سے نہ کہ الفاظ عموم۔ ہاں البتہ قولِ باری تعالیٰ: إن الإنسان لفی خسر الا الذین آمنوا۔ ألآیۃ میں الانسان میں احتمال خصوص اور عہدیت کا بھی تھا اور عموم کا بھی تو استثناء سے عموم ثابت ہوگیا۔ اور عہدیت یعنی بعض معین انسان مراد ہونے کا احتمال ختم ہوگیا۔ لیکن جب مستثنیٰ منہ کا لفظ پہلے ہی متعین اور مخصوص معنیٰ میں ہو تو

پھر استثناء دلیل عموم نہیں ہوگا۔

اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ (أنت منی بمنزلة هارون من موسى) منزلت کے لفظ میں عموم نہیں ہے۔ نہ مقیس علیہ میں اور نہ ہی مقیس میں۔لہٰذا یہ خود فریبی کا مظاہرہ بھی ہے اور عوام فریبی کا بھی اور حقائق وواقعات سے آنکھیں بند کر کے ہی علامہ موصوف نے یہ سب کچھ سپر د قرطاس کیا ہے اور اس کو کہتے ہیں تعصب اور عناد جو انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔ (تحفہ حسینیہ ج ۳ ص ۴۲)

اهم نوٹ: جناب قبلہ اشرف سیالوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ان عبارات سے لوگوں کو بے زار کرنے کے لیے چند لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ شیخ الحدیث صاحب نے تو مسئلہ نبوت پر غلطی کی ہے اور عجیب عجیب سی باتیں کیں۔اس کے جواب میں اتنا عرض کر دیتا ہوں کہ یہ تو ممکن ہے کہ قبلہ سیالوی صاحب کے مسئلہ نبوت پر لوگوں کو ان سے شدید اختلاف ہو۔مگر قبلہ سیالوی صاحب نے جو اس حدیث کے بارے میں کلام اور استدلالات پیش کیے ہیں ان سے کوئی بھی اہلسنت سے تعلق رکھنے والا شخص اختلاف نہیں کر سکتا۔ان کے دلائل اپنی جگہ مضبوط اور مدلل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے افضلیت پر استدلال کرنا

شیخ محمود سعید ممدوح غاية التبجيل ص ۱۷۴ پر فرماتے ہیں کہ ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو افضل جانتے تھے جیسا کہ ان کا ارشاد مبارک ہے کہ

كنا نتحدث أن افضل أهل المدينة علی بن ابی طالب۔

ترجمہ: ہم کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

(فضائل الصحابہ، رقم:1097)

الجواب بتوفیق الوهاب: حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے تفضیل الشیخین کی نفی لازم نہیں آتی۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک 32 ہجری میں ہوا ملاحظہ ہو۔ (اسد الغابہ، جلد 6 صفحہ 366)

لہٰذا ممکن ہے کہ انہوں نے یہ بات شیخین کریمین کے وصال کے بعد فرمائی ہوئی جیسا کہ جبل الحفظ امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس اثر کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

وهو محمول على أن ذلك قاله ابن مسعود بعد قتل عمر۔

(فتح الباری، جلد 7 صفحہ 58)

نیز امام محب طبری رحمۃ اللہ علیہ اس قول کی توجیح کچھ یوں فرماتے ہیں کہ

وهو محمول عند من يقوم بالترتيب المتقدم على انه كذلك بعدهم۔ (الریاض النضرۃ، جلد 1 ص 274)

اس مقام پر شیخ محمود سعید ممدوح کا امام ابن حجر عسقلانی اور محب طبری رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات کا مفہوم و تاویل تسلیم نہ کرنا اور اپنا مفہوم و بیان پیش کرنا کسی طرح بھی ہمیں مضر نہیں ممدوح کا مؤقف تو تب ثابت ہوتا کہ وہ ثابت کرتے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول شیخین کریمین کی حیات میں تھا۔ رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اثبات تو وہ اہل سنت و جماعت کے ہاں بھی مسلم ہے جب یہ بات متفقہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بلاشک وشبہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد (اہل کوفہ کے اختلاف کیساتھ) افضل ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول پیش کرنا ہمیں کسی صورت مضر نہیں۔

امام ابوزکریا محیی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب تصریح فرمائی ہے:

ولى الخلافة رضي الله عنه خمس سنين و قيل خمس سنين إلا شهرا بويع بالخلافة فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد قتل عثمان رضي الله عنه لكونه أفضل الصحابة حينئذ و ذلك فى ذى الحجة سنه خمس و ثلاثين۔ (تہذیب الاسماء واللغات للنووی، جلد: 1 صفحہ 490)

نیز امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ اھل سنت و جماعت کے مؤقف کی ترجمانی کا حق کچھ یوں ادا فرماتے نظر آتے ہیں کہ

و رجح جماعة أنه أول من أسلم أمير المؤمنين مناقبه كثيرة جداً حتى قال أحمد والنسائى و إسماعيل القاضى لم هرد فى حق احد بالأسانيه الجياد ما ورد فى حق على، مات فى رمضان سنة أربعين وهو يومئذ أفضل الأحياء من بنى آدم بالأرض بإجماع أهل السنة۔ (شرح الزرقانی علی موطا مالک، جلد 1 صفحہ 241)

ثانیاً: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس اثر یعنی "کنا نتحدث أن أفضل أهل المدينة علی بن ابی طالب" (فضائل الصحابہ رقم۔ 1097) میں شعبہ سے تسامح ہوا ہے جبکہ صحیح متن کچھ یوں ہے۔

"کنا نتحدث أن أقضی أهل المدينة علی بن ابی طالب" ہے۔
(معجم الصحابۃ للبغوی رقم:32)

اس بات کا اقرار خود امام ابن عبدالبر نے اپنے الفاظ میں کچھ یوں فرمایا ہے کہ
وهذا عندی حديث فيه تضعيف ممن رواه عن شعبة هكذا و إنما المحفوظ فيه ابن مسعود رضی اللہ عنہ أنه قال كنا نتحدث أن اقضی أهل المدينة علی بن أبی طالب هكذا من القضاء لا من الفضل"۔ (الاستذکار، رقم:20203)

مزید برآں علامہ ابن عبدالبر نے الاستعیاب فی معرفۃ الاصحاب جلد 1 صفحہ 340 پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگرد ابی میسرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مندرجہ ذیل متن سے روایت کیا ہے کہ "إن أقضی أهل المدينة علی ابن طالب"
نیز اقضی ہونے سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ ملاحظہ ہو۔ (مرقاۃ للعلی القاری جلد 11 صفحہ 503)
خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خلیفہ اور شیخین کریمین کے افضل ہونے کے قائل ہیں۔
اهم نکته: مزید یہ کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

ا- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
لقد أمرنا خير من بقی و لم نألوا۔

مفہوم: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے درمیان رہنے والوں کے متعلق خیر کا حکم دیا ہے اور جو گذر چکے ہیں وہ ان سے افضل ہیں یا اچھے تھے۔

(شرح اصول الاعتقاد، رقم:۲۵۵۵، معجم الکبیر رقم الحدیث:۸۷۵۱، السنۃ للخلال، رقم:۵۴۲، ۵۵۸، ۵۶۳۔ تاریخ ابن سعد ج ۳ ص ۶۳، مجمع الزوائد رقم الحدیث:۱۴۵۳۴ جلد ۹ ص ۸۸ و رجالہ الصحیح، حلیۃ الاولیاء، جلد ۷ ص ۲۴۴، المدخل الی السنن الکبریٰ، رقم:۴۹۱، اصول السنۃ رقم:۱۹۸، تہذیب الآثار، مسند عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث:۱۳۲۳)

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اور حدیث مروی ہے کہ

جاءت بیعۃ عثمان عنہ قال عبداللہ: ما أعلو عن اعلانا ذا فوق۔

ترجمہ: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خبر ملی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے ہمارے اعلیٰ وافضل کے بنانے میں کوتاہی نہیں کی یعنی اسی کو خلیفہ بنایا جو سب میں اعلیٰ وافضل تھا۔ (متدرک حاکم، رقم الحدیث: ۴۵۳۵)

۲۔ امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

احتج بمن فضل عثمان علی علی، فذکر ابن مسعود۔

ترجمہ: یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان کو حضرت علی المرتضیٰ پر فضیلت دیتے تھے۔ (کتاب السنۃ للخلال، رقم ۵۶۳)

یہ قول سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شیخین کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے۔ اور اس کے برعکس جو قول ہے وہ مطلق نہیں بلکہ مقید ہے۔ جو کہ تفضیلیہ کو فائدہ مند نہیں اور ہمیں مضر نہیں ہے۔

۴۔ نیز خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قائل تھے۔ جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے کہ

اجعلوا إمامکم خیرکم فإن رسول اللہ ﷺ جعل إمامنا خیرنا بعدہ۔ (الاستعیاب لابن عبدالبر، جلد اص ۲۹۷ ترجمہ ابوبکر صدیق)

ترجمہ: اپنے میں سے بہتر شخص کو امام بناؤ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس کو اپنے بعد بہتر پایا ہمارا امام مقرر فرما دیا۔

نیز اس حدیث موقوف سے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نظریہ ظاہر ہے کہ وہ آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل اور بہتر جانتے تھے۔

مزید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں موقف ملاحظہ کریں۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور تمام آدمیوں کا علم بھاری ہوگا۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۶۴۸)

۶۔ حضرت ابراھیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ خدا کی قسم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے بڑھ کر کہا۔ میں نے (ابی وائل رحمۃ اللہ علیہ) پوچھا کیا کہا ہے۔ انہوں نے کہا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے جاتے رہے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۶۴۸)

اس مذکورہ بالا تحقیق سے واضح ہوگیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شیخین کریمین کی افضلیت کے قائل تھے۔ اور ان واضح تصریحات کے مقابل تفضیلیہ کا سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو افضلیت شیخین کے قائلین میں شمار نہ کرنا علمی اور فکری غلطی ہے۔

حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے افضلیت پر استدلال

شیخ ممدوح فرماتے ہیں کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر افضل جانتے تھے۔ جیسا کہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر تقدیم دیا کرتے تھے آپ فرماتے ہیں کہ

وكان ثقة مأموناً يعترف بفضل الشيخين إلا أنه كان يقدم علياً۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ جلد ۱ ص 241)

الجواب بتوفيق الوهاب: امام بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ سے قبل حضرت عامر بن واثلۃ رضی اللہ عنہ سے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت کا قول کسی کتاب میں دستیاب نہیں ہوسکا۔ جبکہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت 368 ہجری ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ، جلد 3 صفحہ 217۔

جبکہ سیدنا عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک 107 ہجری یا 110 ہجری بمطابق اسد الغابہ جلد 3 صفحہ 143 ہے۔ لہٰذا امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ تک حضرت عامر بن واثلہ کی سند بھی الاستیعاب میں مذکور نہیں ہے لہٰذا ایسے اقوال قابل التفات نہیں ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

الإسناد من الدين ولو لا الإسناد من شاء و ماشاء۔

ترجمہ: اسناد دین ہے اگر اسناد نہ ہوتا تو جسکا جی چاہتا اور جو کچھ کہنا چاہتا کہہ دیتا۔

(شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص 41)

نیز امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ماه حساب العلم الاذهاب الاسناد۔

ترجمہ: علم کے اٹھ جانے کا مطلب اسناد کا غائب ہونا ہے۔ (شرح علل الترمذی جلد 1 صفحہ 58)

عقائد کے باب میں بلا سند اقوال کی کیا حیثیت ہے یہ اہل علم حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ثانیاً: ممکن ہے کہ یہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا فہم ہو کہ حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضلیت دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی جانب نہیں بلکہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب فرمایا ہے کہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کو شیخین پر مقدم فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

قال ابو عمر (ابن عبدالبر) كان يعترف بفضل أبي بكر و عمر لكنه يقدم علياً۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابۃ، جلد 7 ص 230)

لہٰذا باب العقائد میں حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے فہم کو جگہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے نیز حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مقامات پر فضیلت اور افضلیت کا فرق بھی نظر انداز فرما دیا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے اول اسلام قبول کرنا جو کہ (فضیلت) کے باب سے ہے اس کو افضلیت کے باب میں شمار فرمایا ہے اور وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اول اسلام قبول کرنے کے قائل ہیں انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائلین میں شمار فرمایا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر افضلیت کا مدار قبول اسلام کی تقدیم و تاخیر پر منحصر ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا افضلیت میں چالیسواں نمبر شمار کیا جاتا۔

علاوہ ازیں خود امام ابن البر رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں کہ

قال ونا إسماعيل بن اسحاق القاضي، قال نا أبو مصعب قال نا عبدالعزيز بن أبي حازم قال سألت مالكا فيما بيني و بينه من تقدم بعد رسول الله قال اقدام ابابكر و عمر لم بزد على هذا۔

(الانتقاء لابن عبد البر صفحہ 82)

ثالثاً: بالفرض اگر اس قول کا انتساب حضرت سیدنا عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس قول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم علی الشیخین ثابت نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر عقیدہ کے قائل ہوں جیسا کہ ملا علی

قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دینا اہلسنت و جماعت کے مذہب کے خلاف ہے اور اس پر تمام اسلاف کا اجماع ہے اور بعض خلف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت کے مذہب کی طرف گئے ہیں ان میں صحابہ میں سے حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ ہیں۔'' (شرح فقہ اکبر صفحہ 139-140)

مزید عرض یہ ہے کہ ابن عبد البر نے اپنی کتاب الاستعیاب میں کئی مقامات پر تسامح برتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریباً ۱۳۸ مقامات پر فتح الباری میں ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ پر گرفت اور تنقید کی ہے۔ اس کے علاوہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے رد اور انکے اوہام پر مذکورہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔

الرد علی ابن عبد البر لعقیل بن عطیہ المراکشی الطرطوشی — الحلل السندیۃ ج ۳ ص ۲۸

استدراک محمد بن عبد الواحد الغرناطی — التکملہ لابن الابار ج ۳ ص ۶۱۰

الاکمال التذییل لابی بکر بن فتحون علی کتاب الاستعیاب

الاکمال اور الاستدراک لابی العباس احمد بن عمر السکان

ان معروضات کو پیش کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو مجروح کیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جلیل القدر محدث تھے مگر ہر شخص سے خطا ممکن ہے اور ہمارے اکابرین نے ہمیں اپنے سلف وصالحین کی قدر اور عزت کرنے کا درس دیا ہے۔

شیخ ممدوح نے جتنی عبارات ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی کتاب میں نقل کیں ہیں ان سب پر علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب فتح الباری میں تعاقب کر کے حق ادا کر دیا ہے۔ مسئلہ افضلیت پر ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے اکابرین متفق نہیں ہیں اور جگہ جگہ انکا تعقب فرمایا ہے۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کی تحقیقی جائزہ

شیخ سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۱۷۶ پر لکھتا ہے:

اور جلیل القدر صحابی حضرت ابو جحیفہ وہب بن عبد اللہ بن عبد اللہ السوائی رضی اللہ عنہ المشہور وھب الخیر سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افضلیت مرتضوی رضی اللہ عنہ کی تصریح اسانید مشہورہ صحیحہ کے ساتھ منقول ہے ان میں سے ایک روایت مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۶ میں موجود ہے۔

الجواب بتوفیق الوهاب: عرض یہ ہے کہ شیخ ممدوح نے حضرت ابو جحیفہ وہب بن عبداللہ کی روایت قارئین کے سامنے بیان نہیں کہ صرف حوالہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ مناسب ہوگا کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو مکمل نقل کیا جائے۔

حضرت وہب سوائی ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ یہ فرمایا اس امت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بہترین شخص کون ہے؟ میں (حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ) نے کہا: امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ ہی ہیں، انہوں نے فرمایا نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہترین شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے بہترین شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور ہمیں اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر سکینہ بولتا تھا۔ (مسند امام احمد، رقم الحدیث ۸۳۴)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ کا قول بیان کیا مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس قول کو رد کر کے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا قول کیا۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا قول کو حق قرار دیا تو پھر اس کے بعد سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی شرعی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ اور عجب تو یہ ہے کہ شیخ ممدوح نے اپنی کتاب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر علم کی بناء پر فوقیت دی ہے۔ مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی علمی جلالت کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول نہ ماننا اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو پیش کرنا علمی فریب ہے۔ اور ایک یہ بھی سوال ابھرتا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس بیان کے بعد سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے کون سا عقیدہ اپنایا ہوگا؟

اس سوال کا جواب شاید شیخ محمود سعید ممدوح کے پاس نہ ہو اور اگر ہو بھی تو اس کا جواب دینا پسند نہ کرے۔ ہم قارئین کے سامنے اس حقیقت کو واضح کر دیتے ہیں کہ جناب سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کا افضلیت شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا عقیدہ تھا۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اصلاح کے بعد افضلیت شیخین رضی اللہ عنہما کا ہی عقیدہ اپنایا تھا۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے حضرت علی المرتضیٰ کوئی بات کریں اور ان کے اصحاب اس کو دل و جان سے نہ مانیں۔ اس بات کی شائد ایک دلیل بھی ہے۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مضت السنة بتفضيل أبي بكر و سبق حب علي الى القلوب۔

ترجمہ: یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت سلف کی سنت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت قلوب پر غالب ہے۔ (شرح اصول الاعتقاد، رقم: ۲۶۱۱)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ محمود سعید ممدوح کا یہ روایت پیش کرنا دجل وفریب سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور اس دجل اور فریب کی علمی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

حضرت ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عدی الطائی رضی اللہ عنہ کی روایات سے استدلال

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ 176 پر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائلین میں سے آپ کے پروردہ اور آپ کے معاون فرزند صدیق رضی اللہ عنہ حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ہیں...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور معاونت کے متعلق ان کے اقوال مشہور و معروف ہیں۔ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی تصریح فرمائی تھی۔ (بحوالہ الاستیعاب ج ۳ ص ۲۴۸ اور الاشراف ج ۳ ص ۱۹۱)

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۱۷۷ پر لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم وتفضیل کے قائلین میں جلیل القدر صحابی حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ کی شخصیت بھی ہے۔ تاریخ طبری اور نصر بن مزاحم کی کتاب صفین میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہا:

امابعد: معاویہ رضی اللہ عنہ! ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تجھے اس امر کی طرف بلائیں جس سے اللہ ہماری امت اور ہماری دعوت کو ایک کر دے۔ اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے خون کو محفوظ فرمادے۔ اور ہم تجھے سبقت میں امت کے افضل ترین اور اسلام میں اتباع کے لحاظ سے بہترین شخصیت کی طرف بلاتے ہیں۔ لوگوں نے ان کی حکومت کو تسلیم کرلیا اور یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھلائی کو سمجھنے کی ہدایت دی تو انہوں نے اسے قبول کرلیا، صرف تم اور تمہارے ساتھی ہی باقی رہ گئے ہیں۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲، صفین لنصر بن مزاحم ص ۱۹۷)

الجواب بتوفیق الوھاب: ۱۔ حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی روایت جو بحوالہ الاستیعاب ج ۳ ص ۲۴۸ اور الاشراف ج ۳ ص ۱۹۱ بیان کی ہے اس سے کسی طور پر افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثبات نہیں ہوتا۔ پیش کردہ حوالہ جات میں کسی بھی لفظ سے افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ بر شیخین کریمین رضی اللہ عنہما ثابت

نہیں ہوتا۔اور یہ کہ اس قول کی سند پیش نہیں کی گئی۔لہٰذا ایسے بے سند اقوال سے استدلال مردود ہے۔

۲۔ حضرت عدی بن طائی کے قول کی اسناد کی تحقیق انتہائی ضروری ہیں۔اس کی سند میں چند راویوں کے حالات مشکوک ہیں۔تاریخ طبری میں اس قول کی سند کچھ یوں ہے:

هشام بن محمد عن ابی مخنف الأزدی قال حدثنی سعد أبو المجاهد الطائی عن المحل بن خليفه الطائی۔

ھشام بن محمد الکلبی:

ہشام بن محمد الکلبی کے بارے میں محدثین کی رائے ملاحظہ کریں۔

امام دارقطنی نے کہا: متروك۔ (الضعفاء والمتروکین، رقم:۳۶۰۲)

ابن حبان نے کہا:

كان غاليا فی التشیع، أخباره فی الأغلوطات أشهر من أن يحتاج الاغراق فی وصفها۔ (المجروحین ج ۳ ص ۹۱)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

أحد المتروكين ليس بثقة لم ادخله بين الحفاظ الرافضی۔
(تذکرۃ الحفاظ، رقم:۳۲۶)

ابن العماد الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حافظاً علامة الا إنه متروك الحديث فيه رفض۔

(شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۲)

ابن عساکر نے کہا: رافضی ليس بثقه۔ (لسان المیزان رقم:۷۰۰)

ابن جارود نے اسے ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔ (لسان المیزان رقم:۷۰۰)

ابن السکن نے اسے ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔ (لسان المیزان رقم:۷۰۰)

امام عقیلی نے اسے ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔ (لسان المیزان رقم:۷۰۰)

ابن ابی مخنف:

ابن ابی مخنف کے بارے میں محدثین کی جرح ملاحظہ کریں۔

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مخنف متروك الحديث۔ (الجرح والتعدیل، رقم: ۱۰۳۰)
امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ليس بثقه۔ (الجرح والتعدیل، رقم: ۱۰۳۰)
علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ساقط تركه۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: ۵۱۲۱)
امام دراقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اخباری ضعيف۔ (الضعفاء والمتروکین رقم: ۴۵۰)
ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: شيعي محترق صاحب اخبارهم۔ (الکامل ابن عدی رقم: ۱۶۲۱)
علامہ ذہبی نے کہا: متروك۔ (دیوان الضعفاء رقم: ۳۵۰۰)

۳- کتاب صفین سے پیش کردہ قول کی سند کچھ یوں ہے۔
نصر عن عمر بن سعد عن ابی مجاهد عن المحل بن خليفة۔
سند مذکورہ کے راویوں کی تحقیق پیش خدمت ہے۔

نصر بن مزاحم (مصنف کتاب صفین)

کتاب صفین کے مصنف نصر بن مزاحم کے بارے میں محدثین کی جرح ملاحظہ کریں۔
امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:
واهي الحديث، متروك الحديث لا يكتب الحديث۔
(الجرح والتعدیل رقم: ۲۱۴۳)
امام ابو خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: كذابا۔ (الضعفاء والمتروکین للجوزی رقم: ۳۵۱۸)
علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: رافضي مسلت تركوه۔ (المغنی فی الضعفائ، رقم: ۶۶۲۱)
امام محمد بن حسین ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: غال في مذهبه غير محمود۔
(تاریخ بغداد، رقم: ۷۲۴۵)
امام عقیلی نے کہا:
كان يذهب إلى التشيع وفيه حديثه اضطراب وخطاء كثير من حديثه۔ (الضعفاء للعقیلی رقم: ۱۸۹۹)
امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: كان رافضياً غالياً۔ (لسان المیزان رقم ۵۵۱)
حافظ خلیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لين۔ (لسان المیزان رقم ۵۵۱)

امام ابن عدی نے کہا:

هذه وغيرهما من أحاديث غالبهما غير محفوظ۔ (الکامل ابن عدی، رقم:۱۹۷۲)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: رافضی جلد، ترکوہ۔ (لسان المیزان، رقم:۹۰۴۶)

عمر بن سعد بن ابی الصید الاسدی:

عمر بن سعد کے بارے میں محدثین کی آراء ملاحظہ کریں۔

امام ابو حاتم نے کہا: شیخ قدیم من عتق الشیعة متروك الحدیث۔

(الجرح والتعدیل رقم:۵۹۵)

علامہ ذہبی نے کہا: شیعی بغیض۔ (میزان الاعتدال رقم:۶۱۱۸)

حافظ ابن حجر نے کہا: شیعی بغیض۔ (لسان المیزان رقم:۸۶۳)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ ممدوح کی پیش کردہ روایات کذاب، رافضی اور شیعہ راویوں سے بھری پڑی ہیں۔ شیخ ممدوح اور جناب ظہور احمد فیضی صاحب کا یہ فرض بنتا ہے کہ ان روایات کی تصحیح کر کے دکھائیں تاکہ آپ لوگوں کی نام نہاد محدثیت کا بھرم باقی رہ جائے۔ اور خیر سے تفضیلیہ کے فن اسماء الرجال کے امام جناب ظہور احمد فیضی صاحب لوگوں کو ضعیف روایات کی فضائل میں حجیت کے دلائل دے کر عوام الناس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرینگے۔ جناب عالی! یاد رہے کہ یہ تمام تر گفتگو مسئلہ افضلیت کی ہے۔ جس میں صرف اور صرف قوی اور مضبوط دلائل ہی درکار ہوں گے۔ اٹکل پچو سے اس مسئلہ پر گفتگو ناممکن ہے۔

شیخ ممدوح نے افضلیت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ثابت فرمانے کی جو سعی لاحاصل فرمائی ہے وہ افضلیت شیخین کریمین کے ہرگز منافی نہیں ہے کیونکہ امت مسلمہ بالاتفاق شیخین کریمین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر افضل تسلیم کرتی آئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اقوال حضرات شیخین کریمین کے وصال کے بعد مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہیں۔ شیخ ممدوح کا مؤقف تو تب ثابت ہوتا جب یہ اقوال شیخین کی موجودگی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں یقیناً موجود تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے افضل تھے۔ لہٰذا ایسے اقوال پیش فرما کر مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شیخین سے افضل ثابت فرمانا

دعویٰ بلا دلیل ہے۔ رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اثبات بعد از وصال سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین تو وہ بہرحال متنازع فیہ نہیں ہے۔ جیسا کہ امام ابو زکریا محیی الدین شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ولی الخلافة رضی اللہ عنہ خمس سنین وقیل خمس سنین إلا شهراً بویع بالخلافة فی مسجد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعد قتل عثمان رضی اللہ عنہ لکونه أفضل الصحابة حینئذ۔ (تہذیب الاسماء واللغات، جلد 1 صفحہ 490)

ترجمہ: یعنی آپ پانچ سال خلافت کے والی رہے اور کہا گیا ہے کہ ایک ماہ کم پانچ سال۔ آپ کی خلافت کی بیعت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کی گئی۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہے اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل تھے۔

نیز امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

و رجح جماعة أنه أول من أسلم أمیر المؤمنین مناقبه کثیرة جداً حتی قال أحمد والنسائی و إسماعیل القاضی لم یرد فی حق أحد بالأسانید الجیاد ما ورد فی حق علی مات فی رمضان سنة أربعین و هو یومئذ أفضل الأحیاء من بنی آدم بالأرض بإجماع أهل السنة۔ (شرح الزرقانی علی مؤطا مالک جلد 1 صفحہ 241)

ترجمہ: اور رجوع کیا ایک جماعت نے کہ بے شک سب سے پہلے اسلام لانے والے امیر المومنین ہیں جنکے مناقب کثیر تعداد میں ہیں۔ یہاں تک کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جید اسناد کے ساتھ جو فضائل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہوئے ہیں، کسی ایک کے حق میں وارد نہیں ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رمضان میں شہید کئے گئے اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہ روئے زمین پر آدم کے زندوں سے افضل تھے، اجماع اہل سنت کے ساتھ۔

لہٰذا ایسے اقوال جو خلفائے ثلاثہ کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی تائید میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت بر خلفائے ثلاثہ کسی صورت بھی پیش نہیں کئے جا سکتے۔ (اللہ و رسولہ اعلم بالصواب)

ادھر دیکھ تیرا دھیان کدھر ہے؟

شیخ ممدوح نے غایۃ التبجیل ص ۱۱۷ پر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال پیش کیا ہے۔اس دلیل کو ذرا ایک بار پھر دھیان سے ملاحظہ کریں۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہا:

امابعد: معاویہ رضی اللہ عنہ! ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تجھے اس امر کی طرف بلائیں جس سے اللہ ہماری امت اور ہماری دعوت کو ایک کردے۔اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے خون کو محفوظ فرمادے۔اور ہم تجھے سبقت میں امت کے افضل ترین اور اسلام میں اتباع کے لحاظ سے بہترین شخصیت کی طرف بلاتے ہیں۔لوگوں نے ان کی حکومت کو تسلیم کرلیا اور یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھلائی کو سمجھنے کی ہدایت دی تو انہوں نے اسے قبول کرلیا،صرف تم اور تمہارے ساتھی ہی باقی رہ گئے ہیں۔(تاریخ طبری ج ۶ ص ۲،صفین لنصر بن مزاحم ص ۱۹۷)

اس خط کشیدہ عبارت میں یہ واضح ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کی وجہ ان کا افضل اور بہترین شخصیت ہونا بیان کیا ہے۔یعنی کہ بیعت کی وجہ افضل اور بہترین ہوتا ہے۔جبکہ اس کے برعکس شیخ ممدوح نے اپنی کتاب میں پورا ایک باب نقل کیا ہے کہ خلافت کے لیے افضلیت شرط نہیں ہے۔اور اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے پورا زور لگا دیا۔مگر اس باب میں اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے ایسے دلائل زبردستی بھرتی کررہا ہے جس کو خود رد کرچکا ہے۔

کچھ اپنی ادا پر بھی غور کیجئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب سے استدلال کا تحقیق جائزہ

شیخ محمود سعید ممدوح نے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل ومناقب اور کثرت خصائص کا وجہ افضلیت قرار دیا ہے ملاحظہ ہو۔(غایۃ التبجیل صفحہ 161 تا صفحہ 182)

الجواب بتوفیق الوھاب: الحمدللہ اہل سنت و جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص اور مناقب کا بھی وسیع القلبی سے اعتراف فرماتے رہے ہیں۔جس کا بین ثبوت مولا علی مشکل کشا کے فضائل ومناقب کا کثرت سے کتب احادیث میں پایا جانا ہے۔لیکن مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے

فضائل ومناقب کو افضلیت شیخین کے منافی جاننا کسی صورت بھی صحیح نہیں۔ جیسا کہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل ومناقب نقل فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں کہ

ولیس فی ھذا کلہ مایقدح فی إجماع أھل السنۃ من الصحابۃ و التابعین فمن بعد ھم علی أن أفضل الصحابہ بعد النبی علی الإطلاق أبوبکر ثم عمر رضی اللہ عنہ۔ (المقاصد الحسنہ صفحہ 71 تحت رقم الحدیث:189)

حاصل کلام یہ کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اجماع اھل سنت جو کہ اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی الاطلاق افضل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں کیلئے قدح نہیں کر سکتے۔

امام اسماعیل بن محمد الجراحی نے کشف الخفاء ومزیل الاالباس (جلد 1 ص 205) پر بھی یہ تحریر فرمایا ہے۔

نیز امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

إن الزیادۃ فی صفۃ من صفات الفضل لاتقتفی الأفضلیۃ المطلقۃ۔ (فتح الباری۔ جلد۔ 9 ص 49)

ترجمہ: یعنی صفات فضل میں کسی ایک صفت کی فضیلت، افضلیت مطلقہ کا تقاضا نہیں کرتی۔

نیز امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

فقلنہ ولا حجۃ فی ذلك کلہ علی تفضیلہ علی الشیخین کما مصو مقر ریملجہ من فن الاصول۔ (فیض القدیر للمناوی جلد:6 صفحہ:217)

ترجمہ: یعنی ہم کہتے ہیں اس مقام پر تفضیل شیخین رضی اللہ عنہ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جیسا کہ متعدد بار گذر گیا ہے اور فن اصول بھی اسی کا متقاضی ہے۔

ابن حزم کے استدلال کا تحقیقی جائزہ

شیخ محمود سعید ممدوح نے علامہ ابن حزم کے حوالہ سے مسئلہ افضلیت مابین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ امر ثابت کرنے کی سعی لاحاصل فرمائی ہے کہ مسلمانوں کا اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے بعد لوگوں میں افضل ترین شخص کون ہے اور اس ضمن میں انہوں نے ابن حزم کی کتاب الفصل فی الملل والنحل سے مختلف مذاہب نقل فرمائے ملاحظہ ہو۔ (غایۃ التبجیل ص 183 تاص 186)

الجواب بتوفیق الوھاب: ما قبل اس کے کہ ابن حزم کی شخصیت پر علماء اعلام کی کتب سے روشنی ڈالی جائے یہ بات قابل توجہ ہے کہ ابن حزم کی ولادت 384 ھجری اور وصال 452 ھجری ہے۔لہٰذا ابن حزم کا مسئلہ افضلیت میں صحابہ کرام کے حوالہ سے اختلاف کرنا جب تک باسند ثابت نہ ہوجائے گا قابل التفات نہ سمجھا جائے گا۔نیز غایۃ التبجیل کے محشی مولانا ظہور احمد فیضی صاحب کے بقول "ابن حزم صاحب اطلاع نہیں" (ملاحظہ ہو غایۃ التبجیل ص 156 حاشیہ)

مسائل اعتقادیہ میں ابن حزم کا بلاسند اقوال سے استدلال کرنا اھل حق کو ہر گز مضر نہیں اور ابن حزم کی شخصیت اور ان کی آراء کو اہل سنت و جماعت کے کسی بھی معتبر عالم نے کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔امام ابن حجر مکی (المتوفی 974 ھجری) علامہ ابن حزم کے متعلق فرماتے ہیں کہ

قال الأئمة فی الحط علیه ان له مجاز فات کثیرة امور شنیعة نشات من غلظه وجموده علی تلك الظواهر ومن ثم قال المحققون انه لایقام له وزن ولاینظر لکلامه ولا یعول علی خلافه۔ (کف الرعاع جلد 1 صفحہ 145 طبع مصر علی ہامش الزواجر)

ترجمہ: یعنی آئمہ نے ابن حزم کی تذلیل کرتے ہوئے فرمایا کہ ابن حزم کی بہت سی بے تکی باتیں ہیں اور امور قبیحہ ہیں جو ان کی سختی اور ظواہر پر جمود کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔اسی لئے محققین نے فرمایا ابن حزم کا کوئی وزن نہیں اور نہ اس کے کلام کی طرف نظر کی جائے گی۔اور نہ اس کے خلاف پر (جو اہل سنت سے کیا) کوئی اعتبار و اعتماد کیا جائے گا۔

نیز قطب ربانی امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 973 ھجری) فرماتے ہیں کہ

ولیحذر کل الحذر من مطالعة کتب (ابی) محمد بن حزم الظاهری الابعد التفلع من علوم الشریعة لاسیما فیها مما یتعلق بأصول الدین و قواعد العقائد والمعانی والحقائق لانه رحمة الله تعالیٰ لم تکن له یدفی هذه العلوم و إنما اخذها بألفهم فلم یحسن کلامه فیها۔ (لطائف المنن، جلد 2 صفحہ 29 مطبوعہ مصر)

ترجمہ: ابن حزم ظاہری (غیر مقلد) کی کتابوں کے مطالعہ سے پوری طرح احتراز کرنا چاہیے البتہ جب علوم شریعت میں کمال حاصل ہوجائے خاص طور پر علوم شریعت کی ان

باتوں میں جن کا تعلق اصول دین، عقائد، معانی اور حقائق سے ہے کیونکہ اس کو ان علوم میں پوری دسترس حاصل نہ تھی ان کو اس نے محض اپنی سمجھ سے نکالا ہے اسی وجہ سے ان علوم میں اس سے اچھا کلام صادر نہ ہوا۔

بقول امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ابن حزم کی کتب سے اجتناب کرنا لازم ہے کیونکہ ابن حزم کو اصول دین اور اعتقادی مسائل میں ملکہ تام حاصل نہ تھا جس کی وجہ سے اس سے اعتقادی مسائل میں شدید خطائیں سرزد ہوئیں۔ یہ بات یاد رہے ابن حزم نے اس مسئلہ افضلیت کے ضمن میں جتنے مذاہب نقل کیے اور جن جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال نقل کیے ہیں وہ تمام اقوال اسناد سے منزہ ہیں لہٰذا ابن حزم کی اپنی شخصیت اور پھر بلا اسناد اقوال کو اجماع اہلسنت کے مقابل لا کھڑا کرنا کونسی دیانتداری کا تقاضا کرتا ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 185 مترجم پر لکھا ہے:

از ابراھیم بن محمد البصری از ابوایوب سلیمان بن داؤد الشاذکوفی وہ فرماتے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ، سیدنا علی ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے۔ (بحوالہ الفصل فی الملل والنحل 4/209)

جواب: اس قول کی سند چند وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے۔

۱- سلیمان بن داؤد الشاذکوفی کا سماع نہ تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ہے اور نہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے اس کے سماع کا ثبوت ہے اور یہ کہ درمیان میں تقریباً ایک سے ڈیڑھ صدی کا فرق ہے لہٰذا اسے مرسل کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ منقطع ہے۔

۲- سلیمان الشاذالکوفی کے بارے میں کچھ نقل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ روایت حدیث اور اس کا مذہب سب پر واضح ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

الحافظ مشهور، رماه ابن معين بالكذب، و قال البخاري: فيه نظر۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: 2581)

سلیمان بن داود الشاذکوفی کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔

دیوان الضعفاء، رقم: ۱۷۴۲، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۴۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۸۸، المیزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۰۵، لسان المیزان ج ۲ ص ۸۴)

کچھ لوگوں نے سلیمان بن داوٗد الکوفی کی تعریف بھی کی ہے مگر اگر سلیمان بن داوٗد مختلف فیہ راوی بھی ثابت ہو جائے تو اسکا یہ قول اس لیے نہیں مانا جا سکتا کہ اس قول کی سند ہی موجود نہیں ہے۔ لہٰذا بے سند اقوال کو اس مسئلہ میں پیش کرنا اصول کے خلاف ہے۔ جبکہ اس قول کے برعکس امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ صحیح سند کے ساتھ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ سند کے ساتھ ثابت ہے۔ یہ کہاں کا اصول ہوا کہ ثابت شدہ اسناد کی مخالفت کی جائے اور ضعیف اور منقطع اسناد کے ساتھ استشہاد کر کے اپنے مخالف کے خلاف پیش کیا جائے۔

۳- اس سند میں ابراھیم بن محمد البصری کے مکمل حالات اور سماع کا ثبوت بھی پیش کریں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ افضلیت:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ شیخین کی افضلیت کا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر ثم عمر۔ (شرح اصول الاعتقاد، رقم: ۲۵۳۳)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک دوسرے قول میں فرماتے ہیں:

من فضل على أبي بكر و عمر أحداً من أصحاب رسول الله ﷺ أزرى على اثنى عشر الفاً من أصحاب رسول الله ﷺ۔

(شرح اصول الاعتقاد، رقم: ۲۶۱۰)

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ افضلیت:

قال (امام شعبی) أدركت خمس مائة من أصحاب النبي ﷺ كلهم يقولون أبوبكر رضي الله عنه و عمر رضي الله عنه و عثمان رضي الله عنه و علي رضي الله عنه۔

(معجم ابن المقری، رقم: ۳۰۵)

ترجمہ: امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ سو صحابہ کرام سے ملاقات کی اور تمام صحابہ کرام کہتے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، (پھر) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور (پھر)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور (پھر) حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے استادوں میں حضرت حسن بن علی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

(تہذیب الکمال، رقم: ۳۰۴۲)

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا اپنا عقیدہ تفضیل شیخین کا ہی تھا۔لہٰذا ضعیف سندوں سے مروی روایات کی وجہ سے صحیح عقیدہ سے دور رکھنا دجل اور فریب ہے۔

امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 187 تا ص 192 علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے 5 اقوال نقل کیے ہیں:

۱- کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا قول مشہور تھا۔

(مناقب الائمۃ الاربعۃ ص 294)

۲- اور افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا قول کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک مشہور تھا جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، خدیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، الھیثم بن تیھان رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔(مناقب الائمۃ الاربعۃ ص 294)

۳- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور ان کے مابعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا علی الاعلان اظہار کیا کرتی تھی ان میں سے ایک عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔انہوں نے خوارج سے کہا تھا "میں تمہارے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہتر ہے اور قبول اسلام میں سب سے مقدم ہے اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "اللہ کی قسم وہ (علی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خیر البشر تھے۔

پھر ابوالھیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ سے فضیلت کا بیان نقل کیا ہے۔

۴- حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی غایۃ التبجیل ص 190 پر کہ:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں اپنے قیام کے آخری دور میں فرمایا تھا: اولین اسلام میں ایسی سبقت نصیب ہوئی جو کسی کو نہ ہوئی، لہٰذا تم ان کی طرف قدم بڑھاؤ۔

پھر غایۃ التبجیل ص 191 پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

میں تم (خوارج) لوگوں کے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو لوگوں میں سب سے بہترین اور سب سے پہلے اسلام کو قبول کرنے والا ہے۔ (بحوالہ مناقب الائمۃ الاربعۃ ص 480 ص 481)

۵- غایۃ التبجیل ص 192 پر علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس، امام حسن بن علی، ابی زید، زید، عمار بن یاسر، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ ابوالہیثم بن التیہان انصاری، حذیفہ بن یمان، عمرو بن الحمق، ابوالسعید الخدری رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ضروری ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ "بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی خیر البشر اور لوگوں میں سب سے بہترین شخص ہیں اور صحابہ میں سب سے بڑے عالم، اسلام میں سب سے اول اور تمام لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب ہیں۔ صحابہ کا یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو واجب کرتا ہے۔ (مناقب الائمۃ الاربعۃ ص 306)

جواب: ا-علامہ باقلانی کی پہلی عبارت میں یہ واضح نہیں کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کن سے افضل کہہ رہے ہیں؟ یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ تفضیل میں تقابل یعنی دیگر صحابہ کرام کے مقابلے میں افضل کہنا ایک اہم بات ہے۔ کیونکہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت منقول ہے وہ جنگ جمل کے دوران مولا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یہ اقوال وارد ہوئے ہیں۔ اس کو مطلقاً افضلیت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ محمود سعید ممدوح ان اقوال سے مطلقاً افضلیت بر شیخین کا مفہوم نکالنا چاہتا ہے۔

۲- علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری عبارت میں صرف اور صرف دعویٰ ہے۔ انہوں نے اپنے دعویٰ کی دلیل ذکر نہیں کی لہٰذا اس پر کلام کرنا مناسب نہ ہوگا۔ مزید یہ کہ بطور تنزل ایسے اقوال کی فنی حیثیت تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضلیت کے اقوال سے محل وقت کا تعین کیسے ثابت ہوگا؟ یعنی کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہ اقوال شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے زندگی اور حیات کے اقوال ہیں یا کہ شیخین کریمین کے وصال کے بعد کے ہیں۔ لہٰذا ایسے مبہم اقوال سے اس مسئلہ فضیلت میں استدلال کرنا مناسب نہیں ہے۔

۳- علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری عبارت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ قول کے "میں تمہارے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو تمام

لوگوں سے بہتر ہے اور قبول اسلام میں سب پر مقدم ہے" اس قول کی سند جب تک موجود نہ ہو اس کے بارے میں رائے دینا مناسب نہیں ہے۔

علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کہ خیر البشر بعد رسول اللہ ﷺ یعنی اللہ کی قسم وہ علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خیر البشر تھے" ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث کتب احادیث میں موجود نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مجھے نہ ملی ہو جس دوست کو ملے مجھے اس کی سند اور متن سے ضرور آگاہ کرے تاکہ حقیقت سامنے آسکے۔

علی خیر البشر۔ یا خیر البشر کے الفاظ کے ساتھ مروی احادیث ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ اس مقام پر یہ واضح کردینا مناسب ہوگا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس حدیث کی 2 یا 3 سندیں موجود ہوں تو وہ حدیث حسن درجہ کی بن جاتی ہے مگر عرض یہ ہے کہ یہ اصول مطلقاً ہر جگہ لاگو نہیں ہوتا لہٰذا اس اصول کو ہر جگہ لاگو کرنا غلط ہے۔

مزید یہ کہ علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری عبارت میں ابوالہیثم بن تیہان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت حماد رضی اللہ عنہ کی روایات کی سندیں مذکور نہیں ہیں لہٰذا ایسی بے سند اقوال سے استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ مزید یہ کہ ان حوالہ جات میں یہ معلوم نہیں کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کن سے افضل کہہ رہے ہیں۔ شیخ ممدوح کے پیش کردہ حوالوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ایسی باتیں اور اقوال ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کرنے کیلئے لوگوں کو ترغیب دینے کیلئے کہے تھے۔ جس سے واضح ہوگیا کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں افضلیت علی رضی اللہ عنہ سے مراد بعد از شیخین رضی اللہ عنہما ہی ہیں اور ان کی فضیلت کا دعویٰ ان کے دور کے موجودہ حضرات پر تھا۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور کے موجودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل تھے۔ اس بات کی تائید اور وضاحت خود علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مناقب الائمۃ الاربعۃ ص 481 پر کیا ہے۔ علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"یتحمل ان یکون ممن بقی" یعنی اس بات کا احتمال ہے کہ لوگوں سے مراد وہ حضرات ہوں جو موجود تھے۔

اس عبارت کے ضمن میں شیخ ممدوح غایۃ التبجیل ص 191 کے حاشیہ پر لکھتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی عبارت میں کوئی احتمال نہیں" عرض یہ ہے کہ سعید ممدوح علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ

کے ایک ہی قول کے ایک حصہ کو مانتا ہے جبکہ اسی قول کے دوسرے حصے (یعنی اس بات کا احتمال ہے کہ لوگوں سے مراد وہ حضرات ہوں جو موجود تھے) کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ اسے کہتے ہیں میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھوتھو۔ مزید قارئین کرام خود ہی سوچیں اور ممدوح کے مذموم ارادوں پر غور کریں۔

۴- علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پانچویں عبارت میں علی خیر البشر کی روایت ضعیف ہے۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد 421/7 پر اسے منکر بھی کہا ہے۔ دیگر روایات صحابہ میں سب سے بڑے عالم اسلام میں سب سے اول اور تمام لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب ہونے کے بارے میں تفصیلی جائزہ گزشتہ صفحات پر موجود ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ مزید یہ کہ خود علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الانصاف ص 61 پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے ہیں۔

علامہ ابوجعفر محمد بن عبداللہ الاسکافی کے قول کی تحقیق

غاية التبجيل ص 192 وص 193 پر لکھا ہے۔ ''الاسکافی کی تفضیل علی پر مستقل ایک مطبوع کتاب ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ انبیاء و مرسلین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام عالمین سے افضل ہیں۔ اس کتاب کا نام المعیار و الموازنہ ہے اس میں ایسی عمدہ اور نفیس ابحاث ہیں جنہیں پانے کے لیے شد الرحال (لمبا سفر کرنا) چاہیے تاہم یہ کتاب تحفظات سے خالی نہیں'' (قرآن مجید کے علاوہ کوئی بھی کتاب تحفظات سے خالی نہیں ہے۔ فیضی)

جواب: سعید ممدوح کا یہ فرض بنتا ہے کہ صاحب قول کے مذہب کا تعین کرے کیونکہ اگر قول کرنے والا شیعہ، رافضی یا معتزلی ہے تو اس کی عبارت ہم پر کیسے حجت کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ باتیں تو صرف اس لئے نقل کی جا رہی ہیں کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قول کس کس سے وارد ہیں۔ تو جواباً عرض یہ ہے کہ ابتداء سے شیعہ اور رافضی کا عقیدہ ہی یہی رہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ لہٰذا شیعہ کے اقوال ہم اہل سنت کے خلاف نقل کرنا ایک علمی دھوکا اور خیانت ہے۔ محدثین کرام کی ابوجعفر الاسکافی کے بارے میں کیا رائے ہے؟ ملاحظہ فرمائیں۔

۱- علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء 550/10 پر الاسکافی کو شیعہ لکھا ہے۔

۲- حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان رقم: 773 پر الاسکافی کو معتزلی لکھا ہے۔

لہٰذا ایسے شیعہ اور معتزلی کا قول آپ ہی کو مبارک ہو اور رہا ظہور احمد فیضی صاحب کا حاشیہ میں یہ لکھنا کہ کون سی کتاب تحفظات سے خالی ہے۔ تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ جناب فیضی صاحب کو تو اپنے مطلب کا حوالہ چاہیے۔ چاہے وہ کتاب تحفظات سے خالی ہو یا نہ ہو۔ اس کتاب کی اسناد چاہے مشکوک ہوں یا منقطع ہوں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا تحقیقی معیار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی پیروی سے محفوظ فرمائے۔

قاضی عبدالجبار اسد آبادی کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 193 پر لکھا ہے:

"قاضی عبدالجبار اسد آباد معتزلی شافعی نے المغنی 120/2/20 میں لکھا ہے: رہے ہمارے مشائخ میں تو ان میں اکثر بغدادی حضرات تو وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں۔"

جواب: عبدالجبار الاسد آبادی معتزلی ہے۔ لہٰذا اس کے قول سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ معتزلیوں کے اقوال تفضیلیوں کو ہی مبارک ہوں۔ اہل سنت کے مدمقابل ایسے اقوال پیش کرنا تسلیٔ طفل ہے۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب طبقات الشافعیہ الکبریٰ 97/5 رقم 444 پر اسے معتزلی لکھا ہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ بغداد رقم: 5806 پر اسے معتزلی لکھا ہے۔

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الفقہاء الشافعیہ رقم: 191 پر اسے معتزلی لکھا ہے۔

علامہ احمد بن محمد الادنروی نے طبقات المفسرین رقم: 137 پر اسے معتزلی لکھا ہے۔

لہٰذا ایسے معتزلی جس کا مذہب ہی تفضیل علی ہو اس کو ہمارے خلاف نقل کرنا ایک علمی دھوکا ہے۔ جبکہ بدعتیوں کے اقوال سے استدلال کرنا جہالت اور گمراہی ہے۔

ابن ابی الحدید کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 195 تا ص 197 تک ابن الحدید کی کتابوں سے استفادہ کرکے لکھا

ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول قدیم ہے کثیر صحابہ اور تابعین نے قول کیا ہے۔ ابن ابی الحدید پھر کہتے ہیں اور بنو امیہ کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل تھی۔ خالد بن سعید بن عاص اور عمر بن عبدالعزیز کا تعلق اسی جماعت سے ہے۔ (بحوالہ شرح نہج البلاغۃ 402/20)

ابن ابی الحدید ایک اور مقام پر لکھتے ہیں...... اور اس دور میں لفظ شیعہ کا اطلاق فقط ان حضرات پر کیا جاتا تھا جو تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے...... فقط تفضیل کے قائلین کا نام ہی شیعہ تھا۔ اسی لئے ہمارے اکابرین معتزلہ اپنی کتب وتصانیف میں کہتے ہیں: نحن الشیعۃ حقاً۔ (صحیح شیعہ ہم ہیں)۔

جواب: ابن ابی الحدید بڑا معتزلی تھا اور معتزلی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی افضل سمجھتے تھے۔ یہ معتزلیوں کا مذہب تھا۔ لہٰذا ان حوالوں کو ہمارے خلاف نقل کرنا اصول کے خلاف ہے۔

ابن ابی الحدید کو حافظ ابن تغری بردی نے المنهل الصافی رقم: 1363

ابن ناصر الدین الدمشقی نے توضیح المشتبہ 150/3

اور زرکلی نے الاعلام 289/3 پر اسے معتزلی کہا ہے۔

لہٰذا معتزلیوں کے اقوال سے استدلال کرنا غلط اور اہل سنت کے مدمقابل پیش کرنا جہالت ہے۔

مزید یہ کہ ابن ابی الحدید نے لفظ شیعہ پر تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہونے کا اطلاق کیا ہے جو کہ غلط ہے۔ کیونکہ لفظ شیعہ کا غلط استعمال کیا گیا ہے۔ پیش کردہ حوالہ کے حاشیہ میں غایۃ التبجیل صفحہ 196 پر سعید ممدوح نے ایک اہم بات لکھی ہے کہ

"ابن ابی الحدید کے قول میں غور فرمائیے اور اس زمانے میں لفظ شیعہ ان لوگوں کے بارے میں معروف تھا جو افضلیت علی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے یہ بات امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حزم کے اس قول کے موافق ہے جو پیچھے گزر چکا ہے اور یہ زمانہ صفین اور اس کے بعد کا زمانہ پس اس زمانے میں صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد (مذکورہ صورت میں) شیعہ تھی۔"

شیخ ممدوح نے خود اعتراف کر لیا ہے کہ یہ اقوال زمانہ جنگ صفین اور اس کے بعد کے زمانہ کے ہیں۔ ہم نے بھی اس نکتہ کے بارے میں متعدد مقامات پر وضاحت کی ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے جو اقوال وارد ہوئے ہیں یا جس میں فضیلت کا ذکر ہے وہ اہل زمانہ

کے لوگوں میں سے افضل ہونے کا قول ہے یعنی شیخین کے بعد کے دور کے اقوال ہیں۔ جیسے علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے لہٰذا ایسے اقوال سے استدلال کر کے مولا علی رضی اللہ عنہ کو مطلقاً افضل کہنا غلط ہے۔ اور ایسے حوالہ جات شیخ محمود سعید ممدوح کو مفید نہیں جبکہ ہمارے دعویٰ کے منافی نہیں۔ لہٰذا ایسے حوالہ جات سے صفحے تو کالے کیے جاسکتے ہیں مگر شیخ ممدوح اپنا عقیدہ ثابت نہیں کر سکتا۔

مزید عرض یہ کہ محدثین کرام میں سے چند ایسے ثقہ محدثین بھی ہیں جن پر شیعہ ہونے کا الزام بھی ہے جیسے حکم بن عتیبۃ، سلمۃ بن کہیل، حبیب بن ابی ثابت اور منصور وغیرہ۔ مگر ان کے محدثین کرام کا انہیں ثقہ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ محدثین کرام ان کے عقیدہ کو قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ بر عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی تشیع کہتے ہیں اور تفضیل علی رضی اللہ عنہ بر شیخین کو بھی تشیع کہتے ہیں۔ لہٰذا ان محدثین کرام کا تشیع کی نوعیت جاننا بھی ضروری ہے کہ وہ کس عقیدے پر تھے۔ صرف لفظ تشیع سے ان کا مذہب متعین نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب سیر الاعلام النبلاء رقم: ۱۸۱ پر منصور بن المعتمر کے بارے میں لکھا ہے کہ قلت: تشیع حب و ولاء فقط یعنی کہ میں ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہوں کہ ان کی تشیع محبت اور اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

حافظ عبید اللہ بن عبد اللہ المعروف بالحسکانی کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 198 پر حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو جو مناقب حاصل تھے اگر ان میں ایک حقیقت (خوبی) مخلوق میں تقسیم کی جائے تو سب کی بھلائی کیلئے وسیع ہوگی۔ (شواہد التنزیل لقواعد التفضیل للحسکانی ص 18)

جواب: عرض یہ ہے کہ اس قول کو نقل کرنے والا حسکانی رافضی تھا اور صحابہ کرام پر سب وشتم بھی کرتا تھا۔ اس کے تشیع پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح تذکرۃ الحفاظ رقم: 1031 پر موجود ہے۔ اس کی کتاب بشواہد التنزیل لقواعد التفضیل کی سند میں گڑبڑ بھی ہے۔ اور اس کی کتاب کو روایت کرنے والے راوی بھی گڑھ بڑھ ہیں۔ تفصیل کیلئے فتاویٰ سبکی 2/590 ملاحظہ کریں۔ قطع نظر اس کے الحسکانی کی کتاب شواہد التنزیل علمی اور تحقیقی خرابیوں کا شکار ہے۔

اس قول کی ایک اور سند مصنف ابن ابی شیبہ رقم: 121777 پر بھی ہے۔ مگر اس کی تمام

سندوں میں ایک راوی فطر بن خلیفہ ہے۔اس کے بارے میں محدثین کی رائے ہے کہ حدیث روایت کرنے میں تو ثقہ ہے مگر اس کا مذہب شیعہ اور جہمیہ ہے۔محدثین کرام کی آراء ملاحظہ کریں۔

۱- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خبشی مفرط۔ (تہذیب التہذیب رقم:550)

(خبشی: هو الرافضی فی عرف السلف۔ المشتبۃ للذهبی 217/1)

۲- امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فیه تشیع قلیل۔ (معرفۃ الثقات رقم:1489)

۳- امام ساجی نے کہا: وکان یقدم علیاً علی عثمان۔ (تہذیب التہذیب رقم:550)

۴- امام السعدی نے کہا: زائغ غیر ثقة۔ (تہذیب التہذیب رقم:550)

۵- امام قطبۃ بن العلاء نے کہا: یروی أحادیث فیها أذراء علی عثمان۔

(تہذیب التہذیب رقم:550)

۶- علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: شیعی جلد۔ (الکاشف رقم:4494)

۷- امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: زائغ لا یتج به۔ (المغنی فی الضعفاء رقم:4966)

۹- ابوبکر بن عیاش نے کہا: ما ترکت الراویة عن فطر إلا بسوء مذهبه۔

(سیر اعلام النبلاء 31/73)

۱۰- امام یحیی بن معین نے کہا: ثقه شیعی۔ (میزان الاعتدال رقم:6779)

لہٰذا مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ فطر بن خلیفہ صرف شیعہ نہیں بلکہ امام احمد بن حنبل کے قول کے مطابق رافضی بھی تھا۔اور فطر بن خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کرتا اور مولا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تقدیم دیتا تھا۔لہٰذا محدثین کرام کے بنائے ہوئے اصولوں کے تحت ہی اس کی روایت لینا غلط ہے۔

مزید یہ کہ ہمیں مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلتوں اور عظمتوں کا بھرپور احساس اور علم ہے۔ہمیں کسی شیعہ راوی کی روایت پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اور یہ کہ پیش کردہ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی روایت سے تو مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے جو کہ ہمیں تسلیم ہے۔مگر جناب مسئلہ افضلیت اور مسئلہ فضیلت میں بڑا فرق ہے۔لہٰذا اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھ کر دلائل دینے چاہئیں۔یہ حوالہ آپ کو مفید نہیں اور ہمارے خلاف نہیں۔بہرحال ایسے حوالہ جات سے اپنے حوارین کو ہی خوش کر سکتے ہیں مگر ایسے حوالوں کا علمی میدان میں کوئی مقام نہیں۔

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا قول:

غایۃ التبجیل ص 199 پر لکھا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب عظیم المرتبت صحابی حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو جب معرکہ کا حکم مقرر فرمایا تو انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا لوگوں ہم نے اس شخص کی بیعت کی ہے جس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ وہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بہتر ہیں۔
(بحوالہ تاریخ الملوک والامم لابن جریر الطبری 66/3 فیضی)

جواب: جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے تاریخ الملوک کا حوالہ تو بتا دیا۔ مگر بہتر ہوتا کہ وہ اس کی سند بھی نقل کر دیتے تا کہ عوام الناس مزید استفادہ کر سکتے۔ ایسے بے سند اقوال شیخ ممدوح اور ظہور احمد فیضی کو ہی مبارک ہوں۔ اس قول کو نقل کر کے شیخ محمود سعید ممدوح نے اپنی تاویلات کی کمر خود ہی توڑ کر رکھ دی ہے۔ کیونکہ اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تاویل یہ کی تھی کہ خلفاء ثلاثہ خلافت میں افضل ہیں نہ کہ مطلقاً افضل ہیں۔ اس نقل کردہ عبارت میں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہی اسی وجہ سے کی جارہی ہے کہ وہ سب سے افضل ہیں۔ معلوم ہوا کہ خلافت کیلئے افضل شخص کا ہونا ضروری ہے اور یاد رہے کہ خلفاء اربعہ کی خلافت سے مراد خلافت خاصہ ہے نہ کہ خلافت عامہ۔ خلافت خاصہ اور خلافت عامہ کی تفصیل کے بارے میں فاتح قادیانیت قبلہ حضرت سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تصفیہ مابین سنی و شیعہ کا مطالعہ فرمائیں تا کہ آپ کی بند آنکھیں کھل سکیں۔

جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تاویل آپ اپنی مرضی سے کر سکتے ہیں تو اگر ہم جواباً عرض کریں کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضیلت میں پیش کردہ اقوال میں فضیلت سے مراد خلافت میں فضیلت ہے تو پھر آپ بڑا شور مچائیں گے۔ اور پھر ناصبی کہ فتویٰ فوراً اپنے دربار عالیہ سے جاری کر دیں گے۔ مگر خود شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا انکار کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ جناب ایسی باطل تاویلات اپنی پٹاری میں ہی رہنے دیں تو بہتر رہے گا۔ لہٰذا ایسے بے سند اقوال سے استدلال مردود اور غلط ہیں جس کا مسئلہ افضلیت سے کوئی تعلق ہی نہیں بنتا۔

مقدسی کے حوالہ کی تحقیق:

غایۃ التبجیل ص 199 پر لکھا ہے:

مقدسی اپنی کتاب البدء والتاریخ میں لکھتے ہیں" جان لو کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں شیعہ کے تین فرقے تھے۔

۱- ایک فرقہ کا اوڑھنا بچھونا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خصوصی وابستگی

۲- دوسرا فرقہ حضرت عثمان کے معاملے میں کچھ غلو کا مرتکب ہو اور حسنین کریمین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قدرے کنارہ کش ہوا۔

۳- تیسرا فرقہ شدید غالی تھا۔" (البدء والتاریخ 52ص 125.129)

جواب: البدء والتاریخ کے مولف ابن مطہر مقدسی ہیں اور یہ کتاب امام ابی زید احمد بن سہل البلخی کی طرف منسوب ہے۔ مزید یہ کہ اس حوالہ میں فرقہ اولیٰ جن کا اوڑھنا بچھونا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خصوصی وابستگی تھا یہ فرقہ اہل سنت و جماعت کا تھا اور جبکہ دوسرا اور تیسرا فرقہ شیعہ اور رافضیوں کا تھا جیسا کہ عبارت سے واضح ہے۔ مگر یاد رہے کہ فرقہ اولیٰ کا تعلق ایسے صحابہ کرام سے تھا جو کہ جنگ صفین میں ان کے ساتھ یعنی کہ 37ھ کے بعد کا یہ دور ہے اور اس وقت خلفاء ثلاثہ اس دنیا سے وصال کر چکے تھے۔ لہٰذا ایسے حوالے ہمارے مؤقف کے خلاف نہیں بلکہ مفید ہیں۔ کیونکہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اکثر اقوال جنگ صفین اور اس کے بعد کے اقوال ہیں، جس کا اقرار خود شیخ محمود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص ۱۹۶ پر کیا۔ لہٰذا ایسے اقوال کو ہمارے خلاف پیش کرنا سراسر بے وقوفی ہے۔

جلیل القدر صحابی ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کے قول کی تحقیق:

غایۃ التبجیل ص 200 پر لکھا ہے:

مرزبانی نے کہا، جب حضرت عثمان کی شہادت کی خبر اہل کوفہ کو پہنچی تو ہاشم نے ابو موسیٰ اشعری کو کہا: اے ابو موسیٰ ہم اس امت کی بہترین ہستی علی کی بیعت کریں۔ (بحوالہ الاصابۃ 593/3)

جواب: حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے قول میں "اس وقت کے بہترین شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں" کے الفاظ واضح موجود تھے۔ مگر تحریف معنوی کرتے ہوئے "اس وقت" کا ترجمہ نہیں کیا۔ جب کہ پیش کردہ حوالہ میں بھی ان الفاظ کا واضح قرینہ اور ثبوت موجود ہے۔

مزید یہ کہ اول تو اس قول کی سند نقل کریں۔ تاکہ عوام الناس پر اس پیش کردہ حوالہ کی حقیقت آشکار ہو سکے۔ مرزبانی سے لے کر صحابی رسول ہاشم بن عتبہ کے درمیان صدیوں کا فرق ہے۔ ایسے

بے سند اقوال کی کیا حیثیت ہے۔ جسے علماء کرام کی تائید تک حاصل نہیں ہے۔

دوم اس قول کے راوی مرزبانی کے بارے میں وضاحت کریں کہ یہ کون ہیں؟ اور ان کا مقام کیا ہے؟ اگر محمد بن عمران بن موسیٰ المرزبانی ہے تو خطیب البغدادی نے اس کو تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۵۳ پر رافضی کہا ہے۔ لہٰذا رافضیوں کے عقیدے اور حوالہ جات آپ کو اور آپ کے حوارین کو ہی مبارک ہوں۔

سوم یہ کہ اس پیش کردہ قول سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یہ قول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور کے بعد کا ہے (یعنی کے خلفاء ثلاثہ کے دور کے بعد کا ہے) اور ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت کے تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ جو کہ آپ کو مفید نہیں اور ہمیں مضر نہیں۔

چہارم یہ کہ حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ قول (اگر اس کی سند ثابت ہو جائے) سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خلافت کا حق دار افضل شخص کو مانتے تھے جس پر ان کا یہ قول شاہد ہے۔ لہٰذا یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ خلافت اور افضلیت متلزم نہیں بالکل غلط ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے تو اپنی کتاب تصفیہ مابین سنی وشیعہ میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ خلافت خاصہ کے لیے افضل کا ہونا ضروری ہے۔

صحابی حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ بھی خلافت کیلئے افضل شخص کے ہونے کی تصریح کر رہے ہیں۔ جو کہ ہمارے مؤقف کو ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا ممدوح کا یہ شور مچانا کہ خلافت کیلئے افضلیت شرط نہیں ہے۔ اس شور کا توڑ شیخ ممدوح نے اس قول کو پیش کر کے کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ افضلیت کا شرط ہونا خلافت خاصہ کیلئے ہے نہ خلافت عامہ کیلئے۔ لہٰذا ایسے اقوال پیش کر کے ممدوح خود اپنے مؤقف کی نفی کر رہا ہے۔ اور اپنا رد خود ہی کر رہا ہے۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عتبہ بن ابی لھب کے قول کی تحقیق:

غایۃ التبجیل ص 201 پر لکھا ہے:

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عتبۃ بن ابی لہب بن عبد المطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ معاملہ پہلے بنو ہاشم سے پھر ابوالحسن سے رخ موڑ جائے گا۔
کیا وہ پہلے شخص نہیں جس نے تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور کیا وہ تمام لوگوں سے

بڑھ کر عالم کتاب وسنت نہیں۔ (بحوالہ اسد الغابہ 40/4)

جواب: اس قول کی سند پیش کریں۔ مجہول اور بے سند اقوال تحقیقی مسائل میں قابل قبول کیسے کیے جاسکتے ہیں۔ مزید یہ کہ اشعار واقوال عتبہ بن ابی لہب کے نہیں بلکہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ بن عتبہ کے ہیں۔ اس پیش کردہ قول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول موجود نہیں اور یہ قول خلفاء ثلاثہ کے دور کے بعد کا ہے۔ لہٰذا اس قول کو ہمارے مؤقف کے خلاف نقل کرنا مردود ہے۔ جو کہ ہمارے منافی نہیں اور آپ کو قطعاً مفید نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق

غاية التبجيل ص 201،202 پر لکھا ہے:

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرثیہ میں فرمایا تھا۔

کاش میں جانتا کہ کون ہماری ذمہ داری اٹھائے گا اور کیا قریش میں امام کے بارے میں تنازع ہوگا؟ اس امر کو سنبھالنے کے لیے تین قریشی افراد ہیں اللہ بہتر کرنے والا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ یا صدیق رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ اس کے اہل ہیں اور ان تین کے بعد کوئی چوتھا اس کا اہل نہیں۔ (بحوالہ طبقات الکبریٰ 410/2)

جواب: حافظ ابن سعد نے اس پیش کردہ قول کی سند کچھ یوں دی ہے۔

هشام بن محمد الكلبي عن عثمان بن عبد الملك أن عمران بن بلال بن عبد الله بن انيس قال سمعتهما۔

ترجمہ: ہشام بن محمد الکلبی کے بارے میں تقریباً سبھی کو معلوم ہے کہ وہ کیسا راوی ہے۔ لہٰذا اس کذاب اور رافضی پر مزید کلام کرنے کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس سند میں دوسرا راوی عثمان بن عبد الملک ضعیف ہے:

ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: منكر الحديث۔ (الجرح والتعدیل رقم: 870)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: منكر الحديث۔ (الضعفاء والمتروکین رقم: 2275)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ضعيف۔ (الکاشف رقم: 3721)

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ سند ضعیف ہے اور اسکے راوی ہشام بن محمد الکلبی اور عثمان بن عبد الملک

بھی مجروح ہیں۔اس لئے اس قول پر اعتماد کرنا غلط ہے۔شیخ سعید ممدوح کو چاہیے کہ وہ صحیح سند کے ساتھ اقوال نقل کریں کیونکہ ایسے اقوال سے استدلال کرنا مسئلہ افضلیت میں قابل قبول نہیں ہیں۔اس پیش کردہ حوالہ میں کون سی ایسی بات ہے جوکہ تفضیلیوں کے موقف کو ثابت کرتی ہے۔لہٰذا ایسے اقوال پر بغلیں بجانا عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق

شیخ محمود سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص 202 پر لکھتا ہے:

تفضیلیوں میں سے ایک صحابی جلیل،شیعہ اہل بیت حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔وہ تمام جنگوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معاون رہے۔انہوں نے جنگ صفین میں بعض نواصب کی تردید میں فرمایا تھا۔

تیرے لیے یہ سختی ظاہر کرنے والا دن ہے،یہ وہ دن ہے جوستاروں کو پوشیدہ نہیں کرتا۔

اے تذبذب کے شکار زندہ!ہم کسی ظالم جماعت سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔

اس لیے کہ ہمارے درمیان ماہر بہادر موجود ہیں،ابن بدیل غضبناک شیر کی طرح ہے۔

علی رضی اللہ عنہ ہمیں محبوب ہو گئے،ہم ان پر ماں باپ کو قربان کرتے ہیں۔

جواب: حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ کو تفضیلی کہنا مردود ہے۔کیونکہ پیش کردہ قول میں کوئی لفظ بھی مسئلہ تفضیل کے بارے میں نہیں ہے اور ان کو اصطلاحی شیعہ کہنا باطل اور مردود ہے۔جناب والا،کوئی سنی عالم یا ایک عام شخص اپنے آپ کو شیعہ کہلوانا پسند نہیں کرتا جبکہ آپ تو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں شیعہ کے لفظ کا اطلاق کر رہے ہیں۔لہٰذا ان کو تفضیلی کہنا تسامح سے کم نہیں ہے اور پیش کردہ قول میں کسی مقام پر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ثلاثہ سے افضل کہنا ثابت نہیں ہوتا۔ایسے اقوال نقل کرنا فضول ہے کیونکہ یہ ہمارے دعوی کے خلاف نہیں جبکہ آپ کے دعویٰ کو ثابت بھی نہیں کرتا۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 203 اور ص 204 پر لکھا ہے:

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی منبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیعت کی گئی تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے منبر کے سامنے کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے۔ترجمہ:

"جب ہم نے علی کی بیعت کی تو ہمیں کافی ہیں ابو الحسن ان فتنوں سے بچانے کیلئے جن سے ہم خوفزدہ ہیں ہم نے انہیں دوسرے لوگوں سے زیادہ لوگوں کا محبوب پایا۔بے شک وہ کتاب وسنت کی رو (یا فہم) سے قریش کی عمدہ ہستی ہیں۔بے شک قریش کا رعب اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ وہ کسی کمزور پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ان (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) میں وہ ساری خوبیاں ہیں جو تمام لوگوں میں ہیں اور ان میں محاسن نہیں جو تنہا ان میں ہیں۔" (بحوالہ مستدرک حاکم ج 3 ص 114,115)

جواب: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ان اشعار سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ یہ اشعار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیعت کے وقت پڑھے گئے تھے۔جبکہ ہمارا بھی یہ مؤقف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ کے بعد اپنے وقت کے تمام لوگوں سے افضل تھے۔شیخ سعید ممدوح جس جگہ کوئی فضیلت کی بات پڑھتا ہے تو اسے فوراً مسئلہ افضلیت میں درج کر دیتا ہے۔جناب عالی! نفس مسئلہ سمجھیں اور پھر دلائل کی بھرتی کریں۔خواہ مخواہ ایسے دلائل دینا جس میں اختلاف ہی نہیں، جہالت ہے۔اختلاف تو یہ ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد شیخین کریمین رضی اللہ عنہما افضل ہیں یا کوئی دوسرے صحابی افضل ہیں۔ہم تو مولا علی رضی اللہ عنہ کو خلفاء ثلاثہ کے بعد افضل مانتے ہیں لہٰذا یہ اشعار ہمارے مؤقف کی تائید کر رہے ہیں۔لہٰذا ایسے اقوال جو خلفاء ثلاثہ کے بعد ہیں ہمارے خلاف نقل کرنا تسامح ہے۔

مزید یہ کہ اس کی سند میں ایک راوی وضاح بن یحییٰ النہشلی کی توثیق ثابت کریں۔

خود علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال رقم: 1694

اور دوسری کتاب المغنی فی الضعفاء رقم: 6840 پر ضعیف لکھا ہے۔

جبکہ ابن جوزی نے الضعفاء والمتروکین رقم 3638 پر درج کیا ہے۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لسان المیزان رقم: 8348 پر ضعیف کہا ہے۔

لہٰذا اس کی توثیق بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔ایسی ضعیف اور اپنے دعویٰ پر دلالت نہ کرنے والی روایات سے آپ اپنے حوارین کو خوش تو کر سکتے ہیں مگر ایسے حوالوں کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ابوالاسود دؤلی کے مؤقف کی تحقیق:

غایۃ التبجیل ص 204 پر لکھا ہے۔

حضرت ابوالاسود دؤلی صادق تابعی کا نصرت حق میں موقف مشہور ہے۔انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جدائی میں کہا تھا:

(آگے ابوالاسود دؤلی کے اشعار نقل کیے ہیں۔جن میں سے چند اشعار یہ ہیں کہ)

''اور اُسے (قتل کردیا) جس میں تمام عمدہ مناقب جمع ہیں اور جو رب العلمین کے رسول کا محبوب ہے۔

یقیناً! قریش جانتے ہیں وہ جو بھی ہوں کہ وہ حسب اور دین کے لحاظ سے ان سب سے بہتر ہیں۔'' (بحوالہ انساب الاشراف ج ۳ ص ۲۶۵، دیوان ابی الاسود الدولی ص ۱۷۴)

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوالاسود دؤلی مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے۔مگر اس پیش کردہ حوالہ سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ وہ خلفاء ثلاثہ سے بھی حضرت علی المرتضیٰ سے بھی افضل سمجھتے تھے۔حالانکہ مسئلہ بھی یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ ہم اس بات کا اعادہ بار بار کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں خلفاء ثلاثہ کے بعد سب سے افضل تھے۔اور ابو الاسود دؤلی کے اشعار سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔یہ کیا عجیب مذاق ہے کہ حب علی رضی اللہ عنہ کو تفضیل کا نام دے دیا گیا ہے اور اس قول یہ میں بھی صراحت نہیں کہ یہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ برعثمان رضی اللہ عنہ ہے یا تفضیل حضرت علی رضی اللہ عنہ برحضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔افضلیت میں تقابل اور زمانہ کی بڑی اہمیت ہے۔شیخ سعید ممدوح کے پیش کردہ اقوال میں ابہام ہی ابہام ہے۔کوئی چیز واضح نہیں ہے۔اختلافی مسئلہ کچھ اور ہے اور دلائل کچھ اور ہیں۔دعویٰ خاص ہے جبکہ دلیل عام ہے۔جبکہ خود شیخ ممدوح نے یہ واضح کردیا کہ یہ اشعار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے ہیں۔جس سے یہ معلوم ہوا کہ ابوالاسود دؤلی بھی حضرت علی المرتضیٰ کو خلفاء ثلاثہ کے بعد افضل مانتے تھے۔

جناب عالی! کچھ تو خیال کریں کہ کیا ثابت کرنا تھا اور دلائل کیا پیش کر رہے ہیں۔اور ویسے بھی ان اشعار کی نسبت ابوالاسود الدؤلی کی طرف ہے۔لہٰذا ایسے اقوال سے ہمارے مؤقف پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔جبکہ یہ دلائل شیخ سعید ممدوح کو مفید ہی نہیں ہیں۔یاد رہے کہ معنوی شیعہ، لفظی شیعہ

اور اصطلاحی شیعہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ابن جحاظ معتزلی نے ابو الاسود دؤلی کو شیعہ کہا تھا۔اس پر حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ

وقال غيره: قتال أبو الأسود يوم الجمل مع علي بن أبي طالب رضي الله عنه وكان من وجوه الشيعة۔ (سیر الاعلام النبلاء،رقم:۲۸)

ترجمہ:یعنی کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ جمل میں ہونے کی وجہ سے شیعہ کا اطلاق ہوا تھا نہ کہ ان کی مراد اصطلاحی شیعہ تھا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ابوالاسود الدؤلی کے قول سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اور ہمارے مدعی کے خلاف نقل نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت اُم سنان بنت خیثمہ مذحجیہ کے قول کی تحقیق

غاية التبجيل ص 206 پر حضرت ام سنان بنت خیثمہ سے چند اشعار نقل کیے ہیں:

"اے آل مذحج رکنے کا مقام نہیں، جلدی کرو! آل احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن پر تول رہا ہے۔

یہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اس بابرکت چاند کی طرح جسے وسط آسماں میں کواکب نے گھیرا ہوتا ہے۔

تمام مخلوق سے بہتر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد ہیں اگر وہ تمہیں نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہدایت دینا چاہتے ہیں تو تم حاصل کرو۔

جب سے انہوں نے جنگوں میں شرکت کی مسلسل فتحیاب رہے، فتح ان کے پرچم پر سایہ فگن رہی۔" (بحوالہ عقد الفرید 214/1،صبح الاعشی ج1ص258)

جواب: پیش کردہ اشعار بھی خلفاء ثلاثہ کے بعد جنگوں (صفین، نہروان) کے درمیان میں وارد ہوئے ہیں۔جن سے ثابت ہوا کہ حضرت ام سنان بنت خیثمہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلفاء ثلاثہ کے بعد افضل مانتی تھیں۔جو کہ ہمارے دعویٰ کی تائید ہے۔لہٰذا یہ قول تو آپ کے مدعا کے منافی ہے۔شیخ ممدوح کے پیش کردہ قول میں سیدنا علی المرتضیٰ کو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے افضل نہیں کہا گیا۔ایک اہم بات یاد رہے کہ ایسے ہزاروں اقوال محدثین کرام سے منقول ہیں کہ ہم نے فلاں سے افضل نہیں دیکھا یا ہم نے فلاں سے اعلم نہیں دیکھا یا ہم نے فلاں سے متقی نہیں دیکھا۔ان اقوال سے یہ مراد لینا کو وہ شخص سب امت میں سے افضل یا اعلم یا متقی ہوگا، جہالت اور بے وقوفی ہے۔

مزید یہ کہ اس قول کی سند نہ تو العقد الفرید میں ہے اور نہ ہی صبح الاعشی میں ہے بلکہ اس کی سند اختیار الوافدات 21/1 پر موجود ہے۔ اور یہ العباس بن بکار الضبی کی تصنیف ہے۔ اس کو محدثین کرام نے کذاب اور ضعیف تک کہا ہے۔

۱- ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: منکر الحدیث۔ (الکامل ابن عدی رقم:184)

۲- دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کذاب۔ (لسان المیزان رقم:1052)

۳- عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: الغالب علی حدیث الوھم والمناکیر۔ (ضعفاء عقیلی رقم:1399)

۴- ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: الغالب علی حدیث الوھم والمناکیر۔ (الضعفاء عقیلی رقم:1399)

۵- ابو نعیم نے کہا: یروی المناکیر لا شیء۔ (لسان المیزان رقم:1052)

۶- علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یتھم بحدیثه۔ (میزان الاعتدال رقم:4168)

۷- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اتھم بحدیثه۔ (لسان المیزان رقم:4099)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ العباس بن بکار الضبی ضعیف بلکہ کذاب تھا۔ اس کی کتاب پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور مزید یہ کہ اس کی کتاب اخبار الوافدات کی مروی سند بھی مشکوک ہے۔ لہٰذا ایسے اقوال پر بغلیں بجانا جس سے مدعا تو بالکل ثابت نہیں ہوتا، شیخ سعید ممدوح اور ان کے حواریین کا ہی کام ہے۔

حضرت سودہ بنت عمارہ کے قول کا تحقیقی جائزہ

غایۃ التبجیل ص 207 پر حضرت سودہ بنت عمارہ رضی اللہ عنہا سے منسوب اشعار اور فرمان لکھے ہیں کہ

”سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کی مدد کرو اور آہستگی سے ہند اور اس کے بیٹے کا قصد کرو۔

بیشک خلیفہ اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی ہیں، جو ہدایت کی علامت اور مینار ایمان ہیں۔ (بحوالہ صفین لنصر بن مزاحم ص ۱۶)

جواب: عرض یہ ہے کہ کتاب صفین کا مصنف نصر بن مزاحم متروک، شیعہ اور غالی رافضی ہے۔ جس پر

محدثین کی جرح اسی باب میں گزر چکی ہے۔
ان اشعار سے اپنا مطلب نکالنا فضول ہے۔ کیونکہ ان اقوال سے یہ ثابت ہو رہا کہ جنگ کے درمیان ایسے اقوال وارد ہوئے ہیں۔ اور یہ جنگیں صفین اور نہروان کی تھیں اور اس وقت خلفاء ثلاثہ کا دور مکمل ہو چکا تھا۔ اور ہم تو مدعی اس بات کے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ ان خلفاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔ یہ اشعار آپ کے دعوی پر دال نہیں جبکہ ہمارے منافی نہیں۔ تو ان کا پیش کرنا کس مقصد کے تحت ہے؟

ضعیف رافضی سندوں والے اقوال سے اپنا عقیدہ ثابت کرنا شیخ سعید ممدوح جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔ مگر ہم ایسی ناپاک کوششوں سے پردہ اٹھاتے رہیں گے اور حقائق عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے تاکہ ایسے لوگ عوام الناس کو گمراہ نہ کرسکیں۔ اور لوگوں کا عقیدہ صحیح اور سلامت رہ سکے۔

حضرت زحر بن قیس کے قول کا تحقیقی جائزہ

غایۃ التبجیل ص 207 پر حضرت زحر بن قیس رضی اللہ عنہ سے منسوب اشعار نقل کیے ہیں کہ
جریر بن عبداللہ! ہدایت سے منہ نہ موڑ! علی کی بیعت کرلے، میں تیرا خیر خواہ ہوں۔ یقیناً علی ان سب سے بہتر ہیں جو کنکریلی زمین پر چلتے ہیں۔ ماسوا سیدنا احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور موت تو صبح یا شام آکر ہی رہے گی۔ (بحوالہ صفین لنصر بن مزاحم ص ۱۶)

جواب: نصر بن مزاحم کے بارے میں تو محدثین کی جرح پہلے گزر چکی ہے۔

پھر یہ کہ ان اشعار سے اپنا مطلب نکالنا فضول ہے کیونکہ ان اشعار میں تو واضح ہو رہا ہے کہ یہ اشعار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے کے وقت کے ہیں۔ جس کے اہلسنت بھی قائل ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں افضل ترین شخصیت تھے۔ مگر شیخ ممدوح تو اس بات کا قائل ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ اور اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے اسے کوئی دلیل نہیں مل رہی۔ لہٰذا ایسے ضعیف اور رافضیوں کی کتابوں سے اقوال نقل کرنے پڑ رہے ہیں۔

اس پر طرہ یہ کہ شیخ ممدوح نے خود ایک پورا باب صرف اس بات کی خاطر باندھا ہے کہ خلافت

کے لیے افضلیت شرط نہیں ہے۔ جبکہ اس قول میں یہ واضح طور پر بیان ہے کہ حضرت زحر بن قیس رضی اللہ عنہ بیعت کرنے کی دلیل خیر ہونے کو بنا رہے ہیں۔ اس کا جواب تو شیخ ممدوح یا اس کے حواری دے سکتے ہیں کہ صحابی کا موقف صحیح ہے یا کہ شیخ ممدوح کا؟

ضعیف رافضی راویوں کی سندوں والے اقوال سے اپنا عقیدہ ثابت کرنا شیخ سعید ممدوح جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔ مگر ہم ایسی ناپاک کوششوں سے پردہ اٹھاتے رہیں گے اور حقائق عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے تاکہ ایسے لوگ عوام الناس کو گمراہ نہ کرسکیں۔ اور لوگوں کا عقیدہ صحیح اور سلامت رہ سکے۔

حضرت کعب بن زهیر کے قول کا تحقیقی جائزہ

غایۃ التبجیل ص 207 پر حضرت سودہ بنت عمارہ رضی اللہ عنہا، حضرت زحر بن قیس رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن زهیر کے اشعار لکھے ہیں کہ

"دامادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام لوگوں سے بہتر ہیں، جو شخص فخراً اُن کا مقابلہ کرتا ہے وہ پست ہو جاتا ہے۔

انہوں نے نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں سب سے پہلے نماز پڑھی، بندوں سے قبل در آنحالیکہ رب الناس کا انکار کیا جاتا تھا۔" (دیوان کعب بن زهیر ص ۴۱)

جواب: ان اشعار سے اپنا مطلب نکالنا فضول ہے۔ کیونکہ ان اقوال کی اسناد معلوم نہیں ہیں۔ شیخ سعید ممدوح اور ان کے ہمنوا لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے ان اقوال کی سندیں پیش کریں پھر ان اقوال سے استدلال کرنے کی کوشش کریں۔ مجہول سندوں والے اقوال سے اپنا عقیدہ ثابت کرنا شیخ سعید ممدوح جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔ مگر ہم ایسی ناپاک کوششوں سے پردہ اٹھاتے رہیں گے اور حقائق عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے تاکہ ایسے لوگ عوام الناس کو گمراہ نہ کرسکیں۔ اور لوگوں کا عقیدہ صحیح اور سلامت رہ سکے۔

معمر بن راشد کے قول کی تحقیق

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 305 اور 208 مترجم پر معمر بن راشد کو تفضیل علی

رضی اللہ عنہ کے قائلین میں شمار کرتا ہے۔ سعید ممدوح ص 304 اور ص 305 پر لکھتا ہے:

"تاریخ دمشق میں امام ابن عساکر سے لیکر امام ابن ابی خیثمہ تک سند کے ساتھ مذکور ہے۔ ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں ہمیں احمد بن منصور بن سیار نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں امام عبدالرزاق الصعنانی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں ایک دفعہ معمر گویا ہوئے اور مسکرا دیئے...... انہوں (معمر) نے فرمایا: مجھے اہل کوفہ پر تعجب ہوتا ہے گویا کہ کوفہ کی بنیاد ہی حب علی پر رکھی گئی ہے میں نے جس معتدل شخص سے بھی گفتگو کی تو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ پر افضلیت دیتے ہوئے پایا، حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی میں سے ہیں۔ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ پھر میں نے حضرت معمر سے کچھ عرض کیا: اور انہوں نے محسوس کیا کہ میں اس کو بڑی بات سمجھ رہا ہوں تو انہوں نے فرمایا: کیا ہوا؟ اگر کوئی شخص کہے علی میرے نزدیک شیخین سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کروں گا جبکہ وہ میرے سامنے شیخین کی فضیلت کا ذکر بھی کرے اور اگر کوئی شخص کہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کرونگا۔ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں میں نے یہ بات حضرت وکیع کو بتائی اور ہم تنہائی میں تھے تو وکیع نے اس کو بہت پسند کیا اور ہنسنے لگے۔ پھر فرمایا: سفیان ہمارے ساتھ اس حد تک نہیں پہنچا تھا لیکن انہوں نے معمر پر اس بھید کو ظاہر کیا جسے ہم سے چھپاتے رہے۔" (تاریخ دمشق 311/3)

جواب: ۱۔ یہ واقع بادی النظر میں صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ محدث عبدالرزاق کا اپنا مذہب تو تفضیل شیخین کریمین رضی اللہ عنہما ہے۔ مزید یہ کہ محدث عبدالرزاق نے اپنے عقیدے کی وضاحت خود کی ہے۔ حافظ ابن عدی لکھتے ہیں:

حدثنا الشرقی ثنا أبو الأزهر سمعت عبدالرزاق یقول افضل الشیخین بتفضیل علی إیاهما علی نفسه ولولم یفضلها لم أفضلهما کفی بی اذراء ان احب علیا ثم أخاف قوله۔

(الکامل ابن عدی 5/312)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عبدالرزاق خود بھی تفضیل شیخین کریمین کا قائل تھا اور مولا علی

رضی اللہ عنہ بھی شیخین کریمین کی افضلیت کے قائل ہیں۔عبدالرزاق کا یہ قول ان لوگوں کے لیے ایک آئینہ ہے جو حب علی رضی اللہ عنہ کا دم تو بھرتے ہیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدے کو نہیں مانتے بلکہ باطل تاویلات کرتے ہیں" جناب والا کچھ غور کریں اور اپنی سوچ میں تبدیلی لے کر آئیں۔

ii- تاریخ دمشق لابن عساکر 530/42 والا واقعہ (معمر بن راشد اور عبدالرزاق کا تفضیل کے بارے میں خیال) جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے اپنی کتاب شرح خصائص علی ص 532 اور ص 533 پر "کیا تفضیل باعث نفرت مسئلہ ہے؟" کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔لہٰذا مناسب ہے کہ ظہور احمد فیضی صاحب اور سعید ممدوح کو جواب ایک ہی جگہ دے دیا جائے تاکہ لوگوں کے سامنے ان کی علمی قابلیت کھل کے آسکے۔اور ظہور احمد فیضی تو آج کل تفضیلیہ کے شیخ الحدیث بنے ہوئے ہیں۔

اول عرض یہ ہے کہ اس کی سند کو صحیح کہنا دھوکہ اور فریب ہے۔

دوم یہ کہ اس کی سند میں ایک راوی احمد بن منصور بن یسار کی توثیق پیش کریں؟

سوم یہ کہ محدث عبدالرزاق آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔(تقریب التہذیب رقم:4064)

اب جناب آپ کا فرض ہے کہ عبدالرزاق سے، اس سند میں شاگرد احمد بن منصور بن یسار ہے اس کا عبدالرزاق سے قدیم السماع ہونا ثابت کریں۔کیونکہ محدثین کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مختلط راوی کا حافظہ خراب ہونے سے پہلے کی روایات صحیح اور مختلط ہونے کے بعد کی روایات ضعیف ہوتی ہیں۔احمد بن منصور کا سماع عبدالرزاق کے مختلط ہونے سے پہلے کا ہے اس کا ثبوت پیش کریں۔ورنہ اس حدیث کو ضعیف خود ہی مان لیں تو بہتر ہے، نام نہاد محدثیت کا بھرم بھی رہ جائے گا۔

نوٹ: مناسب ہوگا کہ ہم مختلط راوی کے بارے میں بھی قارئین کرام کے علم میں اضافے کے لیے کچھ لکھ دیں۔

۱- حافظ ابن حجر مختلط راوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

والحكم فيه: إن ما حدث به قبل الاختلاط إذا تميز قبل و إذا لم يتميز توقف فيه و كذا من اشتبه الأمر فيه.

(شرح نخبۃ الفکر ص ۱۰۴-۱۰۵)

ترجمہ: یعنی مختلط راوی کی روایت کا حکم یہ ہے کہ اس نے جو روایت اختلاط سے پہلے بیان کی ہیں وہ مقبول ہیں اور جو اختلاط کے بعد بیان کی ہیں وہ غیر مقبول ہیں اور جن کی قبلیت و بعدیت کا علم نہ ہو سکے وہ حصول علم پر موقوف رہیں گی۔

۲- حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فمن سمع من هولاء قبل اختلاطهم قبلت روايتهم و من سمع بعد ذلك أو شك في ذالك لم تقبل۔ (اختصار علوم الحدیث ص ۲۲۹)

ترجمہ: یعنی جن شاگردوں نے ان سے قبل از اختلاط روایتیں لی ہیں وہ قبول کئے جائیں گے اور جن شاگردوں نے بعد از اختلاط ان سے روایتیں لی ہیں یا انہیں شک ہو کہ قبل از اختلاط لی ہیں یا بعد از اختلاط تو ایسی روایتیں قابل قبول نہیں ہوں گی۔

جناب ایسی ضعیف روایات سے آپ عوام الناس کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں اور اس دھوکے میں کچھ علماء کرام بھی ہیں کیونکہ اہل سنت کے علماء بھی علم اسمائے رجال سے دور ہی نظر آتے ہیں۔ لہٰذا مہربانی کر کے اہل سنت کے عوام بھی اسماء الرجال کے میدان میں بھی مہارت حاصل کریں تاکہ ایسے لوگ آپ کو دھوکہ نہ دے سکیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ محمود سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کی پیش کردہ روایات تحقیق کی روشنی میں ضعیف اور مردود ہیں۔ ایسا راوی جس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو جائے اور اس سے روایت کرنے والا راوی اس کے حافظہ خراب ہونے سے پہلے نہ سنے تو ایسے شخص کی حدیث قبول نہیں ہوتی تو یہاں تو پھر قول ہے۔ لہٰذا ایسا قول محدثین کرام کے اقوال اور اصول کی روشنی میں غلط اور ضعیف ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ سعید ممدوح نے ان روایات کو بیان کرنے کے علمی زیادتی کی ہے۔ لہٰذا ایسی ضعیف روایات کے بل بوتے پر موقف ہرگز ہرگز ثابت نہ ہو گا۔ اور اس روایت کو ثابت کیے بغیر جناب ظہور احمد فیضی صاحب کا بغلیں بجانا بھی فضول ہے۔

یحییٰ بن آدم کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 215 پر لکھا ہے:

"میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے ہوئے سنا کہ یحییٰ بن آدم نے کہا میں نے کوفہ میں جس

شخص کو بھی پایا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتا ہے۔ (تاریخ دمشق 311/3)

جواب: یحییٰ بن آدم کے قول میں اس بات کا تعین نہیں کہ کوفہ والے کس جہت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے۔ مزید یہ کہ ان کا افضل سمجھنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تھا؟ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تھا؟ کیونکہ ایسے بہت سے اقوال کا تعلق اس وقت سے ہے جب حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپس کی جنگیں ہوئیں اور دونوں طرف کے لوگوں کی طرف سے فضیلت والے اقوال با کثرت وارد ہوئے۔ لہٰذا بغیر کسی تعین کے ایسے اقوال نقل کرنا خلط مبحث ہے اور یہ یاد رہے کہ جب کوفہ کا ذکر ہو اور تفضیل کی بات ہو تو اس سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کی بحث مراد ہے۔ لہٰذا اس قول سے اپنے موقف پر استدلال کرنا نادانی اور جہالت ہے۔

عبید اللہ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

غایۃ التبجیل ص 216 پر لکھا ہے۔

''عبید اللہ بن موسیٰ الحافظ کو فرماتے ہوئے سنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کرتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔'' (معرفۃ الرجال 157/1)

جواب: عبید اللہ بن موسیٰ کے اس قول سے استدلال کرنا ہی غلط ہے۔ کیونکہ وہ روایت حدیث میں تو مضبوط تھا مگر بدعی شیعہ تھا۔ روایت حدیث میں بدعتی راوی کی روایت کچھ شرائط کے ساتھ مقبول ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس بدعتی کا عقیدہ بھی قابل قبول ہوگا تو ایسی بات اصول کے خلاف اور غلط ہوگی۔ اصول یہ ہے کہ بدعتی کا اپنے مذہب کے مؤید کسی قول کا قبول کرنا تو درکنار حدیث کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جس کا تفصیلی بیان مقدمہ میں کر دیا گیا ہے۔ عبید اللہ بن موسیٰ الکوفی الحافظ شیعہ محدث اور راوی ہے اس کے بارے میں محدثین کرام کے اقوال ملاحظہ کیجئے۔

۱- امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: من رؤس الشیعۃ۔ (مراۃ الجنان 57/8)

۲- ابن العماد نے کہا: من رؤس الشیعۃ۔ (شذرات الذھب 21/2)

۳- ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وھو من الشیعۃ۔ (البدایۃ والنھایۃ 89/6)

۴- ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: و کان یتشیع۔ الثقات 152/7

۵- امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: و کان یتشیع۔ (معرفۃ الثقات رقم:1171)

۶- ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وکان یتشیع ویروی احادیث فی التشیع منکرۃ فضعف بذلك عند کثیر۔ (طبقات ابن سعد 400/6)

۷- علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: احد الاعلام علی تشیعۃ وبدعۃ۔ (الکاشف رقم:3593)

۸- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

کان صاحب تخیط حدث باحادیث سوء۔ (البحر الدم رقم:669)

۹- علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

شیعی متحرق۔ (میزان الاعتدال:5400)

۱۰- امام ابوداؤد نے کہا:

کان شیعیا متحرقا۔ (میزان الاعتدال:5400)

۱۱- یعقوب سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

شیعیی وإن قال قائل: رافضی لم انکر علیه وهومنکر الحدیث۔ (اکمال علی تہذیب رقم:3488)

۱۲- جوزجانی نے کہا: أغلی و أسو مذهباً وأروی للأعاجیب۔

(اکمال علی تہذیب رقم:3488)

۱۳- ابن مہران نے کہا: متروك۔ (اکمال علی تہذیب رقم:3488)

۱۴- امام احمد نے کہا:

ترکه ابوعبدالله احمد بن جنبل لتشیعه، وقدعوتب احمد علی روایته عن عبدالرزاق یعنی و ترکه عبیدالله۔ (اکمال علی تہذیب رقم:3488)

۱۵- ابن خلفون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تکلم فی مذهبه و نسب إلی التشیع۔

(اکمال علی تہذیب رقم:3488)

۱۶- ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کوفی صالح یتشیع۔ (اکمال علی تہذیب رقم:3488)

۱۷- امام ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کان یفرط فی التشیع۔ (اکمال علی تہذیب:3488)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عبیداللہ بن موسیٰ الکوفی پکا شیعہ راوی تھا۔ اس سے بڑھ کر امام

یعقوب بن سفیان فسوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا کہ اگر عبیداللہ بن موسی العبسی کو کوئی رافضی کہے تو اس پر کوئی انکار نہیں ہے۔ امام فسوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر تفضیل دینا، رافضیت ہے۔ لہٰذا عبیداللہ بن موسیٰ الحافظ (جیسے شیعی اور امام یعقوب فسوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رافضی) کے قول کو پیش کرنا تفضیلیوں کا ہی کام ہے۔ اہل سنت و جماعت کے اصولوں کے تحت ایسے راویوں کا قول جو اس کے مذہب کی طرف تو ایسے قول کو رد کر دیا جاتا ہے اور مزید یہ کہ عبیداللہ بن موسیٰ کے قول کو یحییٰ بن آدم کے قول کا مؤید بنانا بھی غلط ہے۔ کیونکہ یحییٰ بن آدم کے قول میں تفضیل کا تعین نہیں ہے جبکہ عبیداللہ بن موسیٰ العبسی کے قول میں مولا علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل بر شیخین کا قول ہے۔ لہٰذا یہ دونوں اقوال مؤید نہیں بن سکتے۔

مزید یہ کہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے عبیداللہ بن موسیٰ کے اس قول کو غیر ثابت لکھا ہے کہ وہ تفضیل علی المرتضیٰ کا قائل تھا۔ بلکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے عبیداللہ بن موسیٰ کو تفضیل شیخین کے عقیدے کا قائل لکھا ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ مزید تحقیق کرتے ہوئے عبداللہ بن موسیٰ العبسی کی تشیع کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حدثنا عبيدالله بن موسى حدثنا مالك بن مغول عن عون بن ابي جحيفة عن أبيه قال قال علي رضي الله عنه خيرنا بعد نبينا صلى الله عليه وسلم أبوبكر و عمر رضي الله عنهم۔

و روايته مثل هذا دال على تقديم للشيخين، و لكنه كان ينال من خصوم علي۔

قال ابن منده: كان أحمد بن حنبل يدل الناس على عبيدالله، و كان معروفا بالرفض، لم يدع أحدا اسمعه معاوية يدخل داره۔

(سیر الاعلام النبلاء، رقم: ۲۱۵)

نتیجہ کلام یہ ہوا کہ دونوں صورتوں میں اسکا موقف قابل تسلیم نہیں۔ ایسے اقوال شیخ ممدوح اور انکے حواریوں کو مبارک ہوں۔

یحییٰ بن یعمر کا مذہب:

غایۃ التبجیل مترجم ص 216 و ص 217 پر لکھا ہے:

وہ شیعہ تھا، اولین شیعوں میں سے، خوبصورت تشیع کے حامل تھے، کسی صاحب فضیلت کی تنقیص کے بغیر اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی تفضیل کے قائل تھے۔ (وفیات الاعیان 173/6)

جواب: اہل بیت کرام سے محبت تشیع نہیں بلکہ سنیت ہے اگر عرض کرنے کی اجازت دی جائے تو ضرور کہوں گا کہ اہل بیت سے محبت عین سنیت ہے نہ کہ غیر سنیت۔ ہمارا موقف تو یہ ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کی حیثیت سے دوسروں پر فضیلت دینا اس پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مگر اس وقت موضوع افضلیت مطلقہ کا ہے نہ کہ افضلیت جزوی کا۔

مزید یہ کہ وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن یعمر نے حجاج بن یوسف اور اس کے گورنروں کے سامنے امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کیے اور ان کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ تو معلوم ہوا کہ یحییٰ بن یعمر کا حسنین کریمین کے فضائل بیان کرتے تھے۔ یاد رہے کہ ہمیشہ افضلیت کے اقوال میں تقابل کی اہمیت ہوتی ہے۔ صاحب قول کس کے مقابلے میں افضل کہہ رہا ہے؟ یہ معلوم کرنا مسئلہ افضلیت میں اہم ہے۔ کیونکہ مولا علی رضی اللہ عنہ کے اکثر فضیلت کے اقوال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں وارد ہوئے ہیں اور یا کسی ناصبی اور خارجی کے جواب میں ایسے اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے وارد ہوئے ہیں۔ لہٰذا دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام پیش کی جا رہی ہے۔

محمود سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کا تسامح یا دھوکہ

غایۃ التبجیل ص 217 اور ص 218 پر محمود سعید ممدوح لکھتا ہے:

شیعی وہ ہے جو اس بات میں شیعہ کی موافقت کرے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ (بحوالہ الفصل فی الملل والنحل 191/2)

پھر مزید لکھتے ہیں:

ابو الحسن الاشعری مقالات اسلامیین میں لکھتے ہیں "انہیں شیعہ کہا گیا، اس لئے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کی تھی۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ پر مقدم مانتے تھے۔

(بحوالہ مقالات الاسلامین ص 65)

پھر سعید ممدوح اپنا موقف پیش کرتا ہے۔ "اور میں کہتا ہوں یہ ایسا ضابطہ ہے۔ جس سے لفظ شیعہ کی قریب ترین حد کا تعین ممکن ہے اور وہ ہے تفضیل مرتضوی رضی اللہ عنہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلاف کرام کے

مطابق شیعہ وہ ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دے۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو اس گروہ میں شامل ہو وہ مفضل (تفضیلی) ہے اور اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین اور شیعہ تابعین کی ایک ایسی بڑی جماعت شامل ہے۔ جن کا علم و عدل مسلم ہے"۔ اس قول کے حاشیہ میں ظہور احمد فیضی نے توابین کے واقعات کا ذکر کیا ہے جس سے جناب ظہور احمد فیضی صاحب کی رضامندی ثابت ہوتی ہے۔

جواب: محمود سعید ممدوح کا لفظ شیعہ کو تفضیلی کے مترادف ثابت کرنا اور ظہور احمد فیضی کا اس پر تائید کرنا علمی تسامح اور جہالت ہے۔ کیونکہ لفظ شیعہ کو تفضیلی کے مترادف بنانا تحقیق کی روشنی میں غلط ہے۔ تاریخ میں لفظ شیعہ مختلف اوقات میں استعمال ہوا۔ مگر اس کی تعریف ہر دور میں بدلتی رہی ہے۔ مگر لفظ شیعہ وہی رہا لفظ شیعہ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگوں میں استعمال ہوا۔ جہاں شیعان عثمان رضی اللہ عنہ اور شیعان علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال ہوئے۔ دراصل لفظ شیعہ کا لغوی معنی چاہنے والا، ساتھی یا محب ہوتا ہے۔

قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کیفر کردار تک پہنچانے کی حمایت کرنے والے شیعان عثمان اور مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو مدنظر رکھنے والے شیعان علی کہلاتے تھے۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی اور مولا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی جمہور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔

ان اصحاب کے ساتھ ساتھ ان دونوں اطراف کے لوگوں میں رافضی، ناصبی اور خارجی قسم کے لوگ بھی شامل تھے۔

اب معاملہ یہ ہے کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جلیل القدر صحابہ کرام اور تبع تابعین کی جماعت، مولا علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھتے تھے اور ان کی فضیلت کے قائل تھے مگر یہ فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مدمقابل تھی۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی بھی صحابی رضی اللہ عنہ تفضیل علی بر شیخین کا قائل نہ تھا۔ یہ صحابہ کرام مولا علی رضی اللہ عنہ سے سچی محبت کرتے تھے۔ لہٰذا ان صحابہ کرام پر لغوی شیعہ ہونے کا اطلاق ہوا۔

مگر اس معاملہ میں شیعہ کے ساتھ ساتھ مولا علی رضی اللہ عنہ کے چند ساتھیوں میں اصطلاحی شیعہ بھی معرض وجود میں آگئے اور ان میں سے فرقہ شیعہ، فرقہ تفضیلیہ اور فرقہ خارجی اور فرقہ رافضی نکلے۔ آہستہ آہستہ حب علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ ان کے عقائد تبدیل ہوتے گئے اور لفظ شیعہ میں وسعت آتی گئی۔

ابتداء میں چند لوگ تفضیل علی رضی اللہ عنہ بر عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف مائل ہوئے اور ان میں سے بہت سارے لوگوں نے خصوصاً اہل سنت کے علماء کرام نے فوراً رجوع کیا۔ چند لوگ مولا علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل بر شیخین کے قائل ہوئے، اور یہ لوگ شیعہ تھے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کبھی بھی اہل سنت میں شمار نہ ہوئے تھے اور نہ شمار ہونگے۔ حاصل کلام یہ کہ لفظ شیعہ پر تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا اطلاق علمی بددیانتی اور جہالت ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق

شیخ سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 220،219 پر لکھتا ہے:

”انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا: میں نے آپ کے علاوہ کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو۔ اس پر امام شافعی نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے چچا اور میری خالہ کے بیٹے ہیں اور میں عبد مناف سے ہوں اور تمام بنو عبد الدار سے ہو۔ اگر یہ کسی شرف کی بات ہوتی تو میں تم سے زیادہ اس کا حقدار ہوتا۔“ (بحوالہ طبقات الشافعیہ 113/2)

جواب: پیش کردہ قول شیخ محمود سعید ممدوح کیلئے زہر قاتل ہے۔ کیونکہ خود امام شافعی نے شیخین کی افضلیت کا اقرار کر رہے ہیں۔ اور ساتھ تصریح بھی کر دی کہ نسبت کو شرف کے ساتھ ملانا صحیح نہیں ہے۔ مگر کیا کریں تعصب کا کہ اپنا مؤقف ثابت کرنے کیلئے ممدوح اس قول سے استدلال کر رہا ہے کہ ”ہاشمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں۔“ شیخ محمود سعید ممدوح نے اسی قول کے اول حصے کو قبول کیا جبکہ دوسرے حصے کو رد کیا۔ اسے کہتے ہیں ہم چو ما دیگرے نیست کہ اپنی ذہنی اختراع کو گھڑنا۔

مزید یہ کہ سعید ممدوح نے ص 220 [مترجم] کے حاشیہ میں اس قول کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عبد اللہ الحجبی کی توثیق ابن حبان کی کتاب الثقات سے پیش کی۔ مگر ابن حبان کی کتاب الثقات، رقم: 2342 پر ابراہیم بن عبد اللہ بن الحارث الجمعی (ال ج م ع ی) کے بارے میں مستقیم الحدیث لکھا ہے نہ کہ الحجبی (ال ح ج ب ی) کے بارے میں۔

مگر غرض یہ ہے کہ شیخ ممدوح کی پیش کردہ روایت کی سند میں راوی کا نام الحجبی ہے۔

جبکہ کتاب الثقات میں اس کا نام الجمعی ہے۔ جس سے واضح ہے کہ یہ دو مختلف راوی ہیں (ایک الجمعی اور دوسرا الجبی)۔ اور الجمعی کی توثیق کسی کتاب میں موجود نہیں ہے لہٰذا یہ راوی مجہول ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ الجمعی کا ذکر طبقات الشافعیہ سے متعلقہ کتب میں بھی نہیں ہے۔ اور یہ سب پر واضح ہے کہ ابن حبان راویوں کی توثیق میں متساہل ہیں۔

اس کے علاوہ اس قول کی سند میں ایک راوی الحارث بن سریج ہے۔ محدثین کرام نے اسے ضعیف اور چوری کرنے والا لکھا ہے:

۱- یحییٰ بن معین نے کہا: ضعیف۔ (الجرح وتعدیل رقم:353)

۲- ابن عدی نے کہا: ضعیف یسرق الحدیث۔ (الکامل ابن عدی رقم:384)

۳- علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یسرق الحدیث۔ (المغنی رقم:231)

۴- امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کذاب خبیث۔ (ضعفاء للعقیلی: رقم:268)

۵- عبدالرحمن بن مھدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کذاب۔ (ضعفاء عقیلی رقم:268)

۶- قاضی ابن شھبہ نے کہا: ضعفوہ۔ (طبقات الشافعیہ رقم:5)

۷- موسیٰ بن ہارون نے کہا: متھم فی الحدیث۔ (لسان المیزان رقم:666)

۸- امام نسائی نے کہا: لیس بثقۃ۔ (لسان المیزان رقم:666)

۹- امام مقریزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ضعیف۔ (المختصر الکامل رقم:384)

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اس قول کی سند میں مجہول، کذاب اور ضعیف راوی ہیں۔

پھر شیخ سعید ممدوح نے ص 220 اسی راوی سے نقل کردہ امام شافعی سے منسوب اشعار نقل کئے ہیں۔ مگر عرض یہ کہ جناب سند تو صحیح ثابت کریں پھر استدلال کیجئے گا۔ ضعیف روایتوں پر بغلیں بجانا ترک کردیں۔

ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ دیکھیں مولا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اقوال کو یہ لوگ ضعیف کہہ کر رد کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں صرف اتنی عرض ہے کہ سند کا صحیح ہونا اصول حدیث میں سے ایک اصول ہے۔ اور یہ اصول سب کیلئے ایک جیسا ہے۔ چاہے وہ روایات مولا علی رضی اللہ عنہ سے متعلق ہوں یا وہ

یدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوں۔ لہٰذا ایسا اعتراض کرنے والا احمقوں کی جنت میں
ہتا ہے۔ اور اپنے لاجواب ہونے کا بین ثبوت پیش کرتا ہے۔
ممدوح نے ان اشعار کو السنۃ للا کائی، رقم: 2624 اور مناقب الشافعی للبیہقی 481/1 کے حوالے سے
نقل کیا۔ مگر ان دونوں کتابوں میں وہی راوی الحارث بن سریج النقال اور ابراہیم بن عبد اللہ
مجہی ہیں۔ جو کہ متروک اور مجہول راوی ہیں۔ لہٰذا اس قول کو نقل کرنا غلط اور مردود ہے۔ اور یہ کہنا
کہ تمام بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفضیل دیتے تھے ایک علمی بددیانتی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

فضل بن ابولہب کا مذہب

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 223 پر فضل بن الولہب کا قصیدہ ولید بن عقبہ کے
رد میں لکھا:

"یاد رکھو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے بہتر وہ ہے جو پیش آمدہ امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کے مسائل کا نگران ہے۔
خیبر میں انہیں منتخب کیا گیا اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے معابدوں کو توڑ
نے کی ذمہ داری حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہوئے انہیں سونپی۔
اور سب سے پہلے جس نے نماز پڑھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مثل، اور سب سے پہلے جس نے
گمراہوں کو بدر میں ہلاک کیا۔
پس وہ علی الخیر (بلند غیر والا قرابت اور دامادی کی لڑی میں جڑا ہوا ابوالحسن ہے، کون
ہے جو اس سے فائق ہو؟)"

جواب: اس قصیدے کا نہ تو ماخذ معلوم ہے اور نہ ہی اس کی سند معلوم ہے۔ لہٰذا ایسے مجہول راویوں
سے مروی اقوال جناب شیخ محمود ممدوح جیسے محقق کو ہی مبارک ہوں۔
مزید یہ کہ اس قصیدہ میں خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ کریں۔
<u>یاد رکھو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے بہتر وہ ہے جو پیش آمدہ امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کے مسائل کا نگران ہے۔</u>
اس شعر میں افضل تو اس کو کہا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مسائل کا نگران ہو۔

اور یہ بات تمام تفضیلیہ اور شیخ ممدوح کو قبول و منظور ہے کہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما تمام صحابہ کرام سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سب سے اچھے اور بہترین نگران تھے۔ لہٰذا یہ حوالہ تو تفضیلیوں کے موقف کے منافی ہے۔ اور ہمارے موقف کے مؤید ہے۔ لہٰذا اس کو پیش کرنے کا کیا فائدہ حاصل ہوا؟

بکر بن حماد التاہرتی کا مذہب

شیخ سعید ممدوح نے ص 223 تا ص 225 پر بکر بن حماد التاہرتی کا قصیدہ افضلیت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیش کیا ہے۔

''ابن ملجم سے کہہ دو! اللہ کے فیصلے غالب ہیں، تجھ پر ہلاکت ہو تو نے اسلام کے ارکان کو گرادیا۔

تو نے قدموں کے ساتھ چلنے والوں میں سے افضل، اور اسلام و ایمان کے لحاظ سے تمام لوگوں سے اول شخص کو شہید کر دیا۔''

(بحوالہ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۸۸، الاصابۃ ج ۸ ص ۴۱)

جواب: ممدوح نے قصیدے کے اشعار "قتلت أفضل من یمشی علی قدمہٖ و أول الناس اسلاماً و ایماناً۔ ترجمہ: تو نے قدموں کے ساتھ چلنے والوں میں سے افضل اور اسلام و ایمان کے لحاظ سے تمام لوگوں سے اول شخص کو شہید کر دیا'' سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے۔

مگر جناب بکر بن حماد التاہرتی نے یہ قصیدہ ابن ملجم لعین خارجی کے خلاف کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خارجی مولا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں کی تنقیص کرتے تھے۔ لہٰذا اس کے مدمقابل بکر بن حماد نے یہ اشعار لکھے۔ اور یہ کہ ان اشعار میں شیخین سے تقابل نہیں بلکہ اس وقت کے لوگوں سے تقابل کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہا۔ اگر مطلقاً چلنے والوں میں افضل مراد لیا جائے تو انبیاء و مرسلین اور نعوذ باللہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ماننا پڑے گا۔ اس قول میں جیسے انبیاء کرام کی تخصیص ضروری ہے۔ بالکل اسی طرح شیخین کی تخصیص بھی اہم ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ بکر بن حماد التاہرتی نہ تو صحابی ہیں اور نہ ہی تابعی بلکہ بکر بن حماد التاہرتی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر ہیں۔

مزید یہ کہ پیش کردہ قصیدہ الاستیعاب 348/1 اور 29/3 پر بھی موجود ہے مگر اس کی سند کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ اور جس نے بھی یہ قصیدہ نقل کیا ہے صرف اور صرف حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے ہی نقل کیا ہے۔ لہٰذا مجہول راویوں والی سند آپ ہی کو مبارک ہو۔ جناب اس مسئلہ میں صحیح سند والے اقوال نقل کریں۔ مجہول اور ضعیف راویوں سے منقول اقوال کی بھرتی زبردستی نہ کرتے جائیں۔ اور عوام الناس کو یہ دکھلانا کہ جناب ہمارے پاس بہت سارے اقوال افضلیت علی رضی اللہ عنہ کے بارے موجود ہیں، ایک عجب مذاق ہے۔ یہ تحقیق پیش کردی ہے کہ مسئلہ افضلیت میں صحیح سند سے ہی کلام ہوسکتا ہے وگرنہ ضعیف راویوں کی روایات پر بغلیں بجانا شیخ سعید ممدوح کا ہی کام ہے۔ بصورت دیگر اس کی سند ثابت بھی ہوجائے تو یہ قول ہمارے موقف کے خلاف نہیں اور ایسے مبہم اقوال آپ کے موقف پر دلالت نہیں کرتے۔ آپ کا دعویٰ خاص ہے جبکہ دلیل عام پیش کررہے ہیں۔

رمضان آفندی کا مذہب:

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 226 پر لکھتا ہے۔

پھر اس مسئلہ میں توقف کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر عالم، ان سب سے بڑھ کر بہادر، ان سب سے بڑھ کر تارک الدنیا، زاہد، ان سب سے بڑھ کر ساجد اور سخی اور اسلام میں ان سب سے سابق ہیں۔ (حاشیہ رمضان علی شرح العقائد ص 294)

جواب: شیخ رمضان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلتیں صرف اور صرف مسئلہ افضلیت میں توقف کو رد کرنے کی پیش کررہے ہیں کیونکہ علامہ تفتازانی تفضیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان توقف کرنا بیان کررہے تھے۔ جس پر علامہ رمضان آفندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی بات نقل کی۔ حالانکہ وہ شیخین کی افضلیت کے منکر نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ علامہ رمضان آفندی نے اس قول کے بعد علامہ تفتازانی پر مائل بہ رفض کا الزام بھی عائد کیا ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ علامہ رمضان آفندی نے مسئلہ تفضیل میں توقف کرنے والوں کے مذہب کا رد کیا ہے۔ جس پر خود شیخ محمود سعید ممدوح ایک باب اپنی کتاب غایۃ التبجیل میں باندھ چکا ہے۔ اسے کہتے ہیں میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حوالہ بھی زیر بحث موضوع پر صحیح نہیں ہے۔

شیخ محمد معین ٹھٹھوی سندھی کا مذہب:

سعید ممدوح نے ص 226 تا ص 227 پر علامہ محمد معین ٹھٹھوی کو تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا قائل لکھا ہے۔ اور ان میں چند باتیں اور حوالے بھی نقل کیے ہیں جو یہ ہیں۔

راجح اور حق عقیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر افضلیت کا ہے۔ بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد دو حضرات کی شان میں وارد ہونے والی احادیث سے ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظنی فضیلت کا یقین بھی حاصل نہیں ہوتا چہ جائیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان کی قطعی فضیلت کا یقین کیا جائے۔ ان احادیث کا افضلیت کی منطوق (نص صریح) دلیل ہونا باطل ہے، اور بیشک حدیث أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسى۔ (کیا تم اس پر راضی نہیں کی تمہاری منزلت میرے نزدیک ایسی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک) قطعی طور پر حضرت علی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد دو حضرات رضی اللہ عنہ پر افضلیت کا فائدہ دیتی ہے۔

(بحواله الحجة الجليلة في ردّ من قطع بالأفضلية)

شیخ ممدوح غاية التبجيل ص ۲۲۷ پر مزید علامہ معین سندھی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہل بیت سے ہیں اور سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت صحابی کی نسبت سے ہے اور اہل بیت صحابہ کرام سے افضل ہیں اور اس آیت سے استدلال کیا:

والذين امنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان۔

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی ہم ان کے ساتھ ان کی ذریت ملا دیں گئے۔ (بحوالہ ذب ذب الدراسات ج ۱ ص ۱۱۷)

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ محمد معین سندھی صاحب ایک بڑے عالم تھے۔ مگر اپنی عمر کے آخری دور میں وہ ظاہری اور رمائل بہ تشیع ہو گئے تھے۔ انہوں نے ماتم اور جلوس نکالنے پر ایک کتاب بھی لکھی۔ جس کا رد محقق محدث علامہ ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الخطاء عما يخل ويحرم من النوح والبكاء کے نام سے کتاب لکھ کر جواب دیا۔ اسی طرح علامہ ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ تفضیل پر ان کی تمام اشکالات کا رد الطريقة المحمدية في حقيقة القطع بالأفضيلة میں بڑی تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔ یہ کتاب جلد ہی منظر عام پر راقم کی کوششوں سے آرہی ہے۔ اس

کتاب میں آپ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر دلائل کے انبار ملاحظہ کریں گے۔ لہٰذا علامہ محمد معین ٹھٹھوی کے مؤقف کار دان کے ہمعصر علامہ ہاشم ٹھٹھوی نے کر کے لاجواب کر دیا تھا۔ علامہ معین ٹھٹھوی کی تحقیق انیق ملاحظہ کریں۔

اگر یہ کہا جائے وہ حدیثیں اور آثار جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد ہیں۔ وہ آپ کی مذکورہ روایتوں کے معارض ہیں لہٰذا قائل تعارض کا قول صحیح ہے اور جب یہ دونوں متعارض ہوں گی تو برابر ہوں گی اور جانبین میں سے کسی ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح حاصل نہ ہوگی۔ ان روایتوں میں سے بعض یہ ہیں۔

۱- رسول اللہ کا وہ فرمان جسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے باب فضائل سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں غزوہ تبوک کے حوالے سے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ضمن میں روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ تبوک کو نکلے تو پیچھے اپنی جگہ پر جناب امیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا اور فرمایا "اے علی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔

۲- غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس شخص کے ہاتھ پر فتح دے گا جو اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کو بھی امام بخاری نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے بھی سھل بن سعد اور ان کے علاوہ سے روایت کیا۔ رحمھم اللہ۔

۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غدیر خم کے موقع پر وہ فرمان ہے جسے امام احمد نے مناقب میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے ضمن میں روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ ہم نے غدیر خم پر پڑاؤ کیا پھر وہاں نداء ہوئی کہ نماز کی جماعت کھڑی ہونے کو ہے اور ایک درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مصلیٰ بچھایا گیا آپ نے نماز ظہر ادا فرمائی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ اے لوگو! کیا تم جانتے نہیں کہ میں مومنوں کی جانوں کا ان سے زیادہ حقدار ہوں۔ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں پھر آپ نے مولیٰ علی کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کی! اے اللہ! جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔ اے اللہ! علی کو دوست رکھنے والے کو اپنا دوست رکھ اور علی سے

عداوت رکھنے والے کو اپنا عدو رکھ راوی نے فرمایا اس کے بعد حضرت عمر حضرت علی کو ملے اور کہا۔ اے ابن ابی طالب! آپ کو مبارک ہو آپ کی تو صبح اور پھر شام اس حال میں ہوتی ہے کہ آپ پھر مومن مرد و عورت کے مولیٰ ہوتے ہیں۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں مولیٰ سے مراد اولی ہے (زیادہ حقدار) ۔تا کہ یہ حدیث کے جزء اول کے مطابق ہو جائے۔ رضی اللہ عنہما۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اس حدیث کو حسن غریب کہا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے علی! آپ دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ اس کو بغوی نے مصابیح فی الحسان میں بیان کیا ہے۔

جواب: مصنف فرماتے ہیں میں کہتا ہوں۔ آپ کے ذکر کرتے ہوئے ان تمام معارضات کے جواب دو قسم پر ہیں۔

۱- اجمالی۔
۲- تفصیلی۔

اولاً اجمالی۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱- یہ کہ جو کچھ آپ نے ذکر کیا اور اسی طرح وہ تمام صحیح روایتیں ثابت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد ہیں۔ ان سب کا تعلق فضائل و مناقب سے ہے نہ کہ باب افضلیت سے کیونکہ ان میں کوئی بھی ایسا لفظ اسم تفضیل یا اس کے قائم مقام کسی صیغہ سے وارد نہیں ہوا۔ جو افضلیت پر دلالت کرتا ہو۔ اس کے برخلاف ہم نے جو مذکورہ دونوں قسموں میں روایتیں ذکر کی ہیں۔ ان میں ایسے الفاظ موجود ہیں۔ تو یہاں تو قطعی طور پر معارضے کا تحقق ہی ہیں۔ مزید یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور آپ کے مناقب و خصائص کے کثیر ہونے اور خلفائے ثلاثہ کے بعد آپ کے سب صحابہ سے افضل ہونے میں کسی اہل دین کو شک نہیں جیسا کہ خلفائے ثلاثہ کے فضائل کی کثرت اور ان کے مناقب و خصائص کے توافر میں کسی کو شک نہیں لہٰذا یہ حدیثیں اور آثار تو اس شخص پر حجت بنیں گے اور اس کا رد کریں گے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب و خصائص کا سرے ہی سے منکر ہے۔ جیسا کہ خوارج ملحدین اللہ ان کو رسوا کرے۔

۲- یہ کہ یہ امام اکمل اور ھمام اجمل حضرت علی رضی اللہ عنہ جو اس روایت میں مخاطب اور مراد ہیں اور باب مدینۃ العلم اور سمجھدار زمانہ ہیں یہ اپنی فضیلت میں وارد حدیثوں سے شیخین پر اپنی

افضلیت نہ سمجھ سکے بلکہ اس کے برخلاف یقینی طور پر ان سے ثابت ہے کہ حضرت شیخین کو خود پر اور ساری امت پر فضیلت دیا کرتے تھے لہٰذا ہمیں اس مسئلہ تفضیل میں ان کی پیشوائی کافی ہے۔ اسی طرح صحابہ جو لوگوں میں سے کلام الٰہی اور کلام رسول کی مراد کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ وہ سب یا ان کے جمہور (علاوہ ان چیز کے جو ان سے علیحدہ ہیں۔ جبکہ ان کی یہ علیحدگی صحیح طور پر ثابت ہو جائے)۔ تو اسی پر متفق ہیں کہ اس امت میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ان کے بعد حضرت فاروق ان کے بعد جناب ذوالنورین اور ان کے بعد مولائے کائنات ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ اور ہمیں ان کی اقتداء کافی ہے۔ حضرت حسان کے یہ اشعار کتنے اچھے ہیں جن میں وہ نبی اکرم اور آپ کے دونوں ساتھیوں صدیق و فاروق کا یوں ذکر کرتے ہیں۔ ''یہ تینوں ہستیاں اپنے فضل کے ساتھ ظاہر ہوئیں۔ جب دنیا میں پھیلے تو دین کو بڑی بصیرت سے چلایا وہ مومن نہیں جو صاحب بصیرت ہو کر ان کے ذکر کے وقت ان کی افضلیت کا انکار کرے۔ ان سرداروں کی زندگیوں میں کچھ فرق نہیں اور جب یہ قبر میں گئے تب بھی اکٹھے ہی رہے۔ اس اشکال کے اور بھی متعدد جوابات ہیں لیکن جس کے دل کو اللہ نے نور سنت سے منور کیا ہے اس کے لیے یہ دو جواب ہی بس ہیں۔

اب آئیے تفصیلی جواب کی طرف تو ہم کہتے ہیں کہ پہلی حدیث (حدیث منزلہ) اگرچہ کہ حدیث صحیح ہونے کی وجہ سے ہمارے سر آنکھوں پر ہے لیکن یہ صاحب رسالہ مردود کے مدعا پر دلیل نہیں کرتی کہ اس کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی تمام صحابہ سے کلی اور قطعی طور پر افضل ہیں اگرچہ اس نے اس حدیث کو ذکر کرتے ہوئے لفظ قطعیت کی صداقت نہیں کی لیکن بعد میں جہاں اس نے یہ کہا کہ یہ حدیث فضل کا فائدہ دینے میں قطعی اور عام سے خاص کرنے کی حیثیت سے ظنی ہے وہاں اس نے اس کی صراحت کی ہے۔

ہم اس حدیث پر تین طرح سے گفتگو کریں گے۔

۱- یہ حدیث خلفائے ثلاثہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کلی کو ثابت نہیں کرتی اگرچہ ظنی طور پر کیوں نہ ہو۔

۲- یہ اس موقف کا کچھ بھی قطعی فائدہ نہیں دیتی۔

۳- یہ خلفائے ثلثہ کی نسبت حضرت علی کے زیادہ حقدار خلافت ہونے کا فائدہ بھی نہیں دیتی جیسا کہ

شیعہ شنیعہ نے اس کا وہم کیا ہے۔

رسالہ ھذا اگرچہ کہ مسئلہ افضلیت کے موضوع پر ہے۔ معاملہ خلافت اس کا موضوع نہیں لیکن اس کو بھی یہاں وضاحت سے بیان کردیا جائے گا۔

تفصیل قولِ اول کی نو بلکہ درحقیقت بارہ ۱۲ وجوہ ہیں۔ جیسا کہ آپ ابھی انہیں جان جائیں گے۔

وجہ ۱: اس مردود رسالے والے نے افضلیت علی کے دعویٰ کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے نبوت سے نیچے حضرت رضی اللہ عنہ کے لیے ہر درجہ فضلیت ثابت کیا ہے اور یہی افضلیت ہے۔ اس کا یہ قول باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں کیونکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے حضرت علی کو جملہ مذکورہ کہ ''میری نسبت تمہارا درجہ یہ ہے بالعموم کہا ہے۔ حالانکہ علمائے اصول و فروع میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ مدعی علیہ اس کو ثابت کرنے کے لیے گواہ بھی نہیں لایا ہے اور نہ ہی تقویت دینے کے لیے کوئی دلیل لایا ہے۔ تو یہ قول اس کی اپنی اختراع ہے یا پھر باطل رافضیوں کے کلام سے لیا گیا ہے۔ اور قربت معنی کی وجہ سے لفظ ''منزلت'' کو لفظ مثل اور کاف تشبیہ (کہ بعض اہل علم اس کی عمومیت کے قائل ہیں) پر قیاس کرنا قیاس فاسد ہے۔ کہ لغت میں کوئی قیاس نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی نے لفظ مثل اور کاف تشبیہ کے مطلقاً ہر جگہ عام ہونے کا قول کیا ہے۔ من جارہ اور عن جارہ کے درمیان کتنا فرق ہے اسے ہی دیکھ لیجئے حالانکہ معنیٰ تو دونوں کا قریب قریب ہے۔ (لیکن کوئی بھی انہیں ایک دوسرے پر قیاس نہیں کرتا) تو ثابت ہو گیا کہ جب لفظ ''منزلۃ'' الفاظ عمومیت میں سے نہیں تو پھر یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دعویٰ مذکور کسی کھاتے میں نہیں اور اس کا قول مذکور سرے سے ہی باطل ہے بلکہ یہ تو ہمارے اس قول کی نظیر ہو گا کہ ہم کہیں زید شیر کی طرح ہے بس چیر پھاڑ نہیں کرتا تو یہ قول اس پر دلیل ہے کہ زید شیر سے مشابہت صرف بہادری میں ہے جیسا کہ علمائے کرام وغیرھم کے نزدیک یہ بات ثابت ہے۔ اور یہ قول عمومیت پر دال نہیں یوں کہ سوا چیرنے پھاڑنے کے زید کی شیر کے ہر ہر وصف میں مشابہ ہو شیر کی طرح اس کی بھی چار ٹانگیں ہوں اس کی طرح اس کی بھی دم ہو اس کے منہ میں بھی اس کی طرح کا منظر ہو شیر کی مثل اس پر بھی بال ہوں اور دیگر اور چیزیں۔ رہا اس قول میں ورود استثناء تو وہ اتصال پر دلیل نہیں۔ ایسے ہی حدیث میں مذکور استثناء بھی اتصال پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ اتصال تو فرع ہے۔ جب عموم ہی نہیں تو اتصال کیسا ہے۔ عموم کی مزید اس صورتِ استثناء کا جواب آگے آئے گا۔

وجہ ۲: مخالف لفظ "منزلۃ" کی عمومیت پر استدلال اس نصف لفظ سے نہیں کرتا بلکہ اس اعتبار سے کرتا ہے کہ "منزلۃ" اس کو جنس ہے جو دیگر منازل (مراتب) کی طرف بھی تضامع ہے لہٰذا یہ عام ہوگا تو ہم کہتے ہیں کہ اس کا جواب ملا سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ نے شرح مقاصد میں یوں دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ لفظ "منزلۃ" کی اضافت ونسبت" تمام مراتب کی طرف ہے۔ بلکہ یہ اسم مفرد ہے، اسم مفرد اور مضاف زیادہ سے زیادہ مطلق ہوتا ہے اور بسا اوقات یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے وہ معہود معین یعنی جانا پہنچانا تعین شدہ ہے جیسے یہ کہنا زید کا غلام "انتھی۔ اب ان دونوں وجہوں پر مخالف کا استدلالِ عمومیت جڑ سے کٹ گیا کیونکہ مطلق تو کسی بھی فرد پر صادق آجاتا ہے۔ لہٰذا مخالف کا یہ کہنا کہ "حضور علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام والی تمام فضیلتیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت کی ہیں۔ باطل ہوگیا (اور یہ مخفی نہیں) اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ یہ مطلق نہیں بلکہ معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے تب بھی اس کے معہود و متعین ہونے پر یہاں قرائن موجود ہیں اور وہ یہ کہ یہاں "منزلۃ" سے مراد غزوہ تبوک کے دنوں میں مدینہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بننے کی منزلت ہے اور اصول میں یہ بات مقرر ہے کہ حکم کو معہود و معین پر محمول کرنا استغراق و عموم پر محمول کرنے سے مقدم ہے۔ اگرچہ کہ محل کے لیے عموما کی قابلیت فرض کرلی جائے بالخصوص جس بحث میں ہم ہیں۔ اس میں تو استغراق و عموم پر حمل درست ہی نہیں کیونکہ اس میں محل کے لیے عموم کی بالکل قابلیت نہیں ہے۔ مزید اس کا بیان آگے آئے گا۔ اور علامہ اصفہانی نے شرح الطوالع میں فرمایا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اسم جنس عام ہوتا ہے (جیسا کہ لفظ منزلۃ) جبکہ اس کو اسباب تعریف سے خالی کردیا جائے اور اسی طرح لفظ کل) بلکہ یہ اسمائے مطلقہ میں سے ہوتا ہے کہ بر سبیل بدلیت ہر فرد پر صادق آسکتا ہے ورنہ تو مطلق و عام کے درمیان کچھ فرق ہی باقی نہ رہے گا اور ظاہر ہے کہ یہاں پر نبی کریم علیہ السلام نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہاروں علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے وہ اخوت و قرابت میں ہے۔ انتھی۔

وجہ ۳: اگر مخالف کی وجہ استدلال ورود استثنائے متصل ہو جو کہ باب استثناء میں اصل ہے تو ہم کہیں گے کہ اس کا جواب بھی علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح مقاصد میں دے دیا ہے اور وہ یہ کہ استثنائے مذکورہ "منزلۃ" کے بعض افراد کو خارج کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ لکن کے معنی میں مستثنیٰ منقطع ہے اور یہ عمومیت پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ کسی عربی دان پر مخفی نہیں مزید یہ کہ یہاں عمومیت مراد لینا کیونکر ممکن ہے کہ جناب ہارون علیہ السلام مراتب میں تو نسبی اخوت بھی ہے اور مولائے

کائنات کے لیے تو وہ ہے نہیں انتہی۔

وجہ ۴: اگر مخالف یہ استدلال کریں کہ لفظ "منزلۃ" ہی تمام مراتب کو شامل ہے تو ہم کہیں گے اگر لفظ "منزلۃ" تمام مراتب کو شامل ہو تو حضرت علی کو خلیفہ بنانا من کل الوجوہ (کلی طور پر) حضرت ہارون کو خلیفہ بنانے کی طرح ہو گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت علی غزوہ تبوک کے دنوں میں مدینہ میں مسلمانوں کے لشکر پر نہیں بلکہ مسلمان عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنائے گئے تھے اور اس غزوہ میں جو بھی مسلمان مرد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کے لیے جانے پر قادر تھا وہ چلا گیا تھا پیچھے نہ رہا تھا۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ 30000 تیس ہزار افراد حضور علیہ السلام کے ساتھ گئے اور ستر ہزار کا قول بھی کیا گیا ہے۔ مومن مردوں میں سے مدینہ میں صرف معذور یا عاصی افراد ہی رہے تھے اور کوئی نہ تھا جبھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ رو دیے تھے اور کہا تھا کہ مجھے حضور علیہ السلام نے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنا دیا ہے۔ جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ یہ تو تھا استخلافِ علی اب ذرا حضرت ہارون علیہ السلام کا خلیفہ بننا بھی دیکھیے۔ حضرت موسیٰ آپ علیہ السلام کے کل لشکر پر خلیفہ تھے اور موسیٰ علیہ السلام اپنے چھ لاکھ کے لشکر میں سے صرف 70 ہزار ارادکو اپنے ساتھ کوہ طور پر لے کر گئے تھے جیسا کہ کتاب عزیز قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے۔ دونوں میں کس قدر فرق ہے پتہ چلا کہ لفظ "منزلۃ" کی عمومیت پر کچھ بھی دلالت نہیں ہے۔

وجہ ۵: مخالف کا یہ کہنا ہے کہ سیدنا ہاروں علیہ السلام کے فضائل میں سے یہ بھی تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تمام اصحاب سے کلی طور پر افضل اور اللہ کے ہاں ان میں من کل الوجوہ سب سے زیادہ ثواب والے تھے۔ ہم کہتے ہے کہ کلام ممنوع ہے کیونکہ اگر تو اس نے یہاں عمومی معنی کے ساتھ فضیلت کلی مراد لی ہے یوں کہ حضرت ہارون جناب موسی علیہما السلام کے تمام اصحاب اور ان کی ساری امت سے ہر ہر فضیلت میں زائد ہوں تو ان کے حق میں بالکل یہ صحیح نہیں۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی یقیناً ایسا استدلال صحیح نہیں کیونکہ بعض امتیوں کے نصیب میں کوئی ایسی فضیلت بھی ہو سکتی ہے جو نبی کے حق میں نہ پائی جائے۔ مثال کے طور پر مرتبہ شہادت ہے کہ بعض امتیوں کے حق میں تو موجود تھا لیکن جناب ہارون علیہ السلام کے حق میں نہیں تھا۔ اور اگر اس نے فضیلت کلی سے فضیلت مطلقہ کا ارادہ کیا ہے کہ جس فرد کامل (یعنی یہ کہ بنسبت دیگر ساری امت کے جناب ہارون علیہ السلام کا ثواب اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ہے) مراد ہے تو یہ فرد کامل (اکثریت ثواب) حضرت ہارون کے حق میں اس

یث کے سبب سے نہیں بلکہ ان کے نبی مرسل ہونے کی وجہ سے ثابت ہے اور رسول اس
سیلت کی وجہ سے غیر رسول سے افضل ہوتا ہے لیکن حضرت علی کے حق میں تو نبوت و رسالت کے
صاف نہیں پائے جاتے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ اس اعتبار سے تمام امت پر ان کی افضلیت ثابت
جائے حالانکہ یہ وصف ان کے لیے ثابت ہی نہیں اگرچہ کہ وہ خلفاء ثلثہ کے بعد دیگر ساری امت
ے افضل ہیں جس پر ہماری ذکر کی ہوئی حدیثیں گواہ ہیں اور اس میں کوئی کلام بھی نہیں ہے۔

جہ ۶: اگر ہم بر سبیل تنزل مان بھی لیں کہ یہاں عموم مراتب ہے۔ تب بھی اس میں شک نہیں کہ
لالت مقام کی وجہ سے یہ مخصوص و معین ہو جائے گا کیونکہ مقام یہاں یہ ہے کہ خاص تبوک کے
ون میں جناب امیر کو مدینہ پر خلیفہ بنایا گیا ہے۔ اس پر دلیل اس حدیث کا سیاق ہے حضرت سعد
ن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر جناب علی کو اپنے پیچھے
دینہ کا خلیفہ بنایا تو انہوں نے عرض کی آقا! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنا کر جا رہے
ں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا علی! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو
وسیٰ سے تھی۔ علیہما السلام و رضی اللہ عنہ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے سعد
ن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب غزوہ تبوک کے موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو
پنے اہل پر خلیفہ بنایا اور ان کی دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا تو منافقین جناب علی پر بہتان باندھنے
لگے کہ حضور نے انہیں بوجھ سمجھتے ہوئے مدینہ کا خلیفہ بنا دیا ہے۔ سعد فرماتے ہیں حضرت علی نے
پنے ہتھیار لیے اور یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ السلام اس وقت مقام
"جُرف" میں تشریف فرما تھے حضرت علی نے عرض کی اے اللہ کے نبی! منافقین تو یہ کہہ رہے ہیں کہ
آپ نے مجھے بوجھ سمجھ کر اور مجھے تنگ آ کر خلیفہ بنا دیا ہے فرمایا انہوں نے جھوٹ کہا میں نے تو
تمہیں اپنے پیچھے والوں کے لیے خلیفہ بنایا ہے جاؤ میرے اور اپنے اہل میں میری نیابت ادا کرو
کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہ ہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی (علیہما السلام و رضی اللہ عنہ)۔ ان
دونوں اور اس طرح کی دیگر حدیثوں کے سیاق سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مدینہ پر خلیفہ بننا
خاص تبوک کے دنوں میں تھا۔ اور یہ اس حوالے سے نص صریح ہے کہ یہاں پر عام سے مراد یہ فرد
خاص ہے تو قطعی طور پر یہ مادہ افضلیت کو شامل نہ ہوگی۔ جیسا کہ اس مردود رسالے والے کو غلطی لگی
اور وہم ہوا ہے لہٰذا اس کا قول و استدلال حتماً یقیناً باطل ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس اعتبار

سے ہے کہ اس حدیث کی افضلیت پر دلالت نہیں رہی۔ موقف کہ اس حدیث سے جناب علی کا بعد رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑھ کر حقدار خلافت ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ تو سنیے اس کی تفصیل کے لیے اس پر سیاق حدیث دلالت کرتا ہے (جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں) اور اس پر مزید دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب علی کو جناب ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو پیچھے انہیں خلیفہ بنا کر گئے تھے لیکن جب واپس اپنی قوم کی طرف آئے تو لوٹنے کی وجہ سے وہ نیابت ختم ہوگئی اور حضرت ہارون اپنی پہلی ہی حالت پر آگئے ایسے ہی حضرت علی حضور علیہ السلام کے پیچھے غزوہ تبوک میں مشغول ہونے کے دنوں میں اہل مدینہ پر خلیفہ تھے پھر جب حضور واپس آئے تو نیابت ختم ہوگئی اور حضرت علی اپنی حالت اصلیہ پر لوٹ آئے کہ ابھی ابھی معلوم ہو چکا کہ اصل کے لوٹنے پر نائب کے حکم کا نفاذ ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس حدیث 'انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ' کا معنی یہ ہوگا کہ مدینہ پر نائب بننے کا معاملہ صرف ایام تبوک میں تھا۔ اور بلاشبہ اس طرح تو حضور علیہ السلام نے متعدد غزوات اور متعدد عمروں میں بہت دفعہ کئی صحابہ کو خلیفہ بنایا ہے۔ آپ علیہ السلام جب بھی کسی غزوے وحج یا عمرے کو جاتے تو اپنے کسی صحابہ کو مدینہ پر خلیفہ بنا دیتے تا کہ اہل مدینہ کا کوئی معاملہ وغیرہ بگڑنے اور دشمن کے شر سے حفاظت کا ضامن ہو۔ بسا اوقات آپ علیہ السلام نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا اسی طرح بعض دفعہ حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کو نیابت دی اور بعض اوقات ان کے علاوہ اور بھی حضور علیہ السلام کے خلیفہ بنتے رہے کہ جب آپ علیہ السلام غزوہ بدر کو گئے تو حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کو اور غزوہ بنی مصطلق کو جاتے ہوئے حضرت ابوذر غفاری کو اسی طرح غزوہ ذی امر کو تشریف لے جاتے ہوئے حضرت عثمان بن عفان اور غزوہ قینقاع کے موقع پر حضرت بشر بن منذر کو خلیفہ بنایا رضی اللہ عنہم۔ اسی طرح اپنے دیگر اسفار میں ان کے علاوہ کو بھی خلیفہ بنایا۔ حضور علیہ السلام نے پھر سفر کے موقع پر کسی نہ کسی کو خلیفہ بنایا بلکہ حجۃ الوداع جو آپ کا سب سے آخری اور غزوہ تبوک کے بھی بعد کا سفر تھا اس وقت آپ نے جناب علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ ایک اور صحابی حضرت ابودجانہ ساعدی انصاری خزرجی مسمی سماک بن خرشہ جو اپنی کنیت سے مشہور ہیں انہیں مدینہ پر اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ حجۃ الوداع سے کچھ پہلے حضور علیہ السلام نے جناب امیر کو یمن کا خلیفہ بنا کر روانہ کر دیا تھا۔ شامی نے اپنی "سیرت" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرہ ۱۳ مرتبہ حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کو اپنے سفروں میں پیچھے خلیفہ بنایا ہے۔ انتھی۔ اب اگر یہ خلیفہ بنانے کا عمل خلافت

لیت پر دلالت کرتا تو کجا خلافت بعدیت پر بھی دلالت کرتا ہوتا تو یہ سب خلفائے مصطفیٰ اس کے
ستحق ہو چکے ہوتے بالخصوص ابن ام کلثوم کہ حضور علیہ السلام نے انہیں تیرہ ۱۳ مرتبہ اپنا خلیفہ بنایا اور
خصوص حضرت ابو دجانہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے سب سے آخری سفر میں انہیں نائب بنایا تھا۔ جب
الی باطل ہے تو مقدم بھی باطل ہے۔

عتراض: اگر اس جواب پر یہ اشکال کیا جائے کہ علم اصول میں یہ طے ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا
ہے خصوص سبب کا نہیں ہوتا (اور یہاں اس کے برخلاف ہے)۔

جواب: تو ہم کہیں گے کہ ہم پہلی تین وجوہ میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ لفظ منزلہ میں یہاں اصلاً عموم
ہے ہی نہیں چلو اگر ہم اس میں عموم مان بھی لیں تب بھی ظاہر ہے کہ شوافع کے نزدیک تو اس
قاعدے کا برعکس معتبر ہے یعنی ان کے نزدیک تو وہ اگرچہ اس قاعدے کے قائل ہیں لیکن تین
مقامات ایسے ہیں جن کا وہ استثناء کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلا یہ ہے کہ جب تخصیص پر حال و مقام
کی دلالت و قرینہ موجود ہو تو وہاں مخصوص سبب کا اعتبار ہوتا ہے عموم لفظ کا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کسی نے
کوئی شئے مطلق دراھم کے بدلے خریدی تو یہاں وہی درہم مراد ہوں گے جو اس شہر کے معروف
نقدی ہے۔ اسی طرح جب ایک نے دوسرے کو کہا آؤ میرے ساتھ دن کا کھانا کھاؤ اس نے
آگے سے کہا اگر میں کھانا کھاؤں تو میرا غلام آزاد۔ اب اس نے یہ نہیں کہا کہ تمہارے ساتھ کھانا
کھاؤں تو غلام آزاد لیکن اس کے باوجود کھانا کھانے کی صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ
یہاں یہ حلف اسی کے ساتھ اس وقت میں کھانا کھانے کیطرف لوٹے گا کسی اور وقت یا کسی اور شخص
کے ساتھ کھانا کھانا یہاں مراد نہیں ہوگا۔ اسی طرح ایک نے دوسرے سے کہا کیا تم آج رات
جنابت کا غسل کرو گے۔ اس نے کہا اگر میں غسل کروں تو میرا غلام آزاد۔ اب یہاں بھی اس نے
آج رات اور جنابت سے غسل کرنے کا نہیں کہا لیکن اس کے باوجود غسل کرنے کی صورت میں
غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہاں خاص اسی رات میں غسل جنابت مراد ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس
نے کسی اور رات میں یا اسی رات میں بغیر جنابت کے غسل کیا تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی وجہ اس کی یہ
ہے کہ یہاں دلالت حال بطور قرینہ صارفہ موجود ہے۔ جو جواب کو سوال سابق کے ساتھ خاص کر رہی
ہے۔ جیسا کہ شمس الدین فناری کی فصول البدائع اور ابن ہمام رحمۃ اللہ کی التحریر اور ان کے علاوہ دیگر
کتب اصول و فروع میں موجود ہے۔ اسی طرح جو ہماری بحث ہے اس میں بھی جب نبی مکرم

ﷺ نے مولائے کائنات سے فرمایا کہ میں نے غزوہ تبوک جانے کے لیے آپ کو مدینہ کا خلیفہ بنایا ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کی رفاقت و معیت سے پیچھے رہنا دشوار لگا تو عرض کی آقا! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنائے جا رہے ہیں۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا علی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ تو یہاں پر کلام اور پھر دو متکلم کی حالت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ جناب امیر کی تشبیہ حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ خاص اس معاملے میں تھی کہ غزوہ تبوک کے ایام میں آپ کو مدینہ پر خلیفہ بنایا گیا ہے مزید دیگر ایام کہ تبوک کے علاوہ ہوں یا کوئی اور شہر کہ علاوہ مدینے کے ہو اس کو یہ تشبیہ تو حیات جان کائنات ﷺ میں بھی شامل نہیں چہ جائیکہ کہ آپ علیہ السلام کی رحلت ظاہر کے بعد اسے ثابت کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی خلافت بنی اسرائیل کے ساتھ خاص تھی او وہ بھی تب جب موسیٰ علیہ السلام سوئے طور تشریف لے گئے۔ اس کے علاوہ اور کسی قوم یا اور دونوں کو تو...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی شامل نہیں چہ جائیکہ کہ آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد ثابت ہو اور یہ سب باتیں کوئی چھپنے کی نہیں بلکہ بہت واضح ہیں۔

نمبر ۲: یہ کہ جب سوال میں مذکور سبب جواب میں موثر ہو گا تو ایسا جملہ مذکورہ قاعدہ کہ بعض حنفیہ اور دیگر کے نزدیک ہے کہ اعتبار خصوص سبب کا نہیں عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ مستثنیٰ ہو جائے گا۔ جیسا کہ مولانا شمس الدین فناری نے "فصول البدائع" میں یہ بات بیان فرمائی ہے اور کوئی شک نہیں کہ ہم بھی ایسے ہی مسئلے پر کلام کرتے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا چکے اس کے باوجود وہ ایام تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت نہ ملنے پر درد و دشواری محسوس کر رہے ہیں تو یہی سبب ہے کہ حضور علیہ السلام نے پھر ان کی تسکین قلبی کے لیے فرمایا علی! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰ علیہما السلام سے تھی۔ تو کوئی شک نہ رہا تو حضور علیہ السلام کا یہ فرمان سبب مذکور کے ساتھ خاص ہے ﷺ و رضی اللہ عنہ۔

نمبر ۳: یہ کہ علامہ شمس الدین فناری رحمۃ اللہ نے اپنی بدائع میں یہ بات بھی بیان فرمائی ہے کہ جب کوئی جواب اپنے ماقبل سوال کا جزو واقع ہو تو وہ جواب غیر مستقل ہوتا ہے اور بلا خوف اپنے ماقبل سبب خاص کے تابع ہوتا ہے۔ جیسے وہ جواب جو "فا" جزائیہ سے ملا ہوا ہو مثلاً کہا جاتا ہے:

ما بال من واقع فی نہار رمضان عامدا فیقال فلیکفر۔ اس شخص کا کیا حکم ہے

ں نے رمضان کے دنوں میں جان بوجھ کر اپنی بیوی سے قربت کی۔ تو کہا جائے گا وہ کفارہ ادا
رے۔ ان کا کلام ختم ہوا۔

ہماری گفتگو بھی اسی موضوع کی ہے کیونکہ یہاں پر بھی جواب سوال مذکور کا جزء واقع ہوا ہے وہ
ں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا "جب آپ کو مجھ سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے
ل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو جاؤ میں نے آپ کو یہ مرتبہ کاملہ دیا کہ (ان دنوں میں) آپ کا قیام
رے ہی مقام میں ہوگا جیسا کہ حضرت ہارون کا (ان دنوں) کا قیام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام
ں تھا۔ اور "فا" کا ذکر بطور مثال کے ہے وگرنہ اصل دارومدار شرط جزاء پر ہے اور وہ "فا" کے بغیر
ں ہوسکتا ہے۔ مزید یہ کہ یہاں پر تو ابن اسحق کی پیچھے گزری ہوئی روایت میں "فا" بھی موجود ہے کہ
ور علیہ السلام نے فرمایا تھا: "فاخلفنی فی أھلی و اھلك" علی! میرے اور اپنے اہل میں میرے
ب بن کر رہو۔ یہاں پر یہ وضاحت کردوں کہ جواب نمبر ۲ اور نمبر ۳ ایک نہیں بلکہ ان میں دو
ہ سے فرق ہے۔

ں: جواب ۲ کا محل مستقل ہے جیسا کہ فصول البدائع میں اسے سیاق سیاق بیان کیا ہے۔ جبکہ
تیسرے جواب کو علماء نے غیر مستقل شمار کیا ہے۔ اس کی صراحت بھی فصول میں ہے۔

م: یہ کہ تیسرا جواب، اپنے ماقبل سے اعم ہے کیونکہ یہ ایک بطور جزاء واقع ہونے والی شے
ہے اور اس سے پہلے واقع ہونے والی شرط اس میں بسا اوقات موثر ہوتی ہے اور بسا
اوقات نہیں بھی ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فاذا فرغت فانصب و إلی ربك
فارغب۔ ترجمہ کنزالایمان: "تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب
ہی کی طرف رغبت کرو۔" اسی طرح ہمارا یہ قول "إن أکرمتنی فأنت أھل لذالك و
إن أھنتنی فأنت قادر علی ذلك۔" اگر تم میری عزت کرو تو تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے
اور اگر اہانت کرو تو قادر ہو سکتے ہو ہماری باتوں میں تدبر کیجئے نصیحت لیجیے اور بصیرت کے
ساتھ دیکھے ان شاء اللہ آپ دیکھیے حق کو پہچان جائیں گے۔ امید و عرض تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے
(پوری کرے آمین)

جہ ۷: یہ کہ اس حدیث سے عمومیت کا معنی لے کر اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کلی مراد لینا
ا درست نہیں کہ یہ قطعیت کا فائدہ دینے والی مذکورہ احادیث متواترہ اور اجماع کے مخالف ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ظنی قطعی کا مقابل نہیں بن سکتا۔

وجہ ۸: مذکورہ افضلیت مراد لینے کی عدم صف پر دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باوجود کمال علم و فضل اور دقائق عربی کی معرفت رکھنے کے شیخین کو خود پر فضیلت دی اور عام خلق خدا کے سامنے برسر منبر دوران خطبہ شیخین پر اپنی افضلیت کی صراحۃً نفی کی جیسا کہ مذکورہ دونوں قسموں میں گزرنے والی بعض حدیثوں میں بھی اس کی صراحت ہے۔ اور اس میں بھی کوئی خفاء نہیں کہ یہ اعلان حق آپ نے اپنی خلافت کے دوران ہی فرمایا کیونکہ ہم پیچھے علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شارح مواھب الدنیہ نے علامہ سیوطی سے نقل کیا تھا ان کے حوالے سے یہ ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت علی قبل خلافت کوفہ میں داخل ہی نہیں ہوئے خلیفہ بننے کے بعد ہی وہاں تشریف فرما ہوئے اور رہا وہ جواب جو شیعہ شنیعہ نے دیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ بطور تقیہ ڈرتے ہوئے کہا تھا تو اس دعویٰ پر بھی نقبہ شقیہ قسم اول کے آخر میں ہم اتنی سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں جس پر مزید کلام کی حاجت نہیں اس کا جواب وہی دیکھ لیا جائے۔

وجہ ۹: اگر مذکور صاحب رسالہ مردودہ یا اس کے علاوہ شیعہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کلی اور سب سے زیادہ حقداری خلافت کی دلیل اس تشبیہ کو بنائیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس حدیث مبارک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثل صاحب نبوت حضرت ہارون نبی مرسل کو اللہ کے بھیجے ہوئے نبی جناب موسیٰ علیہ السلام سے دی گئی ہے جیسا کہ ان دونوں صاحبوں کی رسالت کو اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے: فقولا انا رسولا ربك۔ ترجمہ کنزالایمان: اور اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں تو (ہم کہیں گے) ہماری جانب سے اس کا جواب تین وجہ سے ہے اور ان تینوں میں سے ہر ایک وجہ مستقل ہے جب ہم انہیں مذکورہ نو وجوہات کے ساتھ ملائیں گے تو یہ مکمل بارہ ۱۲ وجوہات ہو جائیں گی۔ کما لا یخفی۔

نمبر ۱: یہ تشبیہ شیخین دونوں یا ان میں سے ایک یا تینوں خلفائے ثلثہ کسی پر بھی فضیلت کو متلزم نہیں وجہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ یہ بیان فضیلت ہے بیان افضلیت نہیں کیونکہ یہاں افضل التفضیل کا صیغہ نہیں ہے۔

نمبر ۲: یہ کہ اس حوالے سے حافظ ابو العباس خرانی نے اپنی کتاب منہاج الاستقامہ میں جو کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شے کی دوسری شے سے تشبیہ اس لحاظ سے ہوتی ہے جس پر سیاق

کلام دلالت کر رہا ہو نہ یہ کہ ہر شے میں مساوات ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں پر بھی حضرت علی حضرت ہارون کے مرتبے میں صرف اسی لحاظ میں ہیں جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کا حضور علیہ السلام کے بعد مدینہ پر خلیفہ بننا ہے جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ بنے تھے اور خلیفہ بننا کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے تو نہیں ہے۔

نمبر ۳: یہ کہ اس کی مثل تشبیہ اس سے بڑھ کر بروجہ اتم و اکمل جناب صدیق کی شان میں بھی وارد ہوئی ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے جیسا کہ قیدیوں والی حدیث میں جب حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق سے مشورہ کیا تو انہوں نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے پیش کی حضرت عمر سے پوچھا تو انہوں نے قتل کرنے کا مشورہ دیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا میں تمہیں تمہارے ان دونوں صاحبوں کے بارے خبر دیتا ہوں اے ابوبکر! آپ تو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی مثل ہیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تھی:

فمن اتبعنی فإنہ منی و من عصانی فإنك غفور رحیم۔

اے اللہ! جس نے میرا ساتھ دیا وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری بات نہ مانی تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

اور جناب عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا:

إن تعذبھم فإنھم عبادك و إن تغفر لھم فإنك أنت العزیز الحکیم۔

اے اللہ! اگر تو انہیں عذاب دے گا تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اور اے عمر! آپ جناب نوح اور موسیٰ علیہ السلام کی مثل ہیں کیونکہ نوح علیہ السلام کی عرض یہ تھی:

رب لا تذر علی الأرض من الکفرین دیارا۔

اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

اور موسیٰ علیہ السلام کا کہنا تھا:

ربنا اطمس علی أموالھم و اشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب۔

اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو مٹا دے ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ جب تک درد ناک عذاب نہ دیکھیں ایمان نہ لائیں۔

اس حدیث میں جناب ابوبکر کو حضرت ابراہیم وعیسیٰ اور جناب عمر کو حضرت نوح وموسیٰ علیہم السلام و رضی اللہ عنہما سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بات بھی مخفی نہیں کہ یہ چاروں انبیاء سیدنا ہارون سے افضل ہیں کیونکہ یہ صاحبان کتب اور رسل اولوالعزم ہیں جب کہ حضرت ہارون علیہم السلام ایسے نہیں۔ لہٰذا کوئی شک نہیں کہ حضرت ہارون کی نسبت ان بزرگوں سے تشبیہ دینا زیادہ بزرگی وکمال کا باعث ہے۔ تو اگر اس تشبیہ کی بناء پر حضرت علی کے کلی افضلیت اور اولین حق خلافت ثابت ہوسکتا ہے تو پھر ان احادیث سے یہ دونوں چیزیں شیخین کے لیے بروجہ اتم واکمل ثابت ہوں گی پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوالحسن! ابوبکر کا مقام میرے نزدیک ایسے ہے جیسا میرا رب کے نزدیک ہے (اس کو ملانے اپنی ''سیرت'' میں روایت کیا ہے اور محب طبری اپنی ریاض النضرۃ'' میں بیان کیا ہے۔) یہ بالکل واضح ہے کہ تشبیہ سابقہ تمام تشبیہات سے کامل اور تمام ہے کیونکہ اس میں باعتبار منزلت حضرت ابوبکر کو تمام بندگان خدا میں سب سے افضل ہستی حضور سید المرسلین (صلوات اللہ وسلامہ علیہ الی یوم الدین قیامت تک ان پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو) سے تشبیہ دی گئی ہے پھر مزید یہ کہ اس میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی منزلت کو رب العٰلمین عزوجل کی طرف منسوب کیا ہے (اور ابوبکر کو اپنی طرف تو ان کی کتنی بلند شان ہوئی) اعتراض اگر یہ کہا جائے کہ سیاق حدیث کا تقاضا یہ ہے حضرت ابوبکر کی تشبیہ حضرت ابراہیم و عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ بندگان خدا پر مہربان اور رقیق القلب ہونے میں ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت نوح وموسیٰ علیہما السلام کے ساتھ تشبیہ شدت وسختی اور عدم رقت میں ہے۔ ان دو باتوں کے علاوہ کوئی اور تشبیہ نہیں ہے...... تو ہم کہیں گے کہ ایسا ہی معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ وہ یوں کہ جیسے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے دنوں میں ان کی قوم پر خلیفہ بنے تھے۔ ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضور علیہ السلام کے غزوہ تبوک پر جانے کے دنوں میں آپ علیہ السلام کے خلیفہ بنے تھے اور یہی سیاق حدیث اور اس پر دلالت کرنے والے ان تمام قرائن کا تقاضا ہے جن کو ہم پیچھے تفصیلاً ذکر کر آئے ہیں۔ بلکہ یہ آخری حدیث جو ہم نے حضرت ابوبکر کی شان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے یہ تو تشبیہ مطلق ہے اس میں کوئی سیاق وسباق

یں کہ جس نے حدیث کو کسی قدر سے مقید کیا ہو۔ کما لا یخفی۔

عتراض: اگر ہم سے یہ کہا جائے کہ آپ نے اپنے بعض رسائل میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ مۃ اللہ کے نزدیک لفظ "مثل" اور کاف تشبیہ عموم کو ثابت کرتے ہیں یہاں تک کہ آپ نے اس پر یہ سئلہ بھی متفرع کیا کہ اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان کو کہا کہ میں تمہاری مثل ہوں تو اس کا اسلام ثابت و جائے گا۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ آپ یہاں بھی عمومیت کا قول کریں۔

جواب: نوعِ اوّل: ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں مسئلوں کے درمیان تین وجہ سے فرق عظیم ہے۔

- یہ کہ ہم نے مسئلہ اسلام میں جو عمومیت ذکر کی ہے وہ لفظ مثل اور کاف تشبیہ کے حوالے سے ہے نہ کہ لفظ "منزلۃ" کے حوالے سے اور اصول کی کتابوں میں مصرح ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کے نزدیک ان دونوں لفظ مثل اور کاف تشبیہ میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ لفظ منزلۃ کو ان پر قیاس نہ کیا جائے کیونکہ لغت میں قیاس نہیں چلتا اس پر ہم پیچھے تفصیلاً کلام کر آئے ہیں۔

- یہ کہ لفظ مثل اور اس طرح کے دیگر الفاظ کی عمومیت کے حوالے سے علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اسی کے قائل ہیں لیکن جمہور اس سے منع کرتے ہیں۔ اور کتب فقہ میں یہ مسئلہ مقرر ہے کہ جب کسی لفظ میں دس یا سو وجوہ عدم اسلام کو ثابت کرنے والے ہوں اور ایک وجہ موجب اسلام ہو تو جانب اسلام کو ترجیح دی جائے گی (جیسا کہ شرف النبوۃ اور ذخیرۃ الناظرہ وغیرہما میں اس کی تصریح ہے) اور علماء نے یہ بھی فرمایا کہ اثبات اسلام کی ضعیف روایت عدم اثبات کی قوی روایت سے راجح ہوگی اور حتی الامکان اسلام کو ترجیح دینے کے لیے اسی پر عمل کیا جائے گا تو یوں ہم نے بعض کے قول کے بنیاد پر وہاں اسلام کا حکم دیا تا کہ جانب اسلام کو ترجیح ہو کیونکہ اسلام غالب ہوتا ہے۔ مغلوب نہیں ہوتا اور رہا یہاں کا معاملہ تو یہ مقام تو افضلیت پر استدلال کا مقام ہے اور یہاں حضرت ابوبکر یا خلفائے ثلثہ پر تفضیل علی کے قول کو مثل مذکور کوئی ترجیح نہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے لہٰذا یہاں قول جمہور کو ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

۳- یہ کہ ہم نے جو "ان مثلک"، میں عمومیت کا حکم لگایا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ مثلیت بالکل مطلق ہو اور اسلام کے علاوہ کسی اور شے سے مقید نہ ہو یہاں تک کہ اگر ذمی نے مسلمان کو کہا "انا مثلك فی الشباب والشیخوخة" کہ میں جوانی بڑھاپے میں تمہاری مثل

ہوں تو ہم کہتے ہیں کہ وہ مسلمان نہ ہوگا اور جس مسئلے میں ہماری گفتگو چل رہی ہے وہ اسی قید و تقیید کے قبیل سے ہے کیونکہ سیاق حدیث میں صداقت ہے کہ حضرت علی کی حضرت ہارون سے تشبیہ تبوک کے دنوں میں مدینہ پر خلیفہ بننے کے ساتھ مقید ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور شے میں نہیں لہٰذا اس میں عمومیت کا قول کرنا بالکل صحیح نہیں اور اس کی قطعاً کوئی راہ نہیں۔ یہ واضح اور قوی ترین جواب ہے۔ (نوع اول ختم ہوئی)۔

نوع ثانی: اس میں تین وجوہ ہیں:

۱- اگر ہم بر سبیل تنزل (یعنی ذمی کی راہ اختیار کرتے ہوئے) مان بھی لیں کہ حدیث "أنت منی بمنزلۃ ھارون و موسی" کی عموم مراتب پر دلالت ہے تب بھی اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد بالاجماع ظنی ہے۔ قطعیت کا بالکل فائدہ نہیں دیتی لہٰذا مخالف کا قول قطعیت سرے سے ہی باطل ٹھہرا۔

۲- فرض کیا کہ لفظ منزلہ میں عموم ہے لیکن اس میں تو شک نہیں کہ اس کی دلالت ظنی ہے کیونکہ یہ جمہور کے مخالف ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ حرف تشبیہ میں کوئی عموم نہیں۔ لہٰذا ایسی اختلافی صورت قطعی نہ ہوگی۔

۳- اس حوالے سے تو عضد الدین نے مواقف اور سید شریف نے زمین شرح (رحمہما اللہ) میں جو بیان فرمایا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمام مراتب پر حدیث کی عمومیت کو فرض کر بھی لیا جائے تب بھی یہ ایسا عام ہوگا جس سے بعض کو خاص کر لیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کے مراتب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نسبی بھائی تھے (جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا نہیں) اور خاص کیا ہوا عام بقیہ میں حجت نہیں رہتا یا ضعیف حجت ہوتا ہے۔ انتہی ان کا کلام ختم ہوا۔ یعنی سب کے قول پر اس کو قطعی کہنا باطل ٹھہرا۔

مزید یہ کہ یہ دلیل قطعی فضیلت پر دلالت کرنے والے قرائن کی نہیں بلکہ اس کے برعکس ظنیت پر دلالت کرنے والے قرائن کو شامل ہے۔ اس کی موافقت پر کوئی حدیث متواتر یا اجماع بھی نہیں ہے کہ جس کے سبب سے یہ ضعیف قوی اور ظنی قطعی ہو جائے۔

نوع ثالث۔ اس میں گیارہ وجوہ ہیں چھ تو وہی جو نوع اول پہلی چھ میں مذکور ہیں کہ یہ ساری کی ساری اس بات کا فائدہ دیتی ہیں کہ یہ حدیث افضلیت کلی پر دلیل نہیں ہے۔

۷: اگر ہم فرض کر بھی لیں کہ لفظ "منزلۃ" میں تمام مراتب کی عمومیت ہے اور یہ نبی کریم علیہ السلام
بعد خلافت کو شامل ہے تو یہ صحیح تو اسوقت ہی ہوگا جبکہ مشبہ بہ (جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے)
میں بھی ایسی خلافت پائی جائے حالانکہ بعد موسیٰ علیہ السلام کے خلافت ہارون کے نہ ہونے میں کوئی
نہیں کیونکہ سیدنا ہارون علیہ السلام تو جناب موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہی وفات پاگئے تھے جیسا
امام قسطلانی رحمتہ اللہ کی شرح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک اور شیخ عبدالحق محدث
رحمتہ اللہ کی شرح مشکوٰۃ میں اس کی تصریح موجود ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ
قائمقام حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہوئے تھے۔ تو ایک وہ چیز جو مشبہ بہ میں سرے سے موجود
محض صرف تشبیہ کا سہارا لے کر اس کو مشبہ (جس کو توجہ دی گئی ہے) میں ثابت کرنا قطعاً درست
نہیں ہوسکتا۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ ایک ذمی دوسرے ذمی سے کہے "أنا مثلك" میں تیرے جیسا
ہوں تو بالاتفاق وہ مسلمان تو نہ ہوگا کیونکہ مشبہ بہ میں وصف اسلام قطعی طور پر موجود ہی نہیں اسی طرح
کا یہ کہنا کہ زید بہادری میں شیر کی مانند ہے تو یہ زید کی شیر کے ساتھ تشبیہ خاص بہادری میں ہے
(عام) جیسا کہ عرف ومحاورۃ میں بھی یہ معلوم ہے اور علم بیان (بلاغت) میں بھی مذکور ہے۔ پھر
وجہ تشبیہ (جس بات میں تشبیہ دی جارہی ہے اس) میں عمومیت کو فرض کرلیا جائے تب بھی یہ اس
کو شامل نہ ہوگا جو مشبہ بہ میں اصلاً موجود ہی نہیں تو یہ بھی صحیح ہوگا کہ شیر آٹھ ٹانگوں والا ہو گفتگو
کرنے والا یا عربی وغیرہ دیگر زبانیں بولنے والا (حالانکہ ایسا نہیں اس مشبہ بہ شیر میں یہ چیزیں
نہیں پائی جاتیں) اور ہمارا مسئلہ مجوشہ بھی اسی قسم کا ہے۔ یہ جواب اس نوع کے جوابات میں سے
اعلیٰ اور قوی ترین ہے اس کی تائید ریاض النضرۃ میں موجود محب طبری کی یہ عبادت بھی کرتی ہے
کہتے ہیں۔ اس حدیث میں وفات مصطفیٰ کے بعد نفی خلافت کی خبر نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں اگر اس کو
بعد الوفات پر محمول کریں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ہارون سے بمنزلۃ ھارون من موسیٰ ہونا صحیح
نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعد وفات خلیفہ ہونا حضرت ہارون میں موجود نہیں کیونکہ بعد حضرت موسیٰ حضرت
ہارون نہیں بلکہ یوشع بن نون ان کے خلیفہ تھے۔

اعتراض: اگر آپ کہیں کہ ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ اس حدیث سے جناب علی رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ حق خلافت ثابت ہے بلکہ ہمارا مدعی یہ ہے کہ اس حدیث سے جناب
علی رضی اللہ عنہ کا خلافت کے لیے اولین مستحق ہونا ثابت ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ استحقاق کا معنی بھی یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اس کے ایسے حقدار ہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے غیر کو خلیفہ بنانا اور انہیں پھر اگر آپ یہ دعویٰ کریں کہ مذکورہ استحقاق پر یہ حدیث دلیل ہے تو کوئی شک نہیں کہ یہ تبھی ثابت ہوگا جب مشبہ بہ یعنی حضرت ہارون میں بھی یہ امر پایا جائے جب وہاں نہیں تو یہاں بھی نہیں ہوگا۔ اور اگر آپ کا دعویٰ یہ ہو کہ یہ استحقاق کسی دوسری حدیث سے ثابت ہے تو لے آؤ ہم اس پر بھی کلام کریں گے۔ جیسے کوئی کہے کہ عرش موجود تھا پھر پھٹ گیا تو اسے دلیل تو دینی پڑے گی۔

وجہ ۸: اگر اس حدیث کا تقاضا یہ ہو کہ یہ خلافت اولین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے واقع ہوگی تو گویا حضور علیہ السلام کی طرف سے اس کے وقوع کی خبر دی گئی ہے اب اگر تو یہ حضور صادق علیہ السلام کہ جو بغیر وحی کے اپنی خواہش نفس سے کچھ کہتے ہی نہیں کی خبر کے مطابق واقع ہو جاتی تو فبہا لیکن جبکہ اس کا وقوع نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ مراد تھی ہی نہیں۔

اعتراض: اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایام تبوک میں مدینہ پر خلیفہ بننا تو ثابت ہے لیکن یہ کہیں بھی منقول نہیں کہ حضور علیہ السلام نے آپ کو معزول بھی کیا ہو اور قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز جس حالت پر ہو وہ اسی پر باقی رہتی ہے تاوقتیکہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

جواب: ہم کہتے ہیں اس کے پانچ جواب ہیں:

۱- شریعت میں یہ بات معروف و مشہور ہے کہ اصل کے آجانے پر نائب کے حکم کا نفاذ ختم ہو جاتا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کا جناب امیر کو خلیفہ بنانا اتنی ہی مدت کے ساتھ مقید تھا جب تک آپ غزوہ تبوک تشریف لے گئے تھے اور مدت پوری ہونے پر امر مقید ختم ہو جاتا ہے (لہٰذا حضور کے کہنے پر یہ خلافت مقیدہ ختم ہوگئی) اور یہ نیابت دینا کوئی ایسا نہیں تھا کہ جو دائمی طور پر ہو اور مدت کی قید سے مطلق ہو یہاں تک کہ اس پر مذکورہ اشکال وارد ہو سکے۔

۲- وہ جو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ سیاق حدیث اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ یہ نیابت (ایک خاص وقت کے ساتھ) مقید تھی مطلق نہ تھی۔

۳- یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتہائی غمگین ہو کر اور اشکباری کی حالت میں حضور علیہ السلام سے یہ عرض کرنا آقا! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں پر نائب بنا کر جا رہے ہیں؟ یہ شیعوں کے قول کہ "یہ خلافت دائمی تھی"، کی تردید کرتا ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ یہ خلافت مردوں پر نہیں بلکہ عورتوں اور

بچوں پر ہے۔ اور دائمی خلافت کا دعویٰ تو تب مفید ہوتا جب آپ مردوں پر بھی عام خلیفہ ہوتے حالانکہ ایسا نہیں۔ پھر اگر شیعہ کہیں کہ حضور علیہ السلام کی مراد تو ہمیں نے سمجھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو نہیں سمجھی۔ یا ان کی نسبت ہم حضور علیہ السلام کی مراد کو زیادہ جاننے اور سمجھنے والے ہیں تو یہ ایسا قول باطل ہے جسے کوئی بھی دیندار قبول نہیں کرے گا۔

۴۔ وہ جو امام اصفہانی نے شرح طوالع میں بیان کیا کہ اگر یہ نیابت قید مدت سے مطلق بھی ہوتی تب بھی اس سے یہ لازم نہ آتا حضور علیہ السلام اپنی رحلت کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امر خلافت سونپ دیا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے بغیر مدت کسی قید کے فرمایا تھا ''خلفی فی قومی'' میری قوم میں میرے نائب ہیں تو اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ جناب موسیٰ نے اپنی وفات کے بعد کے لیے بھی انہیں خلیفہ قرار دے دیا کیونکہ اُن کے قول خلفی میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو لازمی عموم پر ایسے دلالت کرتا ہو کہ ہر ہر زمانے میں ان کی خلافت کا مقتضی ہو یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں کسی کو اپنے کاموں کا وکیل بنائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بعد وفات بھی وہ اس کا وکیل ہی رہے گا انتھی۔ یہ ظاہر ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

وجہ ۹: اگر اس کی مثل نیابت دنیا رحلت شریف کے بعد کی خلافت اولین وثابت کرنے والا ہوتب تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت یزید بن حارثہ، ابن ام کلثوم اور ان کے علاوہ دیگر افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غزوات کے دوران اپنا خلیفہ بنایا سب کے سب اس خلافت کے حقدار ٹھہریں گے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں نہ افراد اھلسنت و جماعت میں سے نہ افراد شیعہ میں سے اور نہ کوئی اور۔

وجہ ۱۰: اگر اس حدیث کا تقاضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت اولین کا اثبات ہوتا تو شیعوں سے بڑھ کر عربی زبان اور کلام نبی کے اسرار ورموز کو خوب پہچاننے والے مہاجرین وانصار صحابہ اسے سمجھ چکے ہوتے اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر کبھی اتفاق نہ کرتے (اور اگر بالفرض ایسا ہوتا) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو اللہ ورسول کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ کر ضرور ان سے مقابلہ کرتے اور یہ حدیث ان پر بطور حجت پیش کرتے اور کبھی بھی حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کرتے کیونکہ آپ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ کسی سے ڈر کر آپ حق چھپا لیتے بالخصوص شیعوں کے قول کے مطابق (تو ضرور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے) کہ ان کے نزدیک جناب علی معصوم ہیں۔

جب مذکورہ باتوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوا تو واضح ہوگیا کہ حدیث کی یہ مراد ہی نہیں تھی۔

وجہ ۱۱: حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح مشکوٰۃ میں فرمایا اگر ہم جان بھی لیں کہ اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ثبوت خلافت ہے تو یہ اس کے منافی نہیں کہ اس کا ثبوت خلفائے ثلاثہ کے بعد ہے کیونکہ اولیت پر اصلاً کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا اس کا وہی مقام ومحل ہوگا جس میں یہ ظاہراً واقع ہوتی ہے انتھی۔ یہاں تک حدیث "منزلۃ" پر گفتگو مکمل ہوئی۔

اب آئیے دوسری حدیث مبارک کے جواب کی طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان حضرت علی کے بارے میں کہ "وہ ایسا شخص ہے جو اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ ورسول بھی اسے اپنا محبوب رکھتے ہیں"۔ یہ باب فضیلت سے ہے۔ اس میں افضلیت کا بیان نہیں ہے۔ اور رتبہ محبت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کثیر صحابہ کیلئے بیان فرمایا ہے یہاں تک کہ بخاری ومسلم میں موجود حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت کے مطابق حضرت زید بن حارثہ اور ان کے پیچھے حضرت مسلمہ کے بارے فرمایا زید مجھے لوگوں میں محبوب ترین ہے اور ان کے بعد ان کے بیٹے سے مجھے بہت محبت ہے۔ اسی طرح ترمذی شریف میں موجود حضرت اسامہ بن زید کی روایت کے مطابق حسنین کریمین کی شان کے متعلق حضور علیہ السلام نے اللہ سے یہ دعا کی۔ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرے تو اس سے بھی محبت فرما۔ اسی طرح ترمذی میں انہیں سے وارد سیدہ فاطمہ کی شان میں یہ حدیث ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا فاطمہ میرے اہل بیت میں سے مجھے محبوب ترین ہے۔ اسی طرح بخاری وغیرہ میں ہے کہ سیدہ عائشہ کی شان میں فرمایا یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اسی طرح ابوداؤد ونسائی میں ہے کہ آپ نے سیدنا معاذ بن جبل سے فرمایا۔ اے معاذ! قسم بخدا میں آپ سے محبت کرتا ہوں مزید یہ کہ ترمذی میں حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے اللہ تعالیٰ نے چار بندوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت کرتا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابوذر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں"۔ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورضی اللہ عنہم۔ اسی طرح اور بھی کثیر صحابہ پر حضور علیہ السلام نے لفظ محبت کا اطلاق فرمایا ہے لہٰذا اس سے افضلیت پر دلیل پکڑنا صحیح نہیں۔ کما لا یخفی۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ بھی فرمایا ہوا ہے کہ مردوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ابوبکر ہیں پھر ان کے بعد عمر ہیں یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے مروی اور بخاری میں موجود ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ لفظ

احب (جو شیخین کی شان میں ہے) اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس میں لفظ محبت کی نسبت معنی کی زیادتی پائی جاتی ہے۔

تیسری حدیث پاک کا جواب

حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے موقع پر فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے اس کے کئی جوابات ہیں۔

نمبر ۱: یہ کہ صاحب موافق اور شارح موافق نے اس حدیث کے صحیح ہونے کا انکار کیا ہے اور کیوں نہ ہو کہ اکثر اصحاب حدیث مثل بخاری و مسلم اور ان جیسے اور دیگر محدثین نے اسے روایت بھی نہیں کیا اور بعض کبار محدثین جیسے حافظ ابو داؤد سجستانی اور ابو حاتم رازی وغیرھما نے تو اس میں طعن بھی کیا ہے اور شیعوں کا اس حدیث کے متواتر ہونے کا دعویٰ محض مکابرہ ہے۔ انتھی۔

۲۔ ایک جواب صاحب موافق نے یہ دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غدیر خم کے دن نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ہی نہیں تھے کیونکہ آپ اس وقت یمن میں تھے تو پھر کیونکر یہ حدیث صحیح ہو سکتی ہے حالانکہ اس میں صداقت ہے کہ پھر حضور علیہ السلام نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا آخر تک فرماتے ہیں کہتا ہوں اس جواب میں نظر ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں حجۃ الوداع سے پہلے تھے اور غدیر خم کا واقعہ تو حضور علیہ السلام کے حجۃ الوداع سے لوٹنے کے بعد پیش آیا ہے۔ اور یہ ثابت نہیں کہ حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوبارہ یمن بھیجا ہو۔ ہاں اگر یہ ثابت ہوتا یا واقعہ غدیر خم کا حجۃ الوداع سے پہلے ہونا ثابت ہوتا تب یہ جواب صحیح ہوتا فتدبر۔

۳۔ یہ کہ اس میں کوئی خفا نہیں لفظ مولی محبوب و منصور کے معنی میں ہے اولی کے معنی میں نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کا یہ قول اے اللہ! جو بھی اللہ کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو اسے دشمن رکھ اس جواب پر قرینہ و دلیل ہے۔

۴۔ یہ لفظ مولی مدحت و فضیلت کے معنی میں ہے اس میں افضلیت کا بیان نہیں یہی وجہ ہے (بخاری شریف میں موجود ہے) کہ حضور علیہ السلام نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا اے زید! آپ ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہیں تو اگر لفظ مولی اولین حق خلافت پر دلیل ہوتا تو

حضرت زید خلافت کے حوالے سے تمام صحابہ سے افضل اور مقدم ہوتے اور یہ قطعاً صحیح نہیں۔

۵- مواقف و شرح مواقف میں فرمایا اگر اس حدیث کا صحیح ہونا مان بھی لیا جائے تو اکثر راویوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ حضور علیہ السلام کا فرمان "ألست أولى بكم من أنفسكم" کہ کیا میں تم سے زیادہ تمہاری جانوں کا مالک نہیں ہوں؟ روایت نہیں کیا۔ لہٰذا مولی کو اولی کے معنیٰ میں ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کو دلیل بنانا صحیح نہیں ہے۔ انتھی۔ (ان کا کلام ختم ہوا)۔ مصنف فرماتے ہیں کیونکہ لفظ حدیث میں اکثر رواۃ کی مخالفت حدیث میں شذوذ ثابت کرتی ہے اور شاذ حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے محدثین نے حدیث صحیح کی تعریف میں شرط لگائی ہے کہ وہ شاذ نہ ہو۔ جیسا کہ نخبۃ اور اس کی شروحات میں اس کا بیان ہے۔

۶- مواقف اور اس کی شرح میں ہی یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ مولی بروزن مفعل بمعنی افعل آتا ہو ایسا ائمہ عرب و ائمہ استعمال میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا اور مولیٰ کے اولیٰ کے معنیٰ میں نہ ہونے پر مزید دلیل یہ ہے کہ یوں تو کہا جاتا ہے اولیٰ من کذا فلاں سے زیادہ حقدار لیکن یوں نہیں کہا جاتا مولیٰ من کذا اسی طرح اولی الرجلین اور الرجال دو مردوں یا سب مردوں سے زیادہ مستحق کہا جاتا ہے (لیکن اس کے برعکس مولیٰ میں ایسا نہیں کہا جاتا) انتھی۔ اسی کی مثل مواقف کی شرح جواب قاضی بیضاوی کی تفی شرح طوالع میں بھی ہے۔

۷- صاحب مواقف و شارح مواقف نے یہ بھی جواب دیا ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ مولیٰ اولیٰ کے معنیٰ میں ہے تو ہم یہ نہیں جانتے کہ بیان تدبیر و تصرف میں اولویت مراد ہے بلکہ یہ کسی بھی چیز میں ہو سکتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إن أولى الناس بإبراهيم للذين اتبعوه۔ ترجمہ کنزالایمان: بیشک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار تھے سو ان کے پیرو ہوئے۔ اب یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع اور آپ کے قرب میں اولویت کا حصول مراد ہے نہ کہ آپ کی ذات میں تصرف کرنا مراد ہے۔ شاگرد کہہ دیا کہ وہ استاد کے زیادہ حقدار ہیں اسی طرح پیروکار کہتے ہیں ہم اپنے بادشاہ کے زیادہ حقدار ہیں تو وہاں تدبیر و تصرف میں اولویت مراد نہیں ہوگی بلکہ اس سے کوئی کام مراد لیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس کے ذریعے سوال کرنا بھی صحیح ہے کہا جاتا ہے فلاں کس چیز کا زیادہ حقدار ہے کسی کے تصرف کا یا اس کی محبت کا یا پھر اس کی ذات میں تصرف کرنے کا۔ اسی طرح اسے بطور

تقسیم! استعمال کرنا بھی صحیح ہے کہا جاتا ہے فلاں زید کا زیادہ حقدار ہے۔ یا تو اس کی مدد کرنے میں یا اس کا مال لینے میں یا پھر اس کی ذات میں تدبیر و تصرف کرنے میں (جب ا تنے سارے محامل موجود ہیں) تو اس وقت یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلیل نہیں بن سکتی۔ مواقف وشرح مواقف کی عبارت ختم ہوتی ہے۔

ی حدیث کا جواب: حدیث یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جناب علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''آپ ے بھائی ہیں۔''

ب: اپنی اخوت تو حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر کے لیے بھی ثابت کی ہے بخاری میں ہے ت ابن عباس اور مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''لیکن ابوبکر ے بھائی اور میرے ساتھ ہیں۔ اسی طرح حافظ سلفی نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی ں کو محب طبری نے ریاض النضرۃ میں بیان کیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ابوبکر دنیا و آخرت برے بھائی ہیں رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح مقاصد میں ذکر کیا کہ حضور نے شان ابوبکر میں فرمایا: لیکن ابوبکر میرے بھائی سسر اور وزیر ہیں'' اور حضرت عثمان ارے فرمایا: ''عثمان جنت میں میرے بھائی اور ساتھی ہیں'' رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح زید بن حارثہ کی ت میں وارد حدیث ہم صحیح بخاری کے حوالہ سے پیچھے نقل کر چکے ہیں تو جب مذہب محبوب ت و جماعت اور فرقہ شیعہ میں سے کوئی حضرت عثمان و حضرت زید کی شان میں وارد لفظ ئی'' کی بناء پر انہیں تمام صحابہ سے افضل نہیں مانتا تو پھر ان تمام روایات میں جناب علی کی صدیق پر افضلیت کی بھی قطعاً کوئی دلیل نہیں رضی اللہ عنہما۔ یہاں سے شیعہ شنیعہ کے جناب علی کو صدیق پر افضل ماننے اور ان دونوں صاحبوں کی شان میں وارد ہونے والے حدیثوں کو میں معارضاً گمان کرنے اسی طرح ان کے پیرو ہمارے مخالف صاحب رسالہ مردود کے تمام ت بارے واضح ہوگیا کہ یہ سب کچھ حتمی طور پر باطل ہے۔ (الحجۃ القویۃ، قلمی)

مزید یہ بات یاد رہے کہ ایک لامذہب (ظاہری) اور مائل بہ تشیع کے حوالہ ہمارے خلاف کرنا اصول کے خلاف ہے۔ کیونکہ ایسے اقوال کی حیثیت علماء اہلسنت کی تصریحات کے بل کچھ بھی نہیں ہے۔

بشر بن معمر کا مذہب:

شیخ محمود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 233 پر بشر بن معمر کو تفضیل علی کا قائل لکھا ہے:
جواب: عرض یہ ہے کہ بشر بن معمر سے یہ قول اصول النحل کے مصنف عبداللہ بن محمد الناشی نے کس سند سے نقل کیا ہے؟ سند یا تو مصنف کتاب جانیں یا پھر سعید ممدوح جانے۔ مزید یہ کہ بشر بن معمر کا تعارف بھی ذرا کرا دیں۔ تاکہ عوام الناس کو ان کا علم بھی ہو جائے کہ وہ کون تھا اور کس مسلک اور عقیدہ کا تھا۔ لہٰذا ایسے بے سند اقوال آپ کو بہت مبارک ہوں۔

مورخ المسعودی کا عقیدہ:

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 236 تا ص 238 تک تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ مورخ المسعودی سے بیان کرتا ہے۔ مورخ المسعودی نے جو دلائل پیش کیے وہ درج ذیل ہیں۔

أنت مني بمنزلة هارون.

من كنت مولاه فعلي مولاه.

أللهم ادخل إلى أحب خلقك إليك يأكل معي من هذا الطائر فدخل عليه عليّ. (بحوالہ مروج الذہب ج ۲ ص ۲۳)

جواب: مسعودی کے پیش کردہ دلائل اور احادیث کا تفصیلی رد گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ لہٰذا متعلقہ صفحات کا مطالعہ کریں۔ اس مقام پر اس پر بحث کرنا مناسب نہیں ہے۔
مزید یہ کہ مؤرخ المسعودی کا تعارف تو کروا دیں؟ تاکہ عوام الناس پر اس کے عقیدہ کی حقیقت آشکار ہو سکے۔
شیخ محمود سعید ممدوح نے ص 236 کے حاشیہ میں مسعودی کو معتدل مؤرخ اور علامہ لکھا ہے۔ اور مزید یہ لکھا کہ ناصبیوں کی عادت ہے کہ وہ ہر اس شخص پر شیعیت کی تہمت لگا دیتے ہیں جو اہل بیت کی طرف مائل ہو۔

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ اول تو مسعودی کے قول میں افضلیت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی بات موجود نہیں۔ بلکہ اس کے قول میں تو فضائل علی رضی اللہ عنہ بیان کئے ہیں۔ جبکہ اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ فضیلت اور مسئلہ افضلیت میں کافی فرق ہے۔ لہٰذا مسعودی کے قول کو تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ

منسلک کرنا غلط ہے۔

مزید یہ کہ المسعودی کو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سیر اعلام النبلاء 560/15 اور جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لسان المیزان رقم: 5376 پر اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

کتبه طائفة بأنه كان شيعياً معتزلياً۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شیعہ اور معتزلی لکھا ہے۔

ایک عرب محقق سلیمان بن عبداللہ صاحب نے المسعودی کے بارے میں ایک پوری کتاب منہج المسعودی لکھی اور اس کتاب کے ص 74 پر مسعودی کی ہی کتابوں سے اسے شیعہ ثابت کیا ہے۔ لہٰذا اس کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

شیخ محمود سعید ممدوح کا یہ کہنا کہ ناصبی محب اہل بیت کو شیعہ کہتے ہیں۔ ایک بڑا جارحانہ حملہ ہے جو اس کے خبث باطن کی دلیل ہے۔ اہل سنت علماء کرام حب اہل بیت کے ساتھ تعظیم صحابہ کے عقیدہ کا معیار مقرر کرتے ہیں۔ اور پھر اس عقیدہ کے بعد کسی بھی شخص پر شیعہ ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں۔ جبکہ المسعودی کو شیعہ اور معتزلی کہنے والوں میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش ہیں۔ لہٰذا شیعہ اور معتزلی کے عقائد پر تفضیلیہ حضرات ہی پھولے نہیں سماتے جبکہ اہل سنت علماء کرام کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔

صاحب بن عباد کا عقیدہ:

شیخ محمود سعید ممدوح نے ص 238 اور ص 237 پر صاحب بن عباد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے دلائل اور اقوال نقل کیے ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جہاد اور أنت منی بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبی بعدی۔ ترجمہ: تمہاری منزلت مجھ سے ایسے ہے جیسی ہارون کی موسیٰ علیہ السلام سے الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

مزید صاحب بن عباد لکھتے ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے لازم آتا ہے کہ ہر وہ منزلت جو ہارون علیہ السلام کی موسیٰ کے نزدیک تھی وہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کیلئے ثابت ہے۔ ماسوا ان مراتب کے جو دلائل سے مخصوص ہوں اور ان میں سے ایک منزلت یہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے افضل فرد ہیں۔ (الزیدیہ لصاحب بن عباد ص 115 و ص 129)

جواب: ان تمام دلائل کا تفصیلی رد گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ لہٰذا متعلقہ صفحات کا مطالعہ کریں۔

مزید یہ کہ صاحب بن عباد کے قول کی حیثیت علماء اہل سنت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر اعلام النبلاء 511/16 پر اسے **و کان شیعیاً معترلیاً مبتدعاً** لکھا ہے۔

صاحب بن عباد کا نام اسماعیل بن عباد تھا۔ اس نے مناقب علی نامی کتاب لکھی۔ جس میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے اول خلافت کا ثبوت دیا ہے جس سے اس کے افکار مزید واضح ہو جاتے ہیں کہ یہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے اولین خلیفہ ہونا بھی مانتا ہے۔ اور ایسے عقیدے رکھنے والا تو پکا بدعتی اور گمراہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان رقم: 1186 پر اسے شیعہ، معتزلی اور حشویہ کی طرف مائل لکھا ہے۔

امام ابوحیان نے کہا:

اصدقنی علی بن عباد قال لادین له له لفسقه فی العلم و کذبه فی العلم۔ (لسان المیزان رقم:1186)

امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تدوین فی علماء قزوین میں لکھا ہے کہ

ولولا أن بدعة الاعتزال و شنعة التشیع شنعت أوجه فضله و غلو فیها۔ (لسان المیزان رقم:1186)

عبدالجبار القاضی نے کہا: **هذا الرافضی۔** (لسان المیزان، رقم:1186)

لہٰذا اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اسماعیل بن عباد، شیعہ، رافضی اور معتزلی تھا۔ لہٰذا اس کا یہ عقیدہ ہمارے خلاف نقل کرنا علمی غلطی اور بددیانتی ہے اور یہ بھی ملاحظہ کریں کہ تفضیلیہ کے عقیدہ کی بنیاد کیسے کیسے بدمذہبوں اور بدعتیوں کے قول پر ہے۔

علامہ سید محمد بن عقیل باعلوی کا عقیدہِ تفضیل کا جائزہ:

محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 240 تا ص 242 پر سید محمد بن عقیل باعلوی کا عقیدہ تفضیل ان کی کتاب تقویۃ الایمان وغیرہ سے نقل کیا۔ (اور تقریباً وہی حوالہ جات ہیں جو شیخ ممدوح پہلے پیش

کا ہے۔)

ب: سید محمد بن عقیل باعلوی کے پیش کردہ دلائل وہی ہیں جو شیخ ممدوح نے اپنی کتاب میں
کیے ہیں ہم ان کا رد کر چکے ہیں لہٰذا متعلقہ صفحات کا مطالعہ مفید رہے گا۔
مزید یہ کہ علامہ سید محمد بن عقیل باعلوی کے حوالے نقل کرنا علمی زیادتی ہے۔ محمود سعید ممدوح
ہر جگہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل کا مذہب اور عقیدہ چھپایا۔ تاکہ عوام الناس کو بدعتیوں کے
بارے میں معلوم نہ ہوسکے۔

جناب والا، سید محمد باعلوی نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں
ان بردتزکیۃ معاویہ بن أبی سفیان، العتب الجمیل علی أهل الجرح والتعدیل،
تولی معاویه، النصائح الکافیه اور فصل الحاکم فی النزاع و التخاصم
بنی امیة و بنی هاشم وغیرہ شامل ہیں اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ کرلیں تو آپ پر واضح
ہوجائے گا کہ اتنی تنقیص تو فرقہ امامیہ نے بھی نہیں کی ہوگی، جتنی سید محمد بن عقیل العلوی نے کی ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص سے بچائے۔

سید محمد بن عقیل بن عبداللہ باعلوی کی پیدائش ۱۸ فروری ۱۸۶۳ء/ ۱۲۷۹ھ میں حضرموت
میں ہوئی۔ اور ۱۹۰۰ھ میں ہندوستان کی طرف سفر بھی کیا اور اردو زبان سے بہت کم واقفیت
تھی۔ سید محمد بن عقیل باعلوی نے خرقہ صوفیاء باجازت شیخ حبیب الرحمن دکنی سے پہنا۔
(شمس الظہیرۃ ج۱ص۳۱۸)

علامہ جمال الدین قاسمی شامی لکھتے ہیں:
إلا أنه يتشيع بغلو، مع أنه على مذهب الشافعي۔
(الرسائل المتبادلہ بین جمال الدین قاسمی ومحمود شکری الالوسی ص ۱۲۲)

علامہ زرکلی لکھتے ہیں: کان شدید التشیع۔ (الاعلام ج۶ ص ۲۶۹)
شیخ صلاح البکری لکھتے ہیں: التی منها الرفض۔ (تاریخ حضرموت السیاسی ج۲ ص ۶۴)
علامہ عبدالرحمن بن عبیداللہ السقاف لکھتے ہیں: غلا بالآخرة فی التشیع۔
(ادام القوت فی ذکر بلدان حضرموت ص ۸۳۵)

شیخ محمد بن ناصر العجمی لکھتے ہیں:

هو محمد بن عقيل من الزيدية مع تشيع الظاهر۔

(تعلیقہ علی لرسائل المتبادلہ بین جمال الدین قاسمی ومحمود شکری الالوسی، حاشیہ ص ۲۱۱)

دکتور یعقوب الحجی لکھتے ہیں:

نشاء أول أمره على مذهب الشافعي، لكنه تركه بعد ذلك و أخذه بمذهب العترة أو أهل البيت أو مذهب الزيدية۔

(سیرۃ وحیاۃ عبد العزیز الرشید ص ۲۶۱)

جناب ایسے رافضی کا حوالہ ہمارے خلاف پیش کرنا ایک علمی زیادتی اور ان کا مذہب چھپا کر بد دیانتی کا واضح ثبوت دیا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کا حوالہ کسی کام کا نہیں ہے۔

شیخ عبد العزیز بن صدیق الغماری کے عقیدہ کا جائزہ

محمود سعید ممدوح نے ص 242 تا ص 246 تک شیخ عبد العزیز الغماری کا فضیلت کے مسئلہ میں تفضیل علی پر دلائل نقل کیے ہیں۔

علامہ شیخ عبد العزیز الغماری نے مسئلہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے اثبات میں جو دلیل نقل کی ہے ان میں شامل ہیں۔

۱- سید العرب کا لقب

۲- سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ رضی اللہ عنہا کا شوہر ہونا

۳- حسنین کریمین کا والد ہونا (بحوالہ مقدمہ الافادع بطرق حدیث النظر الی علی عبادۃ)

جواب: ان تمام دلائل کا رد بڑی تفصیل سے گزشتہ صفحات پر دیا جاچکا ہے۔ مزید یہ کہ یہ تمام فضیلتیں نسبی فضیلتیں ہیں۔ جس کا مسئلہ تفضیل سے کوئی تعلق نہیں بنتا۔ کیونکہ مسئلہ تفضیل کا دارومدار اللہ تعالیٰ کا قرب اور متقی ہونا ہے۔ لہٰذا ان کے دلائل سے ہمارے موقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ویسے بھی ان دلائل کو نقل کرنا خلط مبحث ہے کیونکہ افضلیت جزوی اور افضلیت کلی میں زمین آسمان کا فرق ہے جسکی تفصیل مقدمہ میں درج ہے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر الزام کی جسارت:

حافظ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 244 کے حاشیہ میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر گرفت

تے ہوئے کچھ یوں لکھتا ہے۔" میں کہتا ہوں: گمان کو چھوڑیے! درست بات یہ ہے کہ ذہبی کا نفس مفہوم حدیث کو برداشت نہیں کرسکا تو انہوں نے جھٹ پٹ حدیث پر وضع کا حکم لگا دیا۔ انہوں نے وضع حدیث کا سبب تلاش کیا تو انہیں الراسبی (ایک راوی) کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ان نے ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے قبل کسی کو عمر بن حسن الراسبی پر جرح کرتے ہوئے نہیں پایا۔ ذہبی کی جرح ور متن حدیث علی سید العرب پر ہے۔ حالانکہ متن میں کوئی انہونی بات نہیں ہے"

واب: محمود سعید ممدوح اپنی حیثیت اور مقام کو دیکھے اور جرح وتعدیل کے امام علامہ ذہبی کے مقام پر بھی غور کرے۔ یہ تو ہوسکتا تھا کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے اس معاملے میں تسامح ہوجائے مگر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ لکھنا کہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا نفس مفہوم حدیث کو برداشت ں کرسکا" ایک بڑی جسارت ہے۔

افسوس اے ممدوح! کہ تو نے تو اکابرین سلف اور محدثین کرام کو نہ بخشا۔ تو نے صحابہ کرام کو نہیں تا۔ تو نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں غایہ التبجیل ص 231 کے حاشیہ پر لکھا کہ "سائل جاننا چاہیے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ایسے امور کی تردید میں جلدی اور ان کے انکار میں مبالغہ کرتی تھیں ان کے اجتھاد کے خلاف ہوتے جیسا کہ بہت سے مجتھدین سے ہوجاتا ہے اور کبھی ایسے عموم ے دلیل لاتیں جو منقول کے مقابل نہیں لائے جاسکتے" اے ممدوح! تجھے اپنی اس جسارت پر رمندہ اور توبہ کرنی چاہیے۔ تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم پر اعتراض کر رہا ہے۔ مجھے رانگی ہے کہ ایسی عبارات پر علماء اہل سنت خاموش کیوں ہیں؟ مجھے تو ظہور احمد فیضی اور غایۃ تبجیل کے چھاپنے والے دیگر احباب پر حیرانگی ہے کہ ایسی بے حسی کیوں؟ صرف تفضیل المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ گھڑنے کے لیے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتنی بڑی زبان درازی کی رہی ہے۔ افسوس علماء اہل سنت شیخ ممدوح اور اسکے حواریوں کے بارے میں رد عمل دکھانے ں سستی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔

اے ممدوح! تو نے تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی نہ بخشا جو کہ تیری تقریروں اور تیرے اتذہ اور تیرے ساتھیوں کی کتب سے بھی عیاں ہے۔ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سارت کرسکتا ہو تو اس کے نزدیک اکابرین کی کیا وقعت ہوگی؟ جبکہ ہمیں اکابرین کی عزت اور تراm کا درس دیا جاتا ہے۔

اے جری شخص! علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی موافقت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان رقم:5594 ترجمہ عمر بن الحسن الراسبی، پر کی ہے۔

علامہ برھان الدین الحلبی نے الکشف الحثیث ص 194 پر حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو برقرار رکھا ہے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے المقاصد الحسنہ حدیث نمبر:578 کے تحت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کیا۔

امام عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الخفاء رقم:1513 پر حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کیا ہے۔

علامہ ابن ملقن رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر تلخیص الذہبی رقم:546 پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کیا ہے۔

مزید یہ کہ محمود سعید ممدوح کو اتنا معلوم ہونا چاہیے کہ بعض اوقات کسی روایت کو نقل کرنے والے تمام راوی ثقہ ہوتے ہیں مگر اس کا متن موضوع ہوتا ہے۔

تو پھر عمر بن الحسن الراسی اگر بالفرض ثقہ بھی ہوتا تو روایت کے متن کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر کسی نے اعتراض کیا تو انشاء اللہ منہ توڑ جواب آئے گا۔ اور اگر کسی نے مطالبہ کیا کہ کوئی ایسی روایت پیش کریں کہ سند صحیح ہو مگر متن موضوع ہو تو جناب اس سلسلہ میں ایک نہیں بلکہ ایک درجن روایات فوراً پیش کردی جائینگی۔ مگر فی الحال اس مقام پر اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ محمود سعید ممدوح ایک گستاخ اور بے ادب شخص ہے۔ اختلاف سب کا حق ہے، مگر اس کی آڑ میں سلف وصالحین کی توہین اور سخت جملے بولنا انتہائی جسارت اور مردود عمل ہے۔ (العیاذ باللہ)

آل باعلوی کے عقیدہ کی تحقیق

شیخ محمود سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص ۲۵۲ پر آل علوی کے اکابرین حسنی حسینی سادات کا عقیدہ افضلیت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق درج کیا ہے۔

جواب: آل باعلوی، سید احمد بن صدیق الغماری، سید عبداللہ بن صدیق الغماری جیسے لوگوں کے اقوال ہمارے خلاف پیش نہیں کیے جاسکتے۔ کیونکہ اول تو یہ لوگ ملحق بہ دور حاضر ہیں اور دوم یہ کہ یہ حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کے قائل نہیں اور اکثریت ان میں سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

طعن و تشنیع کرتے ہیں جو کہ ان کی کتابوں سے ظاہر اور ثابت ہے۔ لہٰذا اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایسے لوگوں کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ سنیت نام ہے حب اہل بیعت مع تعظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا۔

آل علوی کے اکابر حسنی حسینی سادات کی ایک جماعت افضلیت شیخین کی قائل ہے۔

عبداللہ بن علوی الحداد نے النصائح الدینیہ ص ۹۵ پر افضلیت شیخین کا عقیدہ لکھا۔

شیخ سید محی الدین بن عبدالقادر بن شیخ بن عبداللہ بن العیدروس نے النور السافر ص ۷۸ پر افضلیت شیخین کے عقیدہ بیان کیا۔

علامہ احمد بن حسن العطاس نے العلم النبر اس ص ۲۶ پر افضلیت شیخین کا عقیدہ لکھا۔

سید احمد بن صدیق الغماری کے عقیدہ کی تحقیق

شیخ محمود سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص ۲۵۳ پر سید احمد بن صدیق الغماری کا عقیدہ افضلیت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے دلائل درج کیے ہیں۔

جواب: سید احمد بن صدیق الغماری کا عقیدہ ہم پر حجت نہیں کیونکہ سید احمد بن صدیق الغماری شیعہ نہیں بلکہ رافضی ہے۔ اس سید احمد بن صدیق الغماری کو بعض حلقہ احباب سنی علماء کرام میں شمار کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو تو اول اس کے عقائد معلوم نہ تھے۔ لہٰذا اس کو سنی سمجھ کر اسکی کتابوں کا ترجمہ کروایا۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو باخوبی معلوم ہے کہ احمد بن صدیق الغماری شیعہ ہے مگر اس حقیقت کو جاننے کے بعد بھی اسکی کتابوں کے ترجمہ کروا رہیں ہیں۔

اگر اس ملعون شخص کی کتابوں کا ترجمہ کروانا ہے تو شوق سے کروائیں مگر عوام الناس میں اسے سنی بنا کر اسکی کتابوں کو متعارف کروانا ایک قبیح جرم ہے احمد بن صدیق الغماری صحابہ کرام کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتا ہے، ملاحظہ کریں۔ (نقل کفر کفر نہ باشد)

الطاغیة معاویه. قبحه الله و لعنة. (البحر العمیق ج ۱ ص ۱۳۱)

اہل سنت کے عقائد سے منحرف کسی بھی شخص کا حوالہ معتبر نہیں ہوگا۔ مزید یہ کہ وہ دلائل جو احمد بن صدیق نے تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیے ہیں، اس کا مسئلہ تفضیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس کی وضاحت کتاب کے مقدمہ میں کر دی گئی ہے۔

سید عبداللہ بن صدیق الغماری کے عقیدہ کی تحقیق

شیخ محمود سعید ممدوح اپنی کتاب غاية التبجيل ص ۲۵۴ پر سید عبداللہ بن صدیق الغماری کا عقیدہ افضلیت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے دلائل درج کیے ہیں۔

جواب: عبداللہ بن صدیق الغماری کا حوالہ ہم پر حجت نہیں ہے کیونکہ عبداللہ بن صدیق الغماری شیعہ ہے۔ اور احمد بن صدیق الغماری کے بھائی ہے۔

عبداللہ بن صدیق الغماری لکھتا ہے:

لم يحسن إسلامه مثل معاويه و أبيه۔ (الحاوی ج ۳ ص ۳۲)

لہٰذا اہل سنت کے عقائد سے منحرف کسی بھی شخص کا حوالہ معتبر نہیں ہوگا۔ مزید یہ کہ وہ دلائل جو عبداللہ بن صدیق نے تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیے ہیں، اس کا مسئلہ تفضیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس کی وضاحت کتاب کے مقدمہ میں کر دی گئی ہے۔

❁❁❁❁

...ویں باب کا جواب

"اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا مذہب تفضیل علی ہی ہے" کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 257 تا ص 260 تک کچھ اقوال اہل بیت اطہار ...ے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں نقل کیے ہیں اس کی تحقیق ملاحظہ کریں۔ جبکہ ...قیقت یہ علماء زیدی فرقے کے امام تھے۔

...ول نمبر ۱: شیخ محمود سعید ممدوح نے امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے مولا علی کی فضیلت ...ت کرنے کی کوشش کی۔

...واب: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں مطلقاً افضلیت نہیں بلکہ علم میں افضل ہونا ہے اور علم کی تخصیص ...ابت کرتی ہے کہ یہ فضل جزئی ہے جبکہ متنازعہ مسئلہ افضلیت مطلقہ ہے۔ مزید یہ کہ ہم حضرت علی ...ضی رضی اللہ عنہ کو اعلم شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے بعد ہی مانتے ہیں۔ لہٰذا امام حسن رضی اللہ عنہ کے قول میں جس ...رح انبیاء و مرسلین کی تخصیص ثابت ہے اسی طرح شیخین کی تخصیص بھی ثابت ہے۔ لہٰذا یہ قول نہ ...ارے منافی ہے اور نہ ہی آپ کو مفید ہے۔ ایسے حوالے پیش کرنا خلط مبحث ہے۔ مزید یہ کہ خود امام ...ن رضی اللہ عنہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما کے قائل ہیں جس کی تفضیل متعلقہ صفحات میں موجود ہے۔

...ول نمبر ۲: سعید ممدوح نے دوسرا قول اہل بیت اطہار سے ثابت کرنے کے لیے یحییٰ بن ...ین بن قاسم بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن المثنیٰ بن حسن سبط کی کتاب الاحکام فی ...لال والحرام ص 38,39 سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول اپنے دادا قاسم بن ابراہیم ...ی 246ھ کا حوالہ آیا۔

...واب: اب اس حوالہ کی بابت تو عرض یہ ہے کہ یحییٰ بن حسین بن قاسم زیدی فرقے کا امام ہے۔

علامہ عمر رضا کحالہ معجم المولفین 191/13 پر اس کو من ائمۃ الزیدیہ لکھا ہے۔
مورخ زرکلی نے اپنی کتاب الاعلام 141/8 پر اسے امام من زیدیہ لکھا ہے۔
سید الھادی بن ابراھیم ان انھیں امام ائمہ الزیدیہ لکھا ہے۔ (ھدایہ الراغبین ص ۲۷۷)
اور یہ حوالہ بڑا اہم ہے کیونکہ سید الھادی خود بھی زیدی تھا۔
ایک شیعہ مورخ شیخ جعفر سبحانی لکھتا ہے۔
ھو الموسس للمذھب فی الیمن۔ (بحوث فی الملل والنحل ج ۷ ص ۵۲۴)
یعنی یمن میں زیدیوں کے مذہب کا بانی تھا۔
لہذا اول تو ایسے زیدی کے حوالوں کو اہل بیت اطہار میں شمار کرکے اور یہ ظاہر کرنا کہ یہ اہل بیت کے فرد ہیں، ایک فریب اور مکاری سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔
مذکورہ حوالہ ان کے دادا قاسم بن ابراہیم الرسی کا ہے۔ ان کے حالات وعقائد علماء اہلسنت کی کتابوں سے واضح کریں تاکہ معلوم ہو سکے اس شخصیت کا کردار کیا تھا؟
زرکلی نے انہیں من ائمۃ الزیدیۃ لکھا ہے۔ (الاعلام 171/5)
یحییٰ بن حسین بن قاسم کی کتاب الاحکام فی الحلال والحرام کو بیان کرنے والا یعنی اس کا راوی محمد بن الفتح بن یوسف کا تعارف اور توثیق پیش کریں؟
اس کتاب کا راوی الحسن بن احمد بن محمد الضمری کے حالات بھی پیش کریں تاکہ واضح ہو جائے کہ اس کتاب کی اسنادی حیثیت کیا ہے؟
مزید یہ کہ مصنف یحییٰ بن حسین خود بھی زیدیوں کا امام ہے۔
صاحب حوالہ ابراہیم بن اسماعیل بھی زیدی فرقے کا بڑا امام رہا۔ جبکہ صاحب تصنیف کے والد حسین بن قاسم بھی زیدیوں کے امام ہیں۔ (ملاحظہ کریں الاعلام 171/5)
لہذا پوری سند ہی زیدیوں سے بھری پڑی ہے۔ ایسے زیدیوں کو سنی اہل بیت میں داخل کرنا بڑا دھوکا ہے۔ عجب بات ہے کہ کوئی سنی یا اہل سنت اہل بیت کا آپ کو حوالہ نہیں ملا۔ لہذا ایسے زیدیوں کے حوالے سعید ممدوح اور ان کے حواریین کو ہی مبارک ہوں۔
قول نمبر ۳: سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 259 مترجم پر تیسرا حوالہ منصور باللہ عبداللہ بن حمزہ الحسینی 614ھ کی کتاب رسائل المنصور 253/2 کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا حوالہ دیا۔

جواب: عرض یہ ہے کہ ذرا عوام الناس کو یہ بتائیں کہ منصور باللہ عبداللہ بن حمزہ سنی ہیں یا زیدی؟

مورخ عمر رضا کحالہ نے منصور باللہ عبداللہ بن حمزہ کو من ائمۃ الزیدیۃ الیمن لکھا ہے۔ (معجم المؤلفین 50/6)

جبکہ مورخ زرکلی نے اس کو أحد ائمۃ الزیدیۃ فی الیمن لکھا ہے۔(الاعلام 83/4)

لہٰذا گمراہ فرقے زیدی کے ائمہ کے حوالے آپ کو ہی مبارک ہوں اور سعید ممدوح کا ان کا مسلک نہ ظاہر کرنا علمی خطاء ہے۔

قول نمبر ۴: اس کے بعد سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 259[مترجم] پر یحییٰ بن حمزہ حسینی کا قول سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا حوالہ نقل ان کی کتاب الرسالۃ الموازنۃ ص 38،37 سے پیش کیا۔

جواب: مورخ عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین 195/13 پر انہیں من ائمۃ الزیدیۃ لکھا ہے۔ یحییٰ بن حمزہ نے زیدیوں کی فقہ پر ایک کتاب العمدۃ فی الفقہ الزیدیہ لکھی ہے۔ لہٰذا کتنا بھی صالح شخص کیوں نہ ہو اہل سنت سے باہر کے شخص کا حوالہ عقائد کے مسئلہ پر مسموع نہیں ہے۔

قول نمبر ۵: غایۃ التبجیل ص 259 پر نمبر 4 کے تحت قاضی عبدالجبار شافعی کے حوالہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اہل بیت اطہار کا اجماع نقل کیا ہے۔

جواب: قاضی عبدالجبار کے حوالہ سے اہل بیت کا اجماع نقل کرنا عجیب و غریب ہے۔ چند زیدیوں کے ائمہ سے اقوال نقل کر کے اہل بیت کا اجماع نقل کرنا جہالت ہے۔ مزید یہ کہ اگر اہل بیت کرام کا اجماع آپ کو مسلم ہے تو پھر اس حوالہ میں سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا کوئی ذکر نہیں جبکہ آپ نے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت پر بڑے حوالے نقل کئے تھے۔ آپ بتائیں کہ یہ اجماع زیدیوں کا ہے قبول ہے کہ نہیں؟

مزید یہ کہ جناب والا قاضی عبدالجبار الاسدآبادی شافعی اہل سنت کے کوئی عالم نہیں بلکہ قاضی عبدالجبار تو معتزلی تھا۔ لہٰذا معتزلیوں کے حوالہ سے اہل بیت کا مذہب ثابت کرنا علمی خیانت ہے۔ جناب والا وہ حوالے تو پیش کریں جہاں اہل بیت کرام نے مولا علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے

مطلقاً افضل کہا ہے۔ قاضی عبد الجبار معتزلی کا اجماع اہل بیت لکھنا ان کے مذہب کو ظاہر کر رہا ہے کہ معتزلی متاخرین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے لہٰذا اہل سنت کے مقابلہ میں معتزلیوں کے اقوال آپ کو ہی مبارک ہوں۔ قاضی عبد الجبار کا پورا نام عبد الجبار بن احمد بن عبد الجبار تھا۔

ا- طبقات الشافعیہ الکبریٰ رقم 4440 پر علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے واضح انداز میں "کان إمام أهل الاعتزال" لکھا ہے۔

۲- خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد رقم: 5806 میں لکھا ہے کہ "وكان ينتحل مذهب الشافعي في الفروع ومذاهب المعتزله في أصول" لکھا ہے۔

۳- حافظ ابن حجر نے لسان المیزان رقم: 1539 لکھا ہے کہ "وكان من غلاة المعتزلة بعد الأربع مائة"۔

لہٰذا مذہب معتزلہ کے نمائندہ کا اس بارے میں حوالہ نقل کرنا خیانت ہے اور متاخرین معتزلہ تو مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ لہٰذا اس کا یہ دعویٰ کہ اہل بیت کا اس پر اجماع ہے ایک دھوکا اور فریب ہے۔

مذکورہ بالا توضیحات کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ شیخ التفضیلیہ محمود سعید ممدوح اور ان کے حواری اہلسنت و جماعت کے علماء کے حوالہ جات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ شیخ التفضیلیہ کے پاس جو گنے چنے افراد کے حوالہ جات ہیں وہ تمام معتزلہ اور روافض یہ زیدیوں کی گرو گنٹال ہیں۔ شیخ التفضیلیہ روافض و متعزلہ سے متاثر ہیں نہ کہ اہل سنت سے۔ بہر حال علماء اہل سنت کے حوالہ سے بات کرنا شیخ التفضیلیہ اور ان کے حوارین کو ہی خوب رہے گا۔

❀❀❀❀

آٹھویں باب کا جواب:

''اجماع کے دعوؤں کا جائزہ'' کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 261 مترجم تا ص 269 پر اجماع کے اقوال کا نام نہاد دعویٰ پر جائزہ پیش کیا ہے۔ اس باب میں سعید ممدوح نے جس قدر گمراہ کن باتیں ذکر کیں ہیں اس سے تو شریعت کے ماخذ مشکوک ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس باب میں اس کی عبارتیں اور انکا جواب ملاحظہ کیجئے۔

اعتراض: سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 261 پر لکھتا ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر ان کی ترتیب خلافت کے مطابق اجماع ہو چکا ہے۔ لہٰذا اجماع کو تسلیم کرنا واجب ہے۔ (اس کا جواب سعید ممدوح کچھ یوں لکھتا ہے۔)

''ہرگز نہیں، امت ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ان کی افضلیت کی ترتیب پر متفق نہیں ہوئی، امت کے درمیان اختلاف مشہور ہے۔ جس کا انکار نہیں کرتا مگر متکبر، ہٹ دھرم، جاہل اور راوہام کی تقلید کرنے والا، اور مقلد کا اپنا کوئی نظریہ نہیں ہوتا اور تقدیم کے قائل کے لیے اختلاف کے باوجود اجماع کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے۔

جواب: سعید ممدوح کا یہ مذکورہ بالا اعتراض اس کی ناقص رائے کو ظاہر کرتی ہے جو کہ یک طرفہ موقف پر مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اہل سنت کا اجماع ہے کہ خلفاء اربعہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ (جس کا اقرار شیخ محمود سعید ممدوح کو بھی ہے)

یہاں پر نکتہ ذہن نشین رہے کہ افضلیت کا قول تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تقابل میں کیا جاتا ہے یعنی کہ خلفاء اربعہ کی افضلیت تمام صحابہ کرام کے مدمقابل مسلم ہے۔

اب دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ان چاروں میں افضلیت کی ترتیب کیا ہے؟ تو ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ شیخین کریمین کی افضلیت تمام صحابہ کرام پر ہے اور اس پر اجماع بھی ہے اور شیخین کی افضلیت

ختنین (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) پر بھی ہے۔جس پر واضح طور پر اجماع موجود ہے۔
اب رہا یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آپس میں افضلیت میں کیا موقف ہے؟
تو جمہور اہل سنت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔
ختنین کے آپس کی افضلیت میں تو جمہور اہل سنت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف ہیں۔مگر ان دونوں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی افضلیت باقی صحابہ کرام پر اجماع سے ثابت ہے اور یہ معاملہ قطعی ہے۔لہٰذا اجماع کے الفاظ میں تقابل کا لحاظ ضروری ہے۔شیخین کریمین کا تقابل تمام صحابہ کرام سے ہے جبکہ ختنین کا تقابل (شیخین کے علاوہ) باقی صحابہ کرام سے ہے۔لہٰذا پہلے اہل سنت کا موقف اچھی طرح جانیے پھر اس پر اعتراض کیجیے۔
اس مذکورہ بالا تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ خلفاء اربعہ (جن میں ختنین بھی شامل ہیں) کی افضلیت باقی تمام صحابہ پر موقف پر اجماع ہے۔جبکہ ختنین کی آپس کی افضلیت پر جمہور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ان دونوں کی آپس کی افضلیت پر تو جمہور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف ہیں۔مگر ختنین کی افضلیت دیگر صحابہ کرام (استثناء شیخین) پر اجماع اہل سنت ہی

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 263 پر لکھا ہے۔
"آپ نے غور فرمایا کہ جس اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ اجماع شرعی نہیں کہ اس کے مخالف کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے بلکہ وہ اجماع ایک مخصوص جماعت کے اتفاق کے معنیٰ میں ہے۔لہٰذا وہ ایک مذہبی اتفاق ہے،اجماع شرعی نہیں۔اگر یہ اتفاق صحیح ہے تو اہل سنت کا ایک گروہ اس سے اختلاف وتعارض رکھتا ہے۔سعید ممدوح ص 264 [مترجم] پر مزید لکھتا ہے:
معلوم ہوا کہ یہ اجماع اہل سنت کے ساتھ مخصوص ہے۔اس لئے کہ اثبات اختلاف کے بعد واقع ہوا۔لہٰذا یہ ایک جماعت یا ایک مذہب والوں کا اتفاق ہے۔سعید ممدوح ص 266 مترجم پر مزید اجماع کے بارے میں لکھتا ہے:
"اس تمام تر بحث سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تفضیل پر کوئی اجماع نہیں ہوا،یہ اختلافی اور ظنی مسئلہ ہے اور جس نے اجماع کا دعویٰ کیا تو اس نے اس کو فقط اہل سنت کے ساتھ مخصوص کیا۔"
غایۃ التبجیل ص 267 پر مزید گل فشانی کچھ یوں کی ہے۔

"علماء اصول کے قول المجتہدین میں الف لام استغراقی ہے، لہٰذا یہ تمام مجتہدین کو شامل ہے۔ پھر الامۃ کا لفظ امت کے مجتہدین کے ہر فرد کو شامل ہے اور یہ امت اجابت ہے۔ لہٰذا اس میں تمام طبقات اسلامیہ کے مجتہدین شامل ہیں۔ پس اگر کسی امر پر فقط مجتہدین حرم یا فقط مجتہدین اہل سنت یا فقط مجتہدین زیدیہ، عراق، مصر یا فقط مجتہدین اہل سنت اور معتزلہ متفق ہو جائیں تو اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ اگر کوئی متشدد شخص کہے کہ اہل سنت کے ماسواء تو بدعتی ہیں تو ان کے اختلاف کا اجماع میں کیا اعتبار کیونکہ بدعتی کا اختلاف لائق التفات نہیں ہے تو جواباً عرض ہے کہ اصولیین نے ایسے بدعتی مجتہد کے اجماع میں شامل ہونے پر بحث فرمائی ہے جس کی بدعت کفر کو نہیں پہنچی، آیا اس کے بغیر اجماع منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ واللہ اعلم درست یہ ہے کہ اس بدعتی مجتہد کے بغیر اجماع منعقد نہیں ہوتا کیونکہ وہ اجماع کی تعریف میں داخل ہے۔"

جواب: سعید ممدوح نے اپنے موقف کو ظاہر کرنے کے لیے بڑا زور لگایا مگر اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ لہٰذا آپ چند معروضات ملاحظہ کریں۔

1- سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اجماع امت کے معنیٰ سے عوام خارج ہیں یعنی عام عوام کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں جس مسئلہ میں خواص اجماع منعقد کر لیتے ہیں تو عوام بھی ان سے اتفاق کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حق اسی میں ہے جس میں اہل حل و عقد کا اجماع منعقد ہوا ہے وہ صرف قول و فعل ہی سے نہیں بلکہ دل سے بھی اس کی موافقت کرتے ہیں ان کے دلوں میں خلاف مضمر نہیں ہوتا اس لئے اسے اجماع امت کا نام دینا بالکل درست ہے۔ (المستصفی 181/1)

2- یہ بات اہم ہے کہ قارئین کرام اس بات کو سمجھیں کہ اجماع میں غیر مجتہد علماء کی رائے معتبر نہیں ہوتی، جیسے کہ اگر کسی مسئلے میں غیر مجتہد کا قول ایک نہیں بلکہ متعدد بھی ہوں تو اس سے اجماع پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سعید ممدوح نے مسئلہ تفضیل میں اختلافی اقوال نقل کیے ہیں تو صرف آپ یہ دیکھ لیں کہ ان میں مجتہدین کتنے ہیں آپ پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اب یہ بھی یاد رکھیں کہ غیر مجتہد علماء کرام کی 3 قسمیں ہیں۔

i- وہ علماء جنہیں فقہ اور اصول فقہ میں دسترس حاصل نہیں ہے جیسے متکلمین، نحومی، مفسر اور محدث جبکہ وہ غیر فقیہ اور غیر اصولی ہو۔ یعنی ایسے علماء جنہیں حکم شرعی کی معرفت میں کوئی دخل نہ ہو۔

ii- وہ علماء جنہیں فقہ کی جزئیات یاد ہیں لیکن اصول فقہ میں دسترس حاصل نہیں ان کو فقیہ اور فروعی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

iii- وہ علماء جنہیں اصول فقہ میں دسترس حاصل لیکن فقہ کی جزئیات یاد نہیں ان کو اصولی کہا جاتا ہے اب وہ علماء کرام جو اجماع میں عوام کی شمولیت کو جائز کہتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ مندرجہ بالا تینوں قسم کے لوگ عوام میں شامل ہیں مگر جمہور نے اجماع میں عوام کی شمولیت کو غیر معتبر کہا ہے ان کے نزدیک ان تینوں اقسام کے علماء میں سے اول قسم کے علماء کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نکتہ: مگر یہ یاد رہے کہ ہر فن میں اس کے ماہر کا قول حجت ہوتا ہے۔ فقہ کے مسائل میں فقہاء کا اجماع معتبر، اصولی مسائل میں اصولیین کا اجماع، نحو کے مسائل میں تمام نحویین کا اجماع اور مسائل کلام میں تمام متکلمین کا اجماع معتبر ہوگا۔ [مگر وہ اپنے فن میں اہل اجتہاد میں سے ہو]۔

(ارشاد الفحول ص 84، المستصفی 183/1)

اجماع میں غیر مجتہد علماء کی تینوں قسموں میں پہلی قسم جمہور کے نزدیک غیر معتبر ہے۔ البتہ باقی دونوں قسموں کے علماء کرام (فقیہ غیر اصولی اور اصولی غیر فقیہ) کے بارے میں اختلاف موجود ہے۔ لیکن فخر الاسلام بزدوی نے ان دونوں کو بھی غیر معتبر قرار دیا ہے کیونکہ اجماع میں جس قسم کی اہلیت کی ضرورت ہے وہ ان دونوں میں کسی میں بھی موجود نہیں ہے اور وہ اہلیت صرف اہل حل و عقد یعنی مجتہدین ہی میں پائی جاتی ہے۔ (کشف الاسرار 960/3)

محقق ابن امیر الحاج نے اسے قول مشہور قرار دیا ہے۔ (التقریر والتحبیر 81/3)

محقق سید امیر بادشاہ نے بھی اسی اصول کو مشہور قول گردانا ہے۔ (تیسیر التحریر 224/3)

لہٰذا اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک صرف مجتہدین کے قول کا ہی اعتبار کیا جائے گا۔ لہٰذا سعید ممدوح کا یہ لکھنا کہ "بلکہ وہ اجماع ایک مخصوص جماعت کے اتفاق کے معنیٰ میں ہے۔ لہٰذا وہ ایک مذہبی اتفاق ہے، اجماع شرعی نہیں۔ اگر یہ اتفاق صحیح ہے تو اہل سنت کا ایک گروہ اس سے اختلاف رکھتا ہے۔" (غاية التبجيل مترجم ص 263) ان حوالہ جات کی

روشنی میں غلط ہے۔ کیونکہ اجماع میں غیر مجتہد کا قول غیر معتبر ہے۔ لہٰذا اسعید ممدوح کے پیش کردہ حوالہ جات کی کوئی قانونی اور اصولی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔

کیونکہ اجماع کرنا مجتہد کا کام ہے۔ لہٰذا مجتہد کی شرائط کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ یہ نہ ہو کہ ہر دوسرے عالم کو مجتہد کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا جائے۔ لہٰذا مجتہد کی مندرجہ ذیل شرائط ملاحظہ کریں۔

i- وہ کتاب وسنت کا عالم ہو۔ اسے استخراج کا طریقہ معلوم ہو۔ اسے صحیح، حسن اور ضعیف میں فرق اور تمیز معلوم ہو۔ اسے اسباب جرح وتعدیل کی پوری معرفت حاصل ہو۔ اسباب جرح میں کون سا سبب موجب جرح ہے اور کون سا نہیں اور کون سا سبب مقبول ہے اور کون سا مردود اور عدل میں کون سی علت قادح ہے اور کون سی قادح نہیں۔

ii- مجتہد کو ان مسائل کا علم ہونا چاہیے جن پر اجماع منعقد ہو چکا ہے تاکہ اجماع کے خلاف فتویٰ نہ دے۔

iii- مجتہد کو عربی زبان میں اتنا عبور ہو کہ وہ غریب الفاظ کی تفسیر وتشریح کر سکے۔

iv- مجتہد کو اصول فقہ کا علم ہونا ضروری ہے کیونکہ اجتہاد کی عمارت اسی پر کھڑی ہے اور ارکان اجتہاد کی بنیاد اس علم پر ہی قائم ودائم ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے محصول میں لکھا ہے کہ مجتہد کے لیے اہم ترین علم اصول فقہ ہے۔

v- مجتہد کو ناسخ ومنسوخ کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس باب میں کوئی چیز مجتہد سے چھپی نہ رہے۔

vi- مجتہد کو قیاس کا طریقہ اور اس کی شرائط اور مواقع کا بھی علم ہونا چاہیے کیونکہ مجتہد کے لیے قیاس لازمی ہے۔

vii- مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ دلیل کس طرح قائم کی جاتی ہے اور ادلہ کے لیے کون سی شرائط ہیں؟

ان تمام تفصیلات کو ملاحظہ کریں۔ ارشاد الفحول ص 233 تا ص 235، المستصفی 2/351 ان تمام شرائط کا نتیجہ یہ ہے کہ مجتہد کو قرآن وسنت میں عبور ہونے کے ساتھ ان سے استدلال کا طریقہ بھی آنا چاہیے۔ جس شخص میں مندرجہ بالا شرائط ہونگی وہ مجتہد بننے کا اہل ہو گا یہ بھی یاد رہے کہ یہ شرائط مجتہد بننے کی ضرورت ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں کہ جس میں یہ شرائط ہوں گی وہ ہر حال میں

مجتہد ہو گا کیونکہ یہ علوم کسب سے حاصل ہو جاتے ہیں مگر منصب اجتہاد کسب سے نہیں بلکہ یہ منصب تو وہبی یعنی عطا کردہ ہوتا ہے۔ منصب اجتہاد تو اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے کیونکہ اجتہاد کی بنیاد وہ ملکہ ہے جس کے ذریعے مجتہد احکام کا استنباط کرتا ہے۔ امت میں بے شمار افراد ایسے گزرے ہیں جنہیں مذکورہ علوم میں مہارت کاملہ حاصل تھی لیکن ان کے پاس استنباط نہ ہونے کی وجہ سے وہ منصب اجتہاد پر فائز نہ ہو سکے۔ اس کی سب سے بڑی مثال علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ امت کے ان افراد میں سے ہیں جنہیں مذکورہ بالا علوم میں مجتہدانہ مقام حاصل تھا۔ ان کو خاص طور پر تفسیر و حدیث کا امام مانا جاتا ہے اور انہیں خاتم الحفاظ کا لقب دیا گیا حالانکہ حافظ سیوطی نے یہ لکھا کہ اجتہاد کے تمام آلات میرے (سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) اندر کامل طور پر پائے جاتے ہیں۔ (حسن المحاضرہ ص 156)

لیکن اس کے باوجود جب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو اس زمانہ کے لوگوں نے ان کے دعویٰ اجتہاد کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تفصیل علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الضوء اللامع 69/4 پر ملاحظہ کریں۔

4- مزید یہ کہ صاحب نور الانوار نے اجماع کے باب میں لکھا ہے:

"وہ حضرات جن پر اجماع منعقد ہوتا ہے وہ حضرات ہیں کہ وہ مجتہد ہوں اور صالح ہوں اور ان حضرات میں نہ ہوا پرست ہو یعنی وہ اہل بدعت نہ ہو اور نہ ہی اہل فسق ہو۔" (نور الانوار، باب الاجماع)

اس سے معلوم ہوا کہ اجماع صرف مجتہدین پر ہی منعقد ہوتا ہے نہ کہ عام عوام اور نہ علماء کرام۔ جب کہ ان مجتہدین کا بھی عادل ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اجماع صرف اور صرف اہل سنت کا ہی معتبر ٹھہرا۔

5- غایۃ التبجیل ص 267 پر دلیل رابعاً کے تحت لکھا ہے کہ اصولیین نے ایسے بدعتی مجتہد کے اجماع میں شامل ہونے پر بحث فرمائی ہے جس کی بدعت کفر کو نہیں پہنچی، آیا اس کے بغیر اجماع منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور مزید صفحہ 268 پر یہ لکھا کہ "واللہ اعلم درست یہ ہے کہ اس بدعتی کے بغیر اجماع منعقد نہیں ہوتا کیونکہ وہ اجماع کی تعریف میں داخل ہے...... اور یہی امام الحرمین، ابو اسحق الشیرازی، امام غزالی، ابن الحاجب اور دوسرے علماء کا مختار مذہب ہے بالکل علمی خیانت ہے۔ علماء کرام نے اس قول کو مختار

مذہب نہیں لکھا۔

i- امام غزالی (المستصفی 183/1) علامہ آمدی (الاحکام 169/1) ابواسحق الشیرازی کے اقوال کو محقق ابن الھمام نے التقریر 96/3 پر رد کیا ہے۔ مزید یہ کہ علماء اصولیین حنفیہ سمیت جمہور کے نزدیک ارکان اجماع کا عادل ہونا شرط ہے۔ مجتہد غیر عادل کا اجماع میں کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس کی موافقت ومخالفت سے اجماع متاثر نہ ہوگا۔

ii- ایسا بدعتی جس کی بدعت کفر تک نہیں پہنچی مگر اس کی بدعت فسق کی حد تک پہنچی ہوئی ہو جیسے خوارج، تفضیلی شیعہ (ایسا شیعہ جو صحابہ کرام کے بارے میں برے الفاظ کہے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھے) اور معتزلہ وغیرہ میں اختلاف ہے کہ آیا اجماع میں ان کا اعتبار کیا جائے یا نہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام آمدی، امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کا تو اعتبار کرتے ہیں۔ شمس الائمۃ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بدعتی بدعت ظاہر کر دے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ متہم بالھوی تو ہے مگر بدعت کو ظاہر نہیں کرتا تو جس چیز میں اسے گمراہ قرار دیا ہے تو اس میں اس کا اعتبار نہ ہوگا لیکن دوسری چیزوں میں ہوگا۔

(اصول بزدوی ص 242)

مگر جمہور بشمول امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک ایسا بدعتی مجتہد عقیدہ فسق کی حد تک پہنچا ہوا ہو اجماع میں اس کا مطلقاً اعتبار نہیں کیا جائے گا خواہ وہ داعی الی البدعۃ اور مظہر بدعت ہو یا نہ ہو۔ (التقریر 96/3 کشف الاسرار 959/3)

لہٰذا اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ بدعتی جس کی بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو یعنی کہ فاسق ہو۔ جمہور کے نزدیک اس کا اجماع میں کوئی مقام نہیں اور نہ ہی اس کا اختلاف معتبر ہوگا۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 268 پر لکھا ہے:

اہل ہوا کو اجماع میں شامل کرنے کے وجوب پر ابومحمد بن حزم کی عمدہ بحث ہے جو کہ ان کی اصول 850/1 پر دیکھی جا سکتی ہے۔

جواب: اہل ہوا تو اجماع میں شامل نہیں ہیں۔ ابن حزم ظاہری کے اقوال کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

i- ابن القطان فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اجماع سے اہل علم کا اجماع مراد ہے۔ اہل ہوی کا اس میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ii- امام ابو یعلی حنبلی کا بھی یہی قول ہے۔

iii- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ ملاحظہ کریں: التقریر 96/3، ارشاد الفحول ص 76۔

iv- اہم بات یہ ہے کہ ظاہری مذہب والے صرف اجماع صحابہ کے قائل ہیں غیر صحابہ کا اجماع ان کے نزدیک حجت اور معتبر نہیں ہے۔ (ارشاد الفحول ص 77)

ان مندرجہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ اہل ہوا کا اجماع میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نکتہ: سعید ممدوح کے اختلافِ مذاہب نقل کرنے والے اقوال کا بغور مطالعہ فرمائیں اور خود فیصلہ کریں کہ آیا ان اقوال سے اختلاف ثابت ہو سکتا ہے اور اگر اختلاف ثابت کرنے کی زبردستی کوشش کی جائے تو پھر کیا یہ اقوال اجماع اہل سنت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں؟ جواب صرف یہی ملے گا بالکل نہیں۔ لہٰذا اجماع اہل سنت کو مذہب کا اجماع کہنا جمہور علماء کرام کی مخالفت اور علمی بددیانتی ہے۔

اعتراض: غاية التبجيل ص 268 پر لکھا ہے۔

''ائمہ اہل بیت کو چھوڑ کر جو د اجماع کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، وہ ثقلین میں سے ثقل ثانی، کتاب اللہ کے قرین (ہمیشہ کے ساتھی) اہل اجتہاد اور اہل استقامت ہیں۔ تعجب بالائے تعجب ہے اجماع اور محبت اہل بیت کے ان مدعیوں پر جو جھٹ پٹ اجماع کا دعویٰ کر دیتے ہیں اور اہل بیت کرام کی رائے کا ذکر تک نہیں کرتے حالانکہ وہ کتاب اللہ کے ساتھی اور سفینہ نجات ہیں اور وہ دوسرے لوگوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں ان کا قول ذکر کیا جائے خصوصاً مسئلہ تفضیل میں۔''

جواب: اہل بیت کرام سے محبت کرنا اور ان کی تعظیم کرنے کے ساتھ صحابہ کرام کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا اہل سنت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ہمارے دلوں میں حب علی رضی اللہ عنہ ہے نہ کہ بغض معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ہم نے کس مقام پر اہل بیت اطہار کا ذکر نہیں کیا مگر ہم میں اور تم میں فرق یہ ہے کہ ہم اہل بیت کا تذکرہ ان کی محبت میں کرتے ہیں اور تم اہل بیت کے تذکرے کی آڑ میں صحابہ کرام خصوصاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہو۔ کیا تمہیں وہ احادیث بھول گئیں:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔

(ابوداؤد ص 279 ج 2۔ ترمذی 296/2 باب العلم باب الاخذ بالسنۃ)

اقتدوا بالذین من بعدی أبی بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ (ترمذی 207/4 مناقب ابی بکر)

لہٰذا ہمیں اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے بھی محبت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی ادب ہے۔

مزید یہ کہ مسئلہ تفضیل میں تم نے کون سے اہل بیت سے مسئلہ تفضیل پر دلائل دیئے ہیں۔ اگر چہ تم نے امام حسن رضی اللہ عنہ کا خطبہ دیا تو اس کے بابت عرض کر دیا گیا کہ ان کا افضل کہنا فی العلم تھا۔ یعنی کہ علم میں افضل تھے۔ بقیہ دیگر کسی صحیح سند سے اہل بیت سے مسئلہ تفصیل واضح نہیں ہے۔

نکتہ: رہے وہ حوالے جو سعید ممدوح ساتویں باب کے اندر اہل بیت کرام ظاہر کر کے دیئے ہیں تو وہ ہمیں مسلم نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ سارے کے سارے زیدی فرقے کے امام ہیں اور زیدی فرقے کے مبلغ ہیں۔ فرقہ زیدیہ اور فرقہ امامیہ صرف اور صرف اہل بیت کا اجماع مانتے ہیں کسی اور کا اجماع نہیں مانتے۔ (بحوالہ التقریر والتحریر 98/3)

لہٰذا فرقہ زیدیہ کے لوگوں کا مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہنا ہم پر حجت نہیں اور یہ بھی علمی خیانت ہے کہ ایک زیدی فرقے کے سید عالم کو اہل بیت کا رکن بنا کر ہمارے خلاف دلیل ثابت کی جائے۔ اگر گمراہ فرقے کے سید عالم کی بات ماننا فرض ہے تو اہل تشیع کے سب سید کہلانے والے ہم پر کیسے حجت ہوں گے؟ لہٰذا اہل بیت کا نام لے کر عوام الناس کو بہکانا غلط اور مردود ہے۔ لہٰذا اجماع کے دعویٰ پر سعید ممدوح کے اعتراضات باطل اور مردود ہیں ہمارے اکابرین اور سلف نے جو بات واضح کی وہی درست اور صواب ہے۔

نویں باب کا جواب

”ناپسندیدہ اقوال کا جائزہ“ کی تحقیق

شیخ محمود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 271 تا ص 310 تک مختلف اکابرین امت بشمول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر رد کر کے انہیں ناپسندیدہ اقوال سے مخاطب کیا ہے۔ عجب حال ہے ایک طرف یہ چوٹی کے علماء کرام اور دوسری طرف سعید ممدوح جیسا رافضی شخص جو تاویلات کے ذریعے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتا ہے۔

اعتراض: سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 271 پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر گرفت کی اور غایۃ التبجیل ص 272 پر لکھتا ہے۔ ”ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا مطلقاً بلا غلو اور بلا بغض تشیع کو بدعت شمار کرنا خطا ہے جس سے پرہیز کرنا چاہئے“۔

جواب: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس تشیع کے بارے میں کلام نہیں کر رہے جو کہ موالات، محبت اور نصرت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت ہے۔ بلکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تشیع کا ذکر کیا ہے جو کہ ہم عرف عام میں متقدمین کی اصطلاح میں استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ اہل بیت رضی اللہ عنہم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت تشیع نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت تو اہل سنت کی نشانیوں میں سے ہے۔ جناب محب اہل بیت کا نعرہ لگا کر صحابہ کرام کی تنقیص یا ان کو اصل مقام نہ دینا یہ تشیع ہے۔ اگر مولا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کر کے ان کو افضل کہنا اور صحابہ کرام پر خاموش رہنا سنت ہوتا تو پھر علماء کرام زیدیہ فرقے کو تشیع کا ایک فرقہ نہ کہتے بلکہ اس کو اہل سنت کا ہی ایک فرقہ سمجھتے۔ لہٰذا نعرہ اہل بیت صرف لگانا سنت نہیں بلکہ محب اہل بیت کے ساتھ صحابہ کی تعظیم وتکریم ومقام کا اقرار کرنا سنت ہے۔

اعتراض: سعید ممدوح کا غایۃ التبجیل صفحہ 274 کے حاشیہ میں محمد حبیب اللہ شنقیطی مالکی کی کتاب مناقب علی ص 155 سے یہ نقل کرنا کہ ”معمر نے کہا کہ جس نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت

ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو وہ اس پر سختی نہیں کریں گے اور جس نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں سے افضل ہیں تو وہ اس پر سختی نہیں کرینگے۔ بشرطیکہ وہ شیخین کی فضیلت، ان کی محبت اور جس تعریف کے وہ اہل ہیں اس کا معترف ہو"۔

جواب: یہ قول بھی جمہور علماء کرام کے اقوال کی روشنی میں غلط ہے کیونکہ اول تو سند کے ایک ایک راوی کی توثیق اور ان راویوں کا آپس میں سماع وملاقات ثابت کرنا سعید ممدوح اور اس کے حوارین پر لازم ہے۔ ایسے ضعیف اور مجھول راویوں والی روایت پر بغلیں بجانا ترک کر کے، تحقیق کے میدان میں صحیح اقوال پیش کریں۔

دوم یہ کہ کیا ہم اپنا عقیدہ معمر بن راشد اور عبدالرزاق کے اقوال پر بنائیں گے؟ اور ایسے اقوال کی بنیاد پر جو کہ سنداً بھی صحیح نہیں ہیں۔

سوم یہ کہ اس قول میں یہ واضح نہیں کہ ان کا تفضیل دینا، تفضیل جزئی تھی یا افضلیت مطلقہ؟ کیونکہ تفصیل جزوی کے معترف کا قول ہمیں مضر نہیں اور آپ کو ایسے قول مفید نہیں۔

حیرانگی کا مقام ہے کہ امت کی ایک جماعت ایک طرف کھڑی ہے اور سعید ممدوح صاحب اقوال شاذ کو مقبول بنانے کے چکر میں مصروف ہیں۔ یاد رکھیں کہ ہم حق کو افراد سے نہیں پہچانتے بلکہ افراد کو حق سے پہچانتے ہیں۔ یہ قول میرے سردار اور میرے محبوب حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو معمر بن راشد یا عبدالرزاق (جو کہ ضعیف ہیں) کے اقوال سے ان کے حق پر ہونے کی دلیل لا رہے ہیں جو کہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔ امت کے کسی جید عالم نے ان لوگوں کے یہ اقوال قبول نہ کیے۔ میرا یہ سوال ہے کہ امت کے اجماع اور اہل سنت کا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کے مقابلے میں یہ اقوال کیسے آسکتے ہیں؟ اور یہ اجماع کیسے ٹوٹ سکتا ہے؟ لہٰذا ایسے نامقبول اور شاذ اقوال کو ماننا آپ جیسے محقق کا ہی وطیرہ ہو سکتا ہے جو کہ اکابرین کے مسلک سے بے زار ہے اور اس کو ماننے سے منکر ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں ذرا ملاحظہ کریں۔

"مجرد خواہشات نفس، تعصب اور جاہلی حمیت کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ دیگر خلفائے راشدین پر فضیلت دینے لگتے ہیں اور اس کو بزعم خویش عین انصاف سمجھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اتباع حق میں کسی ملامت گر کی ملامت

ان کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔حالانکہ دین کے معاملہ میں ان کی (سعید ممدوح اور ان کے حوارین) کی کوئی حیثیت نہیں اور بے علمی اور جہالت میں وہ چوپایوں کی طرح ہیں''۔(الاسالیب البدیعہ ص ۹)

علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

''شدت جہالت اور بے بصری کی وجہ سے وہ گمان کرتے ہیں کہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک ساری امت مسئلہ فضیلت میں راہ خطا پر کاربند ہے اور وہ علم وفہم سے بیگانہ، خواہشات کے بندے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عداوت میں حق بجانب اور راہ ہدایت وصواب پر ہیں''۔(الاسالیب البدیعہ ص ۱۰)

علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

''ان جہلاء کے اسی طرز عمل نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر مجبور اور آمادہ کیا تاکہ ان میں سے جو کوئی اس کا مطالعہ کرے وہ اپنی خطائے عظیم کو پہچان لے اور یقین کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و ہدایت پر نہیں بلکہ ہلاکت کے گڑھے کے کنارے کھڑا ہے اور اگر کارساز مطلق اپنے لطف و کرم سے اسے نہ سنبھالے تو وہ ہلاکت میں پڑ جائے گا۔'' (الاسالیب البدیعۃ ص ۱۰)

علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ مزید ایسے تفضیلی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھیں اور صحابہ کرام پر لعن طعن نہ کریں تو اس کی تکفیر کے قائل نہیں (اور اللہ کا شکر ہے کہ ہم بھی اس کے قائل نہیں)۔مگر علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ اس عقیدے کے رکھنے والے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جو آدمی آپ کو (حضرت علی رضی اللہ عنہ) خلفائے ثلاثہ پر تقدیم و فضیلت دے وہ جمہور امت کے نزدیک بدعتی ہے مگر اس کی یہ بدعت خفیف بدعت ہے۔جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اس کے بدعتی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک جمہور سلف وخلف کے نظریات کی مخالفت کی ہے۔''

(الاسالیب البدیعۃ ص ۱۷۰)

یاد رہے کہ تفضیلیوں کو تقریباً تمام محققین اور مؤرخین نے شیعوں کا ایک فرقہ لکھا ہے۔لہٰذا سعید ممدوح کا ہر شیعہ کو اہل سنت میں داخل کرنا اور محب علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے نعروں کے بل

بوتے پر انہیں اسلام کے اکابرین میں داخل کرنا مردود ہے۔ لہٰذا ابلا غلو (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہنا اور صحابہ کرام کی تعظیم کرنا) کو بدعت میں شمار کرنا علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا بالکل صحیح موقف ہے جبکہ محمود سعید ممدوح کا موقف باطل اور مردود ہے۔ کیونکہ علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ بدعتی اس لئے کہ ایسے شخص نے صحابہ کرام اور سلف وخلف کے نظریے کی مخالفت کی ہے۔ سعید ممدوح کا عجب حال ہے کہ ایسا شخص جو صرف سادات اور اہل بیت سے محبت کرے اس کو اہل سنت میں شمار کرتا ہے اور اس کو بدعتی کہنے پر چیختا ہے۔ مگر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کر دیا کہ صرف اہل بیت کی محبت کرنے سے سنی نہیں بنتا بلکہ شیخین کے مقام کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو افضل ماننا اہل سنت کی پہچان ہے۔ اور یہی عقیدہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ الاکبر میں منقول ہے۔

اعتراض: سعید ممدوح صفحہ غایۃ التبجیل 273 [مترجم] پر لکھتا ہے۔

”البتہ تشیع میں غالی یا جسے رافضی کا نام دیا جاتا ہے تو اس کی مذمت اس کے تشیع کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ صحابہ کرام سے اعراض یا خلفاء ثلاثہ یا حضرات طلحہ رضی اللہ عنہ یا زبیر یا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سب وشتم کرتا ہے یا ان پر لعنت کرتا ہے یا ان کے مقام کو گھٹانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ فسق ہے عدل کو ساقط کر دینے والا ہے“۔

جواب: اگر تشیع کا نام حب اہل بیت ہے تو پھر تو تمام سنی ہی محب اہل بیت ہیں مگر محدثین کرام نے نہ تو ایسے شخص کے بارے میں تشیع کا لفظ استعمال کیا ہے اور نہ ہی ایسے شخص کو فاسق کہا ہے۔ محدثین کرام اور علماء کرام نے اہلِ تشیع کو اہل سنت سے ایک الگ اور خارج فرقہ قرار دیا ہے۔

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 274 پر تشیع کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت، آپ کی نصرت اور آپ کی حقانیت کے عقیدہ پر محمول کیا ہے جو کہ لغوی طور پر تو صحیح ہے مگر اصطلاحی طور پر تشیع کی یہ تعریف کرنا مردود اور باطل ہے۔ سعید ممدوح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو تشیع سے خاص کر رہا ہے جو کہ اس کے ذہن کی باطل اختراع ہے۔ سعید ممدوح کو کسی بھی لفظ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ میں فرق ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔ سعید ممدوح تو مطلقاً تشیع کو واجب کر رہا ہے جو کہ غلط ہے۔ مزید یہ کہ تشیع کا تعلق حب علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابہ کرام کو ان کا اصل مقام نہ دینا ہے۔ شیخین کریمین کو افضل نہ ماننا یہ بدعت اور فسق ہے جیسا کہ علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے واضح ہے۔

لفظ شیعہ کا پس منظر اور اسکی حقیقت

تفضیلیہ اپنا مقصد پورا کرنے کی خاطر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے اکثر باتیں اپنے حق میں پیش کرتے ہیں۔اس مقام پر مناسب ہے کہ الزامی جواب کے طور پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے لفظ شیعہ کا اطلاق اور اس کا پس منظر بیان کر دیا جائے۔ تا کہ لفظ شیعہ کا شیخ ممدوح جیسے لوگ غلط ترجمہ عوام الناس کے سامنے پیش کر کے گمراہ نہ کر سکیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''شیعان اولیٰ کے دو فرقے شمار ہوتے ہیں:

پہلا فرقہ ان اہل سنت و جماعت مخلصین کا ہے جن میں مہاجرین و انصار صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم شامل ہیں، جو ہمیشہ حضرت علی المرتضیٰ کے رفیق ان کی خلافت کے مددگار رہے۔ان کا مذہب یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ہی خلیفہ برحق اور ان کی اطاعت سب مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ کہ وہ اپنے زمانے کے موجودین میں سب سے افضل ہیں۔

دوسرا فرقہ تفضیلیہ ہے جو اگرچہ شیعان اولیٰ میں تو داخل نہیں ہے لیکن ایک مسئلہ تفضیل کو چھوڑ کر باقی تمام مسائل و معاملات میں اہل سنت کے ساتھ متفق اور ان کا اعتقاد و عمل بھی صحابہ کرام سے مروی ہے۔'' (تحفہ اثناء عشریہ ص ۳۹ [مترجم])

اب رہے تفضیلی تو وہ لا فی العیر ولا فی النفیر کی تصویر بن کر رہ گئے تھے، نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔تبرائی ان کو نہ منہ لگاتے نہ اپنے میں شامل کرتے، اور یہ کہتے کہ یہ اہل بیت کی محبت کا حق ادا نہیں کرتے جو تبرائیوں کے عقیدہ کے مطابق صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کو گالی بک کر اور لعن طعن کر کے ادا ہوتا ہے۔دوسری طرف مخلصین ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رویہ کے خلاف چلتا دیکھ کر اور آپ رضی اللہ عنہ کی دھمکیوں کو مورد جان کر حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔ (تحفہ اثناء عشریہ ص ۲۹ [مترجم])

''معلوم ہوتا ہے کہ شیعی لُغت میں نواصب کا لفظ ہر اس شخص کے لیے ہے جو ان کے عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔اس اصول کی بنا پر غالی شیعہ، تبرائی شیعہ کو۔تبرائی، شیعہ کو۔تبرائی، تفضیلی

شیعہ کو۔اور تفضیلی ،شیعانِ اولیٰ (مخلصین) کو۔نواصب جانتے اور گردانتے ہیں"۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۰ [مترجم])

شیعہ کے لقب سے سب سے پہلے وہ انصار و مہاجرین ہوئے جو ہر پہلو سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی متابعت اور پیروی میں سرگرم رہے اور خلافت کے وقت آپ کی رفیق صحبت رہے۔آپ رضی اللہ عنہ کے مخالفین سے لڑتے رہے۔آپ رضی اللہ عنہ کے اوامر اور نواہی کو تسلیم کرتے رہے۔دراصل مخلصین شیعہ یہی حضرات تھے۔یہ لقب پہلے پہل ۳۷ھ میں روشناس ہوا۔اسکے تین سال بعد (۴۰ھ) فرقہ تفضیلیہ وجود میں آیا"۔(تحفہ اثنا عشریہ ص ۵۳ [مترجم])

یہ بھی معلوم رہنا چاہیئے کہ شیعان اولیٰ جس میں اہل سنت اور اہل تفضیل دونوں شامل ہیں، پہلے شیعہ ہی کہے جاتے تھے مگر جب سے غلاۃ (غالی) روافض، زیدیوں، اور اسمعیلیوں نے اپنے لیے شیعہ لقب اختیار کیا اور ان کے اعمال وعقائد کی قباحتیں اور شر ظاہر ہونے لگے تو حق و باطل کے مل جانے کے خطرے کے پیش نظر فرقہ سنیہ و تفضیلیہ نے اس لقب کو اپنے لیے ناپسند کر کے ترک کر دیا اور اس کی جگہ اہل سنت و جماعت کا لقب اختیار کیا۔اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ تاریخ کی قدیم کتابوں میں اساطین اہل سنت کے لیے جو یہ الفاظ فلان من الشیعۃ او من الشیعۃ مذکور ہیں تو یہ الفاظ اپنی جگہ درست ہیں کیونکہ پہلے ایسے حضرات شیعان اولیٰ کا یہ لقب تھا۔واقدی کی تاریخ اور استعیاب میں اس قسم کے الفاظ بہت آتے ہیں لہٰذا اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔یہ حضرات مذکورین ہرگز ایسے شیعہ نہ تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور مددگاری کے سبب شیعان علی رضی اللہ عنہ (علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی) کہلاتے تھے۔"(تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۰ [مترجم])

اعتراض: سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 274 پر لکھتا ہے۔ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ذکر کیا:

غالی تشیع یا بلا غلو تشیع۔

بدعت صغریٰ ہے اور یہ کثیر تابعین اور تبع تابعین کا مذہب ہے۔

مزید غایۃ التبجیل ص 275 پر لکھتا ہے:

"ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بل قد یعتقد ان علیاً (بلکہ وہ ابان بن تعلب کبھی کبھار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان دونوں پر افضلیت کا عقیدہ ظاہر کرتے تھے) میں مقام غور ہے اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شیخین پر تقدیم بلا غلو تشیع ہے اور یہ تابعین اور تبع تابعین

میں بکثرت پایا جاتا ہے جس کی تائید گذشتہ سطور سے ہوئی ہے اور سلف کی یہ قسم ذہبی کے اعتراف کے مطابق دین دار، متقی اور اہل صدق تھی نہ کہ نواصب کے ڈھنڈورے کے مطابق اس کے برعکس۔

جواب: سعید ممدوح کا محدثیت کا دعویٰ کھل کر سامنے آگیا ہے کیونکہ وہ تو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو سمجھ ہی نہیں پار رہے ہیں اس لئے ۱- بدعتیوں میں خوارج، روافض، قدریہ، جہمیہ، مرجیہ شیعہ وغیرہ لوگ شامل ہیں۔ ۲- بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت مکفرہ (کافر بنا دینے والی بدعتیں) اور بدعت مفسقہ (فاسق بنانے والی بدعتیں) اگر کوئی شخص دین کے ضروری اور فطری امور سے انکار کرے جو تواتر سے ثابت ہیں یا اس کے برعکس اعتقاد رکھتا ہو تو اس کو بدعت مکفرہ کہتے ہیں جیسے روافض کے متشدد فرماتے ہیں اور جس بدعتی کی یہ صفت ہو تو جمہور کے یہاں اس کی روایت مردود ہوتی ہے۔ (نزہۃ النظر ص 87-90)

اور اگر آدمی ایسی بدعت کرتا ہے جو اس کو فاسق بنا دیتی ہے جیسے خوارج اور روافض کے معتدل فرقے، تو اس کی روایت قابل قبول ہوگی بشرطیکہ وہ عادل و ضابط ہو اور اپنی بدعت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور نہ ایسی روایت کرتا ہو جو اس کی بدعت کو تقویت پہنچاتی ہو۔

(مقدمہ ابن صلاح ص 103، ہدی الساری ص 385، فتح المغیث 303/1)

اعتراض: سعید ممدوح کا صفحہ 275 پر یہ لکھتا ہے کہ ”اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شیخین پر تقدیم کا عقیدہ بلا غلو تشیع ہے اور یہ تابعین اور تبع تابعین میں بکثرت پایا جاتا تھا“۔

جواب: یہ شیخ ممدوح کی ایک غلط فہمی سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال 5/1 پر ابان بن تغلب کو بدعت صغریٰ میں متعین کیا ہے (اور بدعت صغریٰ میں تشیع اور غلو فی التشیع دونوں شامل ہیں)۔ عجب تضاد ہے کہ سعید ممدوح خود نفس تشیع (بلا غلو تشیع) کو صفحہ 274 پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت، نصرت اور حقانیت سے خاص کرتا ہے اور اسے صریح ایمان لکھا ہے (اور تفضیل علی رضی اللہ عنہ کو اس میں شامل نہیں کیا) جبکہ صفحہ 275 پر یہ نتیجہ اخذ کر رہا ہے کہ ابان بن تغلب نفس تشیع سے متصف ہے اور ابان بن تغلب تو کبھی کبھار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اقرار کرتا تھا جو کہ تشیع ہے مگر بدعت والی تشیع نہ کہ صرف مولا علی رضی اللہ عنہ کی محبت والی تشیع۔ قارئین کرام! یہ نکتہ سمجھنا اہم ہے کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بدعت والی تشیع کو ابان بن تغلب کا ذکر کیا ہے جبکہ سعید ممدوح جو تشیع ظاہر کر رہا ہے وہ صرف حب علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت ہے جو کہ اصطلاحی تشیع نہیں بلکہ

لغوی تشیع ہے۔

ابان بن تغلب کا عقیدہ

حافظ الحدیث امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ما أدرکت أحداً ممن کنا ناخذ منہ یفضل علی ابی بکر و عمر بعد نبی ﷺ۔ (الفوائد المنتقاۃ، رقم:۳۶)

یعنی میں (امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ) نے جس کو دیکھا اور جن سے علم حاصل کیا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد افضلیت دیتا۔

امام شعبہ کے ۳۶۹ جلیل القدر اساتذہ افضلیتِ شیخین کا عقیدہ رکھتے تھے۔ امام شعبہ کے اساتذہ میں سب سے پہلا نام ابان بن تغلب ہے۔ (تہذیب الکمال، رقم:۲۷۳۹)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ابان بن ابی تغلب کا اپنا عقیدہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما کا ہی تھا۔

اعتراض: سعید ممدوح کا غایۃ التبجیل ص 275 پر یہ لکھتا ہے کہ "سلف کی یہ قسم ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراف کے مطابق دین دار، متقی اور اہل صدق تھی"۔

جواب: شیخ ممدوح کا یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف تشیع کے بارے میں یہ الفاظ نہ لکھے بلکہ اس کے ساتھ بلاغلو تشیع کو بھی شمار کیا ہے جبکہ بدعت صغریٰ میں خالی بلاغلو یا غالی تشیع ہی نہیں بلکہ قدری، خوارج اور رافضیوں کے معتدل فرقے بھی شامل ہیں تو کیا جناب ان لوگوں یعنی قدریوں، خوارج اور رافضیوں کو بھی دین دار، متقی اور اہل صدق کے وہ معنیٰ لیں گے، جو کہ عرف عام میں لیے جاتے ہیں؟ یا کہ وہ معنی لیں گے جو کہ علم حدیث و رجال میں اخذِ حدیث کے لیے جاتے ہیں؟

دراصل سعید ممدوح یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ بدعت صغریٰ (یعنی ایسے لوگ بھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیں) سے متصف لوگ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دین دار، متقی اور اہل صدق ہیں۔ تو جواباً عرض یہ ہے کہ یہ اصول تشیع تک ہی محدود کیوں ہے؟ مُرجی، قدری، جبری، خوارج اور رافضیوں کے معتدل فرقہ کا کیا قصور ہے۔ ان کو بھی آپ دین دار، متقی اور اہل صدق سے کیوں نہیں بلاتے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا ان کو دین دار، متقی اور اہل صدق سے پکارنا اس لئے نہ تھا کہ ان کا عقیدہ صحیح تھا بلکہ اس لئے تھا کہ وہ ان خصوصیات سے متصف ہو کر بھی اس مسئلہ میں

غلطی پر تھے۔اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک کافر بڑا نیک، سچا اور اپنے خداؤں سے ڈرتا بھی ہوتو ان خوبیوں کے باوجود بھی اس کو کافر ہی کہا جائے گا کیونکہ اس نے اس خطاء عظیم کی ہے بالکل اسی طرح وہ تبع تابعین جو کہ سچے بھی تھے، متقی بھی اور ایماندار بھی۔ مگر مسئلہ افضلیت میں ان سے خطاء ہوئی یا اپنے عقیدے میں غلطی پر تھے اس لئے ان خصوصیات کی موجودگی کے باوجود انہیں شیعہ یا غلو فی تشیع بھی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ایمانداری، متقی اور سچائی کے الفاظوں سے یہ تاثر دینا کہ یہ لوگ صحیح العقیدہ تھے، یہ بات کہنا غلط ہے۔

اچھا عجیب وغریب تضاد ہے سعید ممدوح پہلے تو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں تشیع کی تعریف اور تشریح میں ان کو خطاوار ٹھہراتا ہے جبکہ بعد میں سعید ممدوح اپنی کتاب صفحہ 275 پر ابان بن تغلب کے ترجمہ میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے متفق نظر آتا ہے۔ جناب والا! اسے کہتے ہیں میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو۔

مزید یہ کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب سیر اعلام النبلاء 457/16 پر لکھتے ہیں اور بلاشبہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ان دونوں (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے افضل ہیں، جو شخص اس میں اختلاف کرے تو وہ پکا شیعہ ہے۔ جس سے مسئلہ واضح ہوگیا کہ ایسا شخص پکا شیعہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر کے اقوال پر ایک نظر کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ 275 پر لکھتا ہے۔"حافظ نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے۔"حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور صحابہ پر ان کی تقدیم تشیع ہے۔ پھر جس شخص نے انہیں حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر مقدم کیا تو وہ اپنے تشیع میں غالی ہے اور اس پر رافضی کا اطلاق ہوتا ہے ورنہ وہ شیعہ ہے۔(مقدمہ فتح الباری ص 459)

پھر سعید ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ 276 پر مزید لکھتا ہے کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس محبت کو جو تقدیم کو لازم کرتی ہے تشیع میں محصور کر دیا۔ میری گزارش ہے کہ جہاں تک محبت کی بات ہے تو وہ ہر مسلمان پر واجب ہے اور رہا تقدیم کا معاملہ تو اسے حافظ نے دو درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

i- جس شخص نے شیخین کریمین کو مستثنیٰ کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مقدم مانا تو وہ شیعہ ہے اور ان (حافظ) کے نزدیک مجروح العدالۃ ہے حالانکہ امت کا ایک عظیم طبقہ

اس قسم میں داخل ہے۔

ii- رہا وہ شخص جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر مقدم مانتا ہے تو وہ شدید مجروح ہے اور حافظ نے اسے غالی شیعہ یا رافضی شمار کیا ہے اور یہ حافظ سے انتہائی شدید غلو ہے۔ صحابہ کرام میں سے بعض نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقدم تسلیم کیا، بعض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، بعض نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بعض نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو اور بعض نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مقدم مانا جو حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں انتقال فرما گئے تھے جیسا کہ یہ بحث مبسوط ومعروف ہے۔

جواب: سعید ممدوح کے اشکالات تحقیق کی روشنی میں غلط ہیں:

i- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین کریمین کو مستثنیٰ کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام پر مقدم ماننے والے کو شیعہ کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اس مقام پر واضح نہیں جبکہ انکے کہنے کا مقصد ان کی کتاب تہذیب التہذیب/ 94/1 ترجمہ ابان بن تغلب میں واضح ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ متقدمین کے عرف میں تشیع سے مراد شیخین کی تقدیم وتفضیل کے اعتراف کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر افضلیت کا اعتقاد ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام پر مقدم ماننے سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ یعنی شیخین کریمین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل کہنا تشیع ہے اور یہ تشیع بلا غلو ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے راویوں کی روایت کو قبول کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب 94/1 فتح المغیث 64/2)

لہٰذا سعید ممدوح کا یہ کہنا کہ حافظ کے نزدیک مجروح العدالتہ ہے بالکل غلط اور مردود ہے اور مزید یہ کہ ان شیعوں میں وہ بھی شامل ہے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین پر فوقیت دیتا ہے۔ اب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے چند امور واضح ہو گئے۔

ii- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تفضیل کا اعتقاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑائی میں حق پر اور انکا مخالف گروہ خطاء پر تھا۔

iii- متقدمین شیعہ تفضیل شیخین کے قائل تھے۔

iv- بعض شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھتے تھے۔

اب ان تمام عقائد کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد شیعہ لکھا ہے۔ پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان شیعوں کی قسمیں بیان کیں ہیں۔

i- حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مقدم ٹھہرائے وہ غالی شیعہ ہے۔

ii- لکھتے ہیں کہ اگر ایسا عقیدہ رکھے تو یا تو وہ رافضی ہوگا یا پھر شیعہ (غالی) اس مقام پر سعید ممدوح کو غلطی لگی اور وہ لکھ بیٹھا کہ حافظ سے یہ انتہائی غلو ہے۔ مگر سعید ممدوح کو یہ غلطی کلام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو بغور مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی۔ اگر وہ حب اہل بیت کے نام نہاد دعویٰ سے باہر آئیں تو ان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کیوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مقدم ٹھہرانے کو رافضی ورنہ شیعہ سے متصوف کیا۔ دراصل حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو بغور مطالعہ کریں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے ایسا کیوں لکھا۔ اس کی چند وجہ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر مقدم ٹھہرانے والے 2 قسم کے لوگ ہیں۔

i- اول وہ فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین پر فضیلت دیتا ہے اور ساتھ شیخین پر تنقیص کرتا ہے۔

ii- دوسرا وہ فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین پر فضیلت دیتا ہے مگر صحابہ کرام پر لعن طعن و تنقیص نہیں کرتا۔

ان مندرجہ بالا 2 فرقوں میں پہلا فرقہ رافضی کہلاتا ہے اور دوسرا فرقہ شیعہ کہلاتا ہے۔ لہٰذا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بالکل صحیح اور درست ہے کیونکہ انہوں نے دونوں کو شیعہ کے 2 گروہ مراد لیا ہے۔

اسی لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ پس جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر مقدم ٹھہرائے وہ تشیع میں غالی ہے۔ اس پر رافضی ہونے کا اطلاق ہوگا ورنہ وہ شیعہ ہے۔

اس تصریح کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب 94/1 پر مزید لکھتے ہیں:

"پس اگر تبرا یا بغض کی تصریح موجود ہو تو یہ عرف متاخرین میں تشیع یعنی رافضیت میں غالی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بالکل صحیح اور سعید ممدوح کے احتمالات بالکل باطل ہیں۔

مزید عرض یہ ہے کہ ہر دور میں تشیع کی تعریف اور ان کے عقائد اور خصوصیات تبدیل ہوئی ہیں لہٰذا شیعہ کی تعریف کو جاننا ہر دور کے مطابق بہت ضروری ہے۔

مزید یہ کہ ہم تحقیق پیش کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

افضلیت کے علاوہ دوسرا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔اور اگر دوسرا قول ملے بھی تو وہ فضیلت جزوی کو ثابت کرتا ہے نہ کہ افضلیت مطلقہ۔لہٰذا ہر قول کے بعد صحابہ کرام اور تابعین کو درمیان میں لا کر اپنا مقصد پورا کرنا ایک علمی خیانت ہے۔جناب گزشتہ ابواب میں آپ کے پیش کردہ حوالوں کا بھرپور اور مدلل جواب دیا جاچکا ہے۔لہٰذا اس کو دوبارہ بیان کرنا مناسب نہیں ہے اور برسبیل تنزل اگر کسی صحابی کا اختلاف رہا مگر اجماع کے بعد یہ اختلاف ختم ہوگیا۔

جیسے کہ عرض کیا تھا کہ شیعوں کے فرقے کا مطالعہ بڑا اہم ہے۔ورنہ شیخ محمود سعید ممدوح تو عوام الناس کو اسی طرح گمراہ کرتا رہیگا اور عوام الناس تو کجا عالم حضرات بھی یہ سمجھ بیٹھے کہ سعید ممدوح نے معرکۃ الآراء تحقیق پیش کی ہے۔سعید ممدوح کا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال نہ سمجھنے کی وجہ بھی یہی ہے۔

اہم نکتہ: قارئین کرام! فرقہ زیدیہ کی ایک شاخ یعقوبیہ ہے۔ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ لوگ حضرات شیخین کریمین سے دوستی اور عقیدت رکھتے مگر ان دونوں صاحبوں پر تبراء کرنے والوں سے اظہار بیزاری نہیں کرتے۔ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق ص 72 پر اس فرقہ کو روافض کے فرقے میں شمار کیا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ روافض میں ایسے لوگ تھے جو کہ شیخین سے دوستی تو رکھتے مگر ان پر تبراء کرنے والوں کے بارے میں خاموش رہتے تھے۔لہٰذا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں بڑی وسعت ہے اور اس کو محدود الفاظ میں بند کرنا اور پھر اس سے نتیجہ اخذ کرنا اور عوام الناس کو گمراہ کرنا مردود اور ناپسندیدہ عمل ہے۔اور تفضیلیہ کا یہ کہنا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی تعظیم کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننا صحیح ہے،تحقیق کی روشنی میں لغو اور غلط ہے۔

اعتراض: شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 279[مترجم] پر لکھتا ہے۔

پھر میں نے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر تعجب کیا کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی تمام جنگوں میں حق پر اور ان کے مخالفین خطا پر تھے (سمجھنا تشیع کی علامت ہے) کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقانیت پر نصوص صریحہ متواترہ گونج رہی ہیں اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام،تمام اہل بیت کرام،اہل سنت،شیعہ اور معتزلہ تمام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھتے تھے۔

جواب: سعید ممدوح کا اعتراض حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ پر صحیح نہیں ہے کیونکہ حافظ نے شیعہ کی

خصوصیات میں ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان پر افضلیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی تمام جنگوں میں حق پر اور ان کے مخالفین خطاء پر تھے'' کو لکھا ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگوں میں حق اور ان کے مخالفین پر خطا کا اطلاق اور ان پر اعتراضات کرنے والے پر شیعہ کا اطلاق کیا ہے اور ظاہر ہے کہ عقلمندوں کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے جبکہ بیوقوفوں کو کلام واضح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا شیعہ کا اطلاق ان پر ہے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو خطاء پر سمجھتے اور اس خطاء کی وجہ سے ان کی برائی کرنا ہے۔جناب عالی! ذرا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں غور کریں۔انشاء اللہ تمام اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

امام خلال رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب السنۃ پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 280 تا ص 289 تک کتاب السنۃ ابن خلال رحمۃ اللہ علیہ پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر اعتراض کرنے کی ناکام کوشش کرتا رہا جس کا جائزہ ملاحظہ کیجیے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 280 پر لکھا ہے۔جان لیجئے کہ اہل علم کی ایک جماعت جب مختلف تاثیرات سے مرعوب ہوگئی تو ان سے مسئلہ تفضیل میں نامناسب تعبیرات صادر ہوئیں اور اللہ عزوجل نے ہم پر لوگوں میں سے کسی شخص کے قول کی اتباع واجب نہیں فرمائی، ہمارے لئے حجت اللہ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور جس چیز کی طرف یہ دونوں رہنمائی فرمائیں۔

پھر مزید لکھتے ہیں کہ ''احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ان سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے اور میں سن رہا تھا انہوں نے فرمایا: یہ شخص بدعتی ٹھہرائے جانے کا اہل ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا تھا۔
(السنۃ لخلال رقم:530)

پھر سعید ممدوح ص 281 پر مزید لکھتا ہے۔''میں کہتا ہوں: یہ بڑے اقوال اپنے قائلین کے لیے مضر ہیں کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تقدیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت کا مذہب ہے۔

پھر ممدوح ص 281 اور ص 282 پر مزید گل فشانی کچھ یوں کرتا ہے۔

''امام احمد نے فرمایا: میں کوفیوں ابراہیم اور دوسروں سے روایت کردہ مذہب کو اختیار

نہیں کرتا اور نہ ہی اہل مدینہ سے روایت کردہ مذہب کو اختیار کرتا ہوں کہ وہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے" خلاصہ یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا تمام حضرات بدعتی ہیں جیسا کہ خلال نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا تو یہ ایسی قیامت اور مصیبت ہے جس کا کوئی حل نہیں۔

جواب: سعید ممدوح بڑا ہی جری شخص ہے بلکہ میرے تجربات کے مطابق تفضیلیہ کی اکثریت ائمہ کرام اور علماء عظام بڑے ہی جری ہوتے ہیں اور ان لوگوں کو محدثین کرام سے کچھ محبت نہیں ہوتی اور اپنی محفلوں میں نام نہاد اعتراضات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ محمود سعید ممدوح کا یہ کہنا" اہل علم کی ایک جماعت تاثیرات سے مرغوب ہوگئی تو ان سے مسئلہ تفضیل میں نامناسب تعبیرات صادر ہوئیں" ایک بہت ہی عظیم ظلم ہے۔ تف ہے تجھ پر اے ممدوح۔ تجھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت کا خیال نہیں ہے؟ کیا تجھے امام اہل سنت امام احمد بن حنبل کا مقام معلوم نہیں؟ کیا تجھے امام اہل سنت کا تکالیف برداشت کرنا معلوم نہیں؟ کیا تو ان کی اہل سنت کے لیے قربانیاں اور مسئلہ خلق قرآن کے فتنے میں پہاڑ کی طرح پرعظم رہنا بھول گیا؟

دراصل سعید ممدوح جیسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو اہل سنت کی آڑ میں اہل سنت کو ہی نقصان پہنچاتے ہیں۔ اللہ ہمیں ایسے شخص سے محفوظ فرمائے۔

ii- سعید ممدوح اپنے علم کے نشے میں یہ لکھ رہا ہے کہ ہمیں صرف اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہی کافی ہے۔ جناب پھر تو آپ نے ادلہ اربعہ کے 2 ارکان اجماع اور اجتہاد کا انکار کر کے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے اور یہ قول کہہ کر اہل ظاہر یعنی غیر مقلدین میں اپنا نام لکھوالیا ہے۔ اہل ہوا لا مذہب سعید ممدوح کی یہ شاندار تحقیق ان کے چاہنے والوں کو مبارک ہو۔

iii- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اس شخص پر جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیں پر بدعتی کا فتویٰ لگانا صحیح ہے کیونکہ جمہور علماء کرام، صحابہ وتابعین کی مخالفت سے انسان بدعتی ہی ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ بعض اوقات کسی کراہت والے قول پر بدعتی کا اطلاق بھی ہوتا ہے جیسا کہ امام خلال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لانری فی هذا الباب مع توقف أبي عبدالله فی غير موضع يكره أن يقول: مبتدع. فكانه لم يربأساً لوقال له:مبتدع... فاستقر

القول من أبي عبد الله أنه يكره هذا القول، ولم يجزم في تبديعه وإن قال قائل: هو مبتدع، لم ينكر عليه۔ (کتاب السنۃ للخلال رقم:535)

iv- مزید یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم کی ایک جماعت اگرچہ قائل تھی۔ مگر اس اختلاف کے بعد ان کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم پر اجماع ہوا۔ لہٰذا اجماع سے پہلے کے اقوال اور اختلاف اجماع پر کوئی اثر انداز نہیں ہوتے جیسا کہ اہل علم پر یہ مسئلہ مخفی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ آخر میں اہل سنت کے مابین اجماع منعقد ہو گیا کہ فضیلت میں ان کی ترتیب خلافت کی ترتیب کی مانند ہے۔ (فتح الباری 34/7)

علامہ نبہانی اس نکتہ کو کچھ اس طرح واضح کرتے ہیں ''امت محمدیہ کا سواد اعظم (اہل سنت و جماعت) عہد صحابہ سے لے کر آج تک اس مسئلہ پر متفق ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ یہ ایسا اتفاق اور اجماع ہے جو مجرد خواہش نفس سے ممکن نہیں کیونکہ ساری امت کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی مخصوص خونی رشتہ نہیں جیسا کہ اس کی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رشتہ داری نہیں اس کے باوجود امت نے انہیں دیگر صحابہ پر اسباب تفضیل کی وجہ سے فضیلت دی اسی طرح امت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تقدیم دی اگرچہ شیخین کی تفضیل کے اسباب حضرت عثمان کی تفضیل سے زیادہ ظاہر اور واضح ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم پر سلف صالح کی اتباع لازم ہے کیونکہ ہمیں ان کی دینی قوت، علمی کثرت، شدت ورع (تقویٰ) اور عظیم معرفت اور غیر جانبداری کا کامل یقین ہے اگر وہ جانبداری سے کام لیتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری اور قربت کی وجہ سے ان کو ترجیح دیتے۔'' (الاسالیب البدیعۃ ص 159)

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ (اللہ کے مقبول بندے اور جانبین کے مسلمہ عالم) نے اس مسئلہ کو مزید واضح کر کے لکھا اور بیان کیا کہ ''جمہور صحابہ کرام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اتفاق کیا یہی جمہور صحابہ کرام تابعین اور ائمہ مجتہدین اور ان کے ماننے والوں کا مذہب ہے اور سوائے امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کسی نے اختلاف نہ کیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ شروع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت کے قائل تھے بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا تحقق ہوا تو پہلے نکتہ نظر سے رجوع کر لیا۔ (امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعد میں رجوع کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم کے قائل ہوئے) اور جمہور صحابہ کرام و تابعین کے مذہب

سے اتفاق کرلیا۔ پھر یہ اتفاق اہل مذہب اربعہ نسل در نسل یہی عقیدہ رہا اور پہلے پچھلوں کو اسی بات کی تلقین و روایت کرتے رہے کتابوں میں اسی عقیدے کی اشاعت ہوتی رہی، محراب و منبر سے اسے نظریے پر وعظ ہوتے رہے اور محافل و مجالس میں بلانکیر اسی بات کا اعلان ہوتا رہا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے"۔ (الاسالیب البدیعۃ ص 160)

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا منکرین افضلیت عثمان رضی اللہ عنہ پر رد

علامہ نبہانی نے مسئلہ افضلیت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والوں پر شدید رد کیا اور ان کے اس طرز عمل کو ناپسند کیا اور لکھا:

"اے دین حق کے متلاشی اور ائمہ ہدایت کے پیروکار مسلمان، جب تو اس حقیقت سے آگاہ ہوگیا۔ تو تیرے دل کو کیسے گوارا ہوگا؟ کہ تو اس امت کے صحابہ کرام، تابعین عظام، اولیائے امت، اتقیائے ملت، مجتہدین دین، علمائے شرع مبین اور دینی و دنیاوی امور کے ماہر سرداروں اور عقلمندوں کے اجماعی عقیدے کو خطاء قرار دے گا۔ کیا تیرے خیال میں اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے خوش ہوں گے یا ائمہ اعلام، سادات اہل بیت کرام اس طرز عمل کو پسند فرمائیں گے؟ حاشاء وکلا۔ (الاسالیب البدیعۃ ص 160)

لہٰذا معلوم ہوا کہ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص پر شدید اعتراض کیا جو اکابر اہل سنت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔

v- مزید یہ کہ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "میں نے ایک خواب دیکھا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت کی طرف اشارہ تھا۔ (الاسالیب البدیعۃ ص 161)

vi- علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے کمال تحقیق کا حق ادا کرتے ہوئے ایسے شخص (بشمول سعید ممدوح) کا بھی رد کیا جو کہ یہ اعتراض کرتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ اور لوگوں کے نام بھی منصب خلافت کے تجویز ہوئے (مجلس شوریٰ) اس لئے دونوں حضرات پر اہلیت خلافت منحصر نہ رہی۔ یہ نکتہ بار بار سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل میں بڑے مزے لے لے کر بیان کیا ہے۔ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے اعتراضات کا جواب

دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے متعلق بخوبی جانتے تھے کہ خلافت ان دونوں کے درمیان منحصر ہے مگر یہ بھی جانتے تھے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان شدید سیاسی کشمکش ہے اس لئے انہیں اندیشہ ہوا کہ کسی ایک کا نام تجویز کرنے سے کہیں دونوں قبیلوں کے درمیان فتنہ نہ پیدا ہو جائے چنانچہ ان کے ساتھ دوسرے اہل لوگوں کو شامل کر دیا تاکہ ایک مجلس شوریٰ وجود میں آجائے اور وہ جس پر اتفاق کرے تو امت اس سے راضی ہو جائے پھر ایسا ہی ہوا۔ الحمد للہ ساری امت نے خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کو پسند کر لیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی بیعت کر لی اور ہمیشہ ہر معاملے میں ان کی کامل اتباع اور مدد کی۔

(الاسالیب البدیعۃ ص 161)

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ سعید ممدوح کے اعتراضات کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول بعض اقوال پر اعتراضات کا تحقیقی پس منظر

سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص 284 تا ص 289 تک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی چند اقوال کو ناپسندیدہ کہہ کر اعتراض کرتا ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 284 پر لکھا ہے:

”محدث خلال امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: أهل الكوفة كلهم يفضلون۔ تمام اہل کوفہ فضیلت دیتے ہیں۔ (کتاب السنۃ للخلال رقم: 568)

جب یہ تمام تفضیلی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدعتی ہیں جیسا کہ خلال نے روایت کیا ہے۔

پھر آگے سعید ممدوح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتا ہے:

”تمام اہل کوفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں سوائے دو شخصوں کے طلحہ اور عبداللہ بن ادریس۔“ (کتاب السنۃ رقم: 569)

جواب: بات اہل علم لوگوں پر مخفی نہیں کہ بعض اوقات کسی شہر کا نام لے کر فرد واحد مراد ہوتا ہے:

i- اس کی مثال یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر رد کے لیے حجۃ اہل مدینہ کتاب لکھی تو انہوں نے جگہ جگہ اہل مدینہ کا نام لکھا مگر امام مالک کا نام نہیں لیا۔ جب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اہل مدینہ سے کیا مراد ہے تو امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس سے مراد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (مناقب شافعی ج ا ص ۱۲۱)

ii- مزید یہ کہ بعض اوقات ایک علاقہ یا شہر کی نسبت چند افراد کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے فقہاء کرام اور محدثین کرام جب بھی مذہب اہل کوفہ کہتے ہیں تو اس سے مراد امام اعظم نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ مراد ہوتے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ علاقے سے مراد تمام لوگ نہیں بلکہ کبھی شخص واحد یا کبھی متعدد اشخاص کے معنی میں بھی بولے جاتے ہیں۔ اسی طرح امام احمد کا کوفیوں سے مراد چند کوفی ہیں نہ کہ تمام اہل کوفہ۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی ان گروہوں سے طلحہ بن مصرف اور عبداللہ بن ادریس کو خارج کیا ہے۔

iii- مزید یہ کہ سعید ممدوح ذرا ہمت کر کے ان اہل کوفہ کے نام تو متعین کریں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے اور انہوں نے رجوع بھی نہ کیا ہوتا کہ بات واضح ہو سکے۔

iv- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ ابتداء میں اختلاف تھا مگر بعد میں سب کا اتفاق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ہو گیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سعید ممدوح کے احتمالات باطل اور مردود ہیں کیونکہ جمہور اہل سنت کا مخالف بدعتی ہی ہوتا ہے۔

v- مزید یہ کہ بہت سارے کوفی ایسے تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی پر فضیلت دیتے تھے اور اس قسم کے بہت سارے اقوال میں نے اپنی کتاب میں ذکر کر دیے ہیں۔

اعتراض: شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 285 پر لکھتا ہے۔

"محدث خلال لکھتے ہیں...... سفیان ثوری نے فرمایا جس نے علی کو ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ پر مقدم مانا تو یقیناً اس نے بارہ ہزار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زیادتی کی اور مجھے خدشہ ہے کہ اس عقیدہ کے ساتھ اس کو اس کا عمل کچھ فائدہ نہ دے گا۔" (کتاب الخلال رقم: 515)

پھر سعید ممدوح لکھتا ہے: "میں کہتا ہوں یہ اور اس کی مثال دوسرے اقوال ہمیں بڑی تفریق پیدا کرنے والی ایسی نصوص کی یاد دلاتے ہیں۔ غایۃ التبجیل صفحہ 286 پر لکھتا ہے...... مذکورہ قول دونوں حالتوں میں مردود و مغلوب ہے اور فکری دہشت اور حقائق کو مٹانے کی واضح مثال ہے۔

جواب: صرف سفیان ثوری پر اعتراض کرنے سے آپ کی جان نہیں چھوٹ سکتی کیونکہ اصحاب

رسول ﷺ پر زیادتی والا قول صرف امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہی نہیں بلکہ قاضی شریک کا قول اصول السنۃ رقم: 194، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول فضائل الصحابۃ رقم: 309، صحابی رسول ﷺ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قول معجم الاوسط رقم: 832 پر موجود ہے۔ لہٰذا اس قول کی وجہ سے سفیان ثوری پر اعتراض کرنا مردود ہے اور رہا یہ کہ "اس عقیدے کے ساتھ اس کو اس کا عمل کچھ فائدہ نہ دے گا" پر اعتراض بھی مفید نہیں کیونکہ اکابرین نے بدعتی کے اعمال مردود ہونے کی تصریح کی ہے۔ اگر آپ کو یہ اعتراض ہے تو پھر ایسا قول نقل کریں جس میں بدعتی کے اعمال مقبول ہونے کی تصریح موجود ہو لہٰذا اس قسم کے اعتراضات لغو اور فضول ہیں۔ مزید یہ کہ کتاب السنۃ للخلال رقم: ۵۱۵ کا متن مکمل نہیں ہے کیونکہ سفیان ثوری کا مکمل عقیدہ للالکائی نے شرح اصول الاعتقاد میں بیان کیا ہے۔

لالکائی اپنی سند سے کتاب السنہ میں شعیب بن حرب سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ میں نے امام سفیان ثوری سے کہا کہ سنت رسول ﷺ کے متعلق مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جس سے مجھے نفع ہو اور جب میں خدا کے پاس جاؤں تو کہہ سکوں خدایا! یہ بات مجھے سفیان ثوری نے بتائی تھی میری نجات ہو جائے اور اسکی ذمہ داری آپ پر عائد ہو فرمانے لگے، لکھیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اسی کی طرف سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا جو شخص اس کے خلاف اعتقاد رکھے وہ کافر ہے ایمان قول، عمل، اور نیت کا نام ہے اور کم و بیش ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ پھر فرمایا اے شعیب! جو کچھ تو نے لکھا ہے اس کا تمہیں فائدہ نہ ہوگا جب تک یہ اعتقاد نہ رکھو کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، نماز میں بسم اللہ سراً پڑھنا افضل ہے...... جب خدا کے سامنے جاؤ اور ان چیزوں کے متعلق تم سے دریافت کیا جائے تو صاف صاف کہہ دینا، خدایا! یہ باتیں مجھے سفیان نے بتائی تھیں پھر مجھے خدا کے سپرد کر کے الگ ہو جانا"۔ (شرح اصول اعتقاد اھل السنہ والجماعۃ، رقم: ۳۱۴)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی سند کو ثابت اور ثقہ لکھا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ رقم: ۱۹۸)

لہٰذا نہ مکمل قول کی بنیاد پر سفیان ثوری پر اعتراض کرنا ممدوح جیسے لوگوں کا ہی کام ہے مگر یاد رہے کہ تحقیق کے میدان میں ایسے اعتراض کسی اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔

اور شیخ محمود سعید ممدوح اور انکے ساتھیوں کا یہ کہنا کہ "سفیان ثوری کا تفضیل شیخین کا قول مردود و مغلوب ہے اور فکری دہشت اور حقائق کو مٹانا ہے" ایک جہالت عظیم اور محدثین پر لعن طعن

ہے۔ جناب والا! سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے ساتھی کو آخرت کے لیے مفید اور نفع مند عقیدہ بتا رہے ہیں اس عقیدہ کے رکھنے والے کو اپنی ذمہ داری پر نجات کی بشارت دے رہے ہیں۔ اور شیخ ممدوح اس کو سفیان ثوری کی فکری دہشت قرار دے رہا ہے۔ ایسے ہی نا مکمل اور ادھوری تحقیق انسان کو گمراہی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ کچھ تو شرم کر، اپنے ہی اسلاف کو فکری دہشت کا طعنہ دے رہا ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 287 پر لکھتا ہے:

"شریک نے کہا: جس میں بھلائی ہوگی وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ پر کسی کو مقدم نہیں مانے گا۔" (کتاب السنۃ رقم:518)

(میں [سعید ممدوح] کہتا ہوں) یہ قول خلافت میں صحیح ہے۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں شریک سے دریافت کیا گیا آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ رسوا ہوا اس نے مسلمانوں کو خطاوار ٹھہرایا۔

(سیر اعلام النبلاء 8/204)

انہوں نے خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے...... مزید لکھتا ہے یہ یاد رکھیے کہ شریک شیعی تھا لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اس کا کلام کسی خاص مطلب پر محمول ہو یا انہوں نے یہ بات تقیۃً کہی ہو کیونکہ وہ عباسیوں کا قاضی تھا۔

جواب: سعید ممدوح کی یہ عادت ہے کہ جہاں افضلیت کا کوئی قول ملتا ہے، تو خبث باطن کو ظاہر کر کے لکھتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ افضلیت خلافت میں ہو۔ جناب عالی! عرض یہ ہے کہ اہل سنت میں خلافت پر تو کوئی اختلاف باقی رہا ہی نہیں تھا۔ مزید یہ کہ اگر آپ جناب علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے چند حوالے جو پیش کرتے ہیں ان حوالوں کے جواب میں یہ دلیل پیش کی جائے کہ انکی افضلیت بھی خلافت میں تھی تو آپ کو پھر بہت تکلیف ہوگی۔

مزید یہ کہ نہ تو شریک کے اپنے قول میں اور نہ ہی ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوال میں خلافت کا تو نام ونشان ہی نہیں ہے لہٰذا یہ سعید ممدوح کی اپنی ذہنی اختراع ہے۔ بلکہ شریک نے ابراہیم بن اعین سے کہا کہ جو کسی کو بھی افضل نہ کہے تو شریک نہ کہا: ایسا شخص احمق ہے بلکہ فضیلت تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ہے۔ (مغانی الاخیار 2/21 و میزان الاعتدال رقم:3697)

اور یہ کہ قاضی شریک نے ایسے شخص پر شیعہ کے لفظ کا اطلاق بھی ممنوع کر دیا تھا جو کہ حضرت

علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے افضل سمجھے۔ کیونکہ شیعہ تو حضرت علی المرتضیٰ کے اقوال کو ماننے والا ہوتا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ تو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو افضل سمجھتے تھے۔

(دیکھیں ابو القاسم البلخی کی کتاب النقص علی ابن الراوندی فی اعتراض علی الجاحظ رقم: 110 ج 1 ص 226-228، منہاج السنۃ 1-13-15)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و كان عادلاً فاضلاً عابداً شديداً على أهل البدع.

(تقریب التھذیب رقم: 2787)

یعنی کہ وہ عادل، فاضل، عابد اور اہل بدعت پر سخت نکیر کرنے والے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح سے واضح ہوگیا کہ وہ اہل بدعت پر سخت نکیر کرنے والے تھے، لہٰذا سعید ممدوح کا یہ کہنا کہ انہوں نے یہ بات تقیۃً کہہ دی ہوگی بالکل غلط اور باطل ہے۔ خیر سے موصوف کو ان کے چاہنے والے محدث اہل سنت مانتے ہیں اور مسئلہ فضیلت میں جاہل لوگوں سی باتیں کر رہے ہیں۔

اعتراض: غاية التبجيل ص 288 پر ہے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم عبد العزیز کے حالات میں لکھتے ہیں...... ابو الشیخ نے ذکر کیا ہے کہ ابو نعیم حدیث بیان کرنے کے لیے بیٹھے تو انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کیے پھر فرمایا: اب ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شروع کریں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے؟ تو لوگ کہنے لگے: یہ رافضی ہے پھر انہوں نے ان کی حدیث کو ترک کر دیا۔ (میزان الاعتدال 218/1)

پھر سعید ممدوح صفحہ 289 پر لکھتا ہے گزشتہ دور کے طلبہ حدیث کی حالت میں غور فرمائیں وہ کس قدر دینی دہشت گردی اور باطل تقلید میں مبتلا تھے؟ حافظ نے ''لسان'' میں اس بری تاثیر کا خوب تعاقب کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں...... یہ کھلا ظلم ہے کیونکہ اہل سنت کی ایک جماعت کا مذہب ان دونوں کی ایک دوسرے پر تفضیل میں توقف کا ہے اگرچہ اکثر تقدیم عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے قائل ہیں بلکہ اہل سنت کی ایک جماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم مانتی تھی، انہیں میں امام سفیان ثوری اور امام ابن خزیمہ بھی ہیں۔ (لسان المیزان 113/1)

جواب: سعید ممدوح کسی جگہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ناپسندیدہ کہہ کر رد کر دیتا ہے اور کسی جگہ

بڑی آسانی سے ان کے اقوال کو مان لیتا ہے مزید یہ کہ اہل سنت مذہب کی یہ خاصیت ہے کہ جہاں کوئی غلطی نظر آئی اس کا فوراً جواب دے دیا اور اس غلطی پر اصرار نہیں کرتے اور جب کسی ایک قول کو رد کر دیا تو اس کی حیثیت شاذ اور مردود قول کی ہوگئی۔ اسی طرح سعید ممدوح نے جو اقوال مسئلہ تفضیل میں اختلافی نقل کیے ہیں ان سب کا رد اور جواب علماء کرام نے دے دیا ہے اور ان کے جواب کے بعد ان اقوال کی حیثیت شاذ کی ہے۔ لہٰذا ان اقوال کو عوام کے سامنے پیش کرنا غلط اور مردود ہے۔

مزید یہ کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں اختلاف ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے ایسے شخص پر رافضی ہونے کے اطلاق پر انتباہ کیا ہے مگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ایسے شخص کا رافضی ہونے کی نفی ہے نہ کہ شیعہ ہونے کی۔

مزید یہ کہ خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ اختلاف تقدیم عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس مسئلہ میں اہل سنت کا اجماع ہوگیا تھا کہ تقدیم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی ہے۔ (فتح الباری)

اور یہ کہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح المغیث 126/3 پر سختی سے رد کر دیا ہے۔ لہٰذا اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تقدیم دینے والا شیعی ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ صحابہ کرام کی تعظیم بھی کرتا ہو اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تقدیم بھی دے اور ساتھ صحابہ کرام سے بغض بھی رکھے ایسا شخص ضرور بہ ضرور رافضی ہے۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 290 پر لکھتا ہے۔

اعتراض: دارقطنی نے فرمایا: اہل بغداد نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے ایک قوم نے کہا: عثمان افضل ہیں اور دوسری قوم نے کہا: علی افضل ہیں پھر وہ تمام لوگ میرے پاس فیصلے کے لیے آئے تو میں نے خاموشی اختیار کی اور کہا کہ خاموشی بہتر ہے پھر میں نے دینی بھلائی کے پیش نظر سکوت کو بہتر نہ جانا اور میں نے سوال کرنے والے شخص سے کہا: ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ابوالحسن کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے اتفاق کی بنا پر علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور یہی اہل سنت کا قول ہے اور یہی وہ پہلا مسئلہ ہے جہاں سے رافضیت

قرار پکڑتی ہے۔ محمود سعید ممدوح غاية التبجيل صفہ 290 پر مزید لکھتا ہے۔ میں (ذہبی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل ماننا رافضیت اور بدعت نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء 457/16)

سعید ممدوح غاية التبجيل ص 291 پر لکھتا ہے:

''دار قطنی کا یہ کہنا ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی جماعت کے اتفاق سے فاضل ہیں'' ایسی بڑی خطاء ہے جو اس قول کی صحت کو مخدوش کر رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اس مسئلہ میں خطا اور گھبراہٹ کا شکار ہیں۔ لہٰذا تم ان (ائمہ) کی مخالفت سے مت گھبراؤ بلاشبہ حق زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔''

جواب: سعید ممدوح کے اعتراضات کا بالترتیب جائزہ ملاحظہ کریں۔

1- علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول لکھنا کہ ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل ماننا رافضیت اور بدعت نہیں ہے'' ایک تحقیق طلب امر ہے کیونکہ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے شخص کو رافضی نہیں کہا بلکہ اس مسئلہ کو رافضیت کی طرف ایک سیڑھی یا راستہ کہا ہے لہٰذا دونوں (امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ) کے کلام میں کوئی فرق نہیں ہے اور رہا یہ مسئلہ کہ وہ بدعتی بھی نہیں ہے تو عرض یہ ہے کہ یہاں بدعت سے مراد بدعت کبریٰ ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بدعت صغریٰ کا انکار نہیں کیا اس کا قرینہ یہ ہے کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تقدیم دینے والے کو اپنی کتاب میزان الاعتدال 5/1 پر بدعت صغریٰ سے متصوف کیا ہے۔ لہٰذا اس قول پر بھی خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

2- سعید ممدوح کا علامہ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو خطا کہنا مردود ہے کیونکہ ایسا ہی قول جید محدثین کرام خصوصاً امام احمد بن حنبل، ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا بھی ہے کہ صحابہ کی جماعت کے اتفاق سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔

3- مزید یہ کہ امام دار قطنی کا یہ قول مزید وضاحت اور تفصیل کے ساتھ سوالات السلمی رقم: 247 پر بھی موجود ہے۔ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یونس بن خباب يغلو في التشيع۔
(المؤتلف والمختلف 11/47)

ایک دوسری تصنیف میں راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

فيه يتشيعه مفرطة، كان يسب عثمان۔ (العلل ج ۴ ص ۴۴، ۴۳)

اگر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو تفصیل سے بیان کر دیتے تو مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔
سوالات سلمیٰ میں اس قول کے شروع میں لکھا ہے:

وقال عبدالعزیز بن مهیب، دخلت علی یونس بن حباب، فذکرت عنده عثمان، فقال لعلك من هولاء النواصب الذین یحبون عثمان بن عفان، الذی قتل ابنتی رسول الله ﷺ؟ فقلت له: قتل الواحدة فسم زوجه الاخری وقال الشیخ: اختلف قوم...

پھر پورا وہی عبارت سیر اعلام النبلاء 457/16 کی ہے۔

اب اس تحریر سے واضح ہوا کہ ایک شیعہ رافضی یونس بن حباب جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا کرتا تھا اس کا تذکرہ اور اس کا عقیدہ علامہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والوں کو ناصبی کہتا تھا۔ لہٰذا امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے یونس بن خباب کے عقائد ذکر کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر مختلف اقوال نقل کیے اور اس کے رد میں یہ بات واضح کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے طے پائی ہے اور اسی کو اہل سنت کا مسلک قرار دیا۔ (کیونکہ اس کے برخلاف ایک شیعہ، رافضی یونس بن خباب حضرت عثمان کے چاہنے والوں کو ناصبی کہتا تھا) اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں فرق کرنے والوں پر یہ اعتراض کیا کہ مسئلہ تفضیل ہی اصل میں شیعیت اور رافضیت کا راستہ ہے۔ کیونکہ اگر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل نہ مانے تو وہ تمام تر قصوروار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی ٹھہراتے ہیں کیونکہ بنوامیہ ان کی ہی قوم تھی۔ لہٰذا شیعہ اور رافضی بنوامیہ کے تمام مظالم کا قصوروار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی ٹھہراتی ہے جیسا کہ کتب تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہے۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حافظ دارقطنی کے قول کا پس منظر نہ تھا لہٰذا انہوں نے اپنی طرف سے اس بات کی تصریح کر دی مگر اس مقام پر میں نے حافظ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت نقل کر دی تاکہ محققین کو اس سے فائدہ ہو۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 291 پر لکھا ہے۔

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ایک اور مقام میں لکھا ہے۔

"پھر عراقی شیعوں کی بڑی تعداد علی وعثمان رضی اللہ عنہما دونوں سے محبت کرتی ہے لیکن علی کو عثمان

پر فضیلت دیتی ہے۔(میزان الاعتدال 552/3) پھر سعید ممدوح لکھتا ہے۔میں (ممدوح) کہتا ہوں تم کوئی ایسا شیعہ نہیں پاؤ گے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو اور شیعوں میں صحابہ اور تابعین کی بڑی تعداد شامل ہے بلکہ ان میں سے بعض صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منحرف تھے۔"

جواب: محمود سعید ممدوح کی یہ ایک بہت بڑی علمی خیانت ہے کہ وہ لفظ شیعہ کا اطلاق صحابہ کرام اور تابعین پر کھلے عام کر رہا ہے کیونکہ لغوی طور پر تو صحیح ہے مگر اصطلاحی طور پر اس کا اطلاق ایسی ہستیوں پر کرنا ہے اب ہر شیعہ ایک قسم کا نہیں ہوتا۔ان میں بعض معتدل ہیں۔بعض غلو رکھتے ہیں اور بعض افضلیت حضرت علی المرتضیٰ کے قائل ہیں۔لہٰذا تمام کو لفظ شیعہ میں داخل کر کے عمومی طور پر ذکر کرنا غلط ہے۔یہ بھی یاد رہے کہ جب ابتداء میں دیگر فتنے رونما ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ کے ماننے والوں نے اپنا نام اہل سنت رکھ لیا تاکہ باطل فرقوں سے ممتاز ہو سکیں۔اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے تو اس بنا پر اسے لغوی طور پر شیعہ علی رضی اللہ عنہ کہنا تو ٹھیک ہے مگر جناب والا اس شخص کا دیگر تمام صحابہ کرام کے بارے میں عقیدہ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرنے والوں کے بارے میں اس کا کیا کیا عقیدہ ہے؟اس کو بیان کرنا اور اس میں فرق ملحوظ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے۔

اب سعید ممدوح کا علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ لکھنا کہ"پھر عراقی شیعوں کی بڑی تعداد علی اور عثمان رضی اللہ عنہما دونوں سے محبت کرتی ہے لیکن علی کو عثمان پر فضیلت دیتی ہے" اگر اس پر ہم یہ سوال کریں کہ یہ افضلیت خلافت میں ہے یا مسئلہ افضلیت میں تو پھر جناب کیا جواب ہوگا؟ کیونکہ تفضیلیہ اکثر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت تو خلافت میں ہے۔جناب والا جب ہم افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول پیش کریں تو آپ لوگ اسے خلافت کے ساتھ جوڑ دیں۔اور اگر خود کوئی تفضیل علی المرتضیٰ کا ضعیف قول نقل کریں تو اسے افضلیت مطلقہ پر محمول کریں۔آپ لوگوں کے بھی عجب اصول ہیں۔

مزید یہ کہ یہ یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چاہنے والوں میں صحابہ کرام، تابعین بھی تھے مگر ساتھ ایسے لوگ بھی تھے جو کہ حب علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض صحابہ بھی رکھتے تھے لہٰذا ان دونوں کو ایک ہی شیعہ کے تحت داخل کرنا گمراہی اور علمی بددیانتی ہے۔

اور یہ کہ محمود سعید ممدوح کا یہ لکھنا بھی اس کا باطنی خبث ہے کہ بعض صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منحرف تھے۔اس کا جواب ہم دے سکتے ہیں مگر ایسی خرافات پر لاحول ولا پڑھنا زیادہ

مناسب ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 292 پر لکھا ہے۔

"رہا امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول: عثمان و علی رضی اللہ عنہما دونوں فضیلت والے اور سبقت و جہاد والے ہیں علم و جلالت میں دونوں مساوی ہیں" تو یہ محل نظر ہے۔ اہل علم میں تمام اولین و آخرین جانتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسلام و نماز میں سب سے سابق، صحابی ہونے کے لحاظ سے سب سے بڑے، جہاد کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر شیر، علم میں سب سے زیادہ اور نسب کے لحاظ سے معزز ہیں اور ان کے فضائل میں آنے والی احادیث سب سے زیادہ ہیں۔

جواب: محمود سعید ممدوح تو بڑے جذبے سے ہمارے خلاف ایسے اقوال نقل کرتا ہے کہ مسئلہ افضلیت میں توقف بہتر ہے اور اس بارے میں اس نے پورا باب بھی لکھا ہے۔ مگر اس مقام پر اس نے چیخنا شروع کر دیا ہے۔ عجب تضاد ہے کہ ہمارے خلاف ایسے حوالے دل کھول کر نقل کرے مگر جب اپنے موقف پر زد پڑے تو ایسا شدید احتجاج کیوں؟ مزید یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص اپنی جگہ مسلم مگر جمہور صحابہ کرام اور پھر بعد میں اجماع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر ہی ہوا ہے۔

اعتراض: محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 292 پر لکھتا ہے۔

"رہا امام ذہبی کا یہ قول اور بلاشبہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں سے افضل ہیں جو شخص اس میں اختلاف کرے تو وہ پکا شیعہ ہے" میں (سعید ممدوح) کہتا ہوں: اس میں ائمہ اہل بیت اور صحابہ و تابعین کی ایک جماعت نے اختلاف کیا ہے اور یہ رافضیت یا بدعت نہیں ہے۔ اگر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اصرار فرمائیں کہ یہ رافضیت اور غالی شیعیت ہے تو پھر اس رافضیت میں ہی خیر ہے۔ ذرا امام شافعی کا ارشاد تو ذہن میں لائیے۔ جب ہم علی کی تفضیل بیان کرتے ہیں تو جہالت مآب لوگ کے نزدیک رافضی قرار پاتے ہیں۔

جواب: حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان حدیث، اجماع اور اہل سنت علماء کرام کے اقوال کی روشنی میں بالکل صحیح اور درست ہے۔ رہا آپ کا اہل بیت اور صحابہ و تابعین کا اختلاف بیان کرنا تو اول تو کوئی ایسی روایت پیش کریں جس میں صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطلقاً افضل کہا ہو۔ اہل بیت کا کوئی بھی صحیح سند سے ایسا عقیدہ ثابت نہیں ہے اور نہ ہی مسئلہ افضلیت میں زیدیوں کے اقوال مقبول ہیں۔ تابعین کا اس معاملہ میں اختلاف اقوال شاذ ہیں جس کو نہ تو امت نے قبول کیا اور بلکہ ایسے

اقوال کارد لکھا اور اگر بر سبیل تنزل بعض صحابہ کرام کا اختلاف مان بھی لیں تو یہ اجماع صحابہ سے قبل کا اختلاف ہے کہ نہ اجماع کے بعد کا، لہٰذا سعید ممدوح کے تمام اعتراضات لغو اور باطل ہیں۔

مزید یہ کہ سعید ممدوح نے جو اشعار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کئے ہیں اس کی کوئی صحیح سند تو پیش کر دیں وگرنہ ایسے حوالوں پر آپ کو شرمسار ہونا چاہیے اور یہ کہ کیا آپ کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا افضلیت شیخین کا عقیدہ معلوم نہیں ہے؟ اگر معلوم ہے تو اس کے باوجود ایسے اشعار نقل کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینا بڑی خیانت ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ایسی خباثتوں سے دور رکھے اور اہل سنت کا صحیح مذہب اور عقیدہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محمود سعید ممدوح کے چند باطل احتمالات

احتمال: محمود سعید ممدوح ص 304 پر لکھتا ہے۔

ابن ندیم الفہرست میں لکھتے ہیں: اکثر محدثین زیدی ہیں اور اس طرح محدثین فقہاء کی ایک قوم بھی مثلاً سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور اکثر محدثین۔ (الفہرست ابن ندیم ص 312)

جواب: سعید ممدوح ابن ندیم کے حوالے سے جلیل القدر محدثین وفقہاء کو زیدی بنا رہا ہے۔ سبحان اللہ کیا بات ہے۔ جناب والا ابن ندیم کا اپنا حال تو لوگوں کے سامنے بیان کر دیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ اگر شیعہ نعمان بن ثابت کو شیعہ رجال میں رکھیں تو وہ کیا شیعہ ہو جائیں گے؟ کیا جہالت کی بات ہے کہ پوری دنیا ان اکابرین کو آج تک اہل سنت و جماعت کے محدثین مانتی آئی ہے اور محمود سعید ممدوح ابن ندیم کے حوالے سے ان محدثین کو زیدی بنا رہی ہے۔ جاہل کی باتوں پر جاہل ہی خوش ہوتے ہیں۔

۱- ابن ندیم کو زرکلی نے الاعلام 29/6 پر شیعہ لکھا۔

۲- حافظ ابن حجر نے لسان المیزان 72/5 پر معتزلی، شیعہ، بلکہ رافضی معتزلی لکھا ہے۔

۳- علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ اسلام 398/27 پر اسے شیعی معتزلی لکھا ہے۔

لہٰذا ایسے شیعہ، معتزلی، رافضی کی باتیں آپ کو ہی مبارک ہوں۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام سفیان بن عیینہ کا اپنا مذہب تفضیل شیخین کا ہے۔ لہٰذا ان دونوں اماموں کا عقیدہ ملاحظہ کریں اور ابن ندیم کی دھوکہ بازی نوٹ کریں۔

امام سفیان ثوری کا عقیدہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما:

لالکائی اپنی سند سے کتاب السنہ میں شعیب بن حرب سے روایت کرتے ہیں کہ

"ایک دفعہ میں نے امام سفیان ثوری سے کہا کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جس سے مجھے نفع ہو اور جب میں خدا کے پاس جاؤں تو کہہ سکوں خدایا! یہ بات مجھے سفیان ثوری نے بتائی تھی میری نجات ہو جائے اور اسکی ذمہ داری آپ پر عائد ہو فرمانے لگے، لکھیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اسی کی طرف سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا جو شخص اس کے خلاف اعتقاد رکھے وہ کافر ہے ایمان قول، عمل، اور نیت کا نام ہے اور کم و بیش ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ پھر فرمایا اے شعیب! جو کچھ تو نے لکھا ہے اس کا تمہیں فائدہ نہ ہوگا جب تک یہ اعتقاد نہ رکھو کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، نماز میں بسم اللہ سرا پڑھنا افضل ہے...... جب خدا کے سامنے جاؤ اور ان چیزوں کے متعلق تم سے دریافت کیا جائے تو صاف صاف کہہ دینا، خدایا! یہ باتیں مجھے سفیان نے بتائی تھیں پھر مجھے خدا کے سپرد کر کے الگ ہو جانا۔"

(تذکرۃ الحفاظ، رقم: ۱۹۸ شرح اصول اعتقاد اھل السنہ والجماعۃ، رقم: ۳۱۴)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی سند کو ثابت اور ثقہ لکھا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ رقم: ۱۹۸)

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہ:

السنة عشرة... تقديم أبي بكر و عمر۔

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس سنتوں میں اس ایک سنت یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو باقی صحابہ پر مقدم مانا جائے۔ (شرح اصول الاعتقاد، رقم: ۳۱۶)

جوزجانی کی غلط بیانی

سعید ممدوح ص 304 پر لکھتا ہے۔

ابن کثیر کے لیے تو ابو اسحاق جوزجانی کی کتاب "احوال الرجال" کا مطالعہ ہی کافی تھا۔ اس میں اس نے اکابر کوفیوں کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے جن میں ابو اسحاق سبیعی، منصور بن معتمر،

اعمش، عبید اللہ بن موسیٰ العبسی، ابو نعیم فضل بن دکین، خالد بن مخلد قطوانی، عبد الرحمن بن عبد اللہ اصفہانی ابو غسان مالک بن اسماعیل نہدی، ابان بن تغلب، حسن بن صالح ہمدانی اور ان جیسے دوسرے حضرات شامل ہیں۔ جوز جانی کے قول کا مطلب ہے محبت، تفضیل، موالات اور نصرت اہل بیت المبارک کا مذہب۔

جواب: جوز جانی کے پیش کردہ حوالوں میں اکثر محدثین اہل سنت کے ہیں۔ جن کا افضلیت سیدنا علی المرتضیٰ کے عقیدے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ دوسرا یہ کہ جوز جانی خود ناصبی تھا۔ اور ناصبی اہل سنت کو شیعہ کہتے ہیں۔

قارئین کرام! ذرا جوز جانی کے بارے میں بھی جان لیں کہ اس کا مذہب کیا تھا؟

جوز جانی کے بارے میں محدثین کی رائے:

علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میزان الاعتدال ۷۶/۱ میں لکھتے ہیں کہ وہ اہل دمشق کے مذہب پر تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں رائے اچھی نہ تھی یعنی ناصبی تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ

والجوز جانی مشهور بالنصب والانحراف فلا يقدح فيه قوله.

(تہذیب التہذیب ۱۵۸/۱)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وتعصب الجوزجانی علی أصحاب علی معروف. (تہذیب التہذیب ۴۶/۵)

یعنی اصحاب علی سے جوز جانی کا تعصب معروف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید لکھا ہے:

الجوز جانی کان ناصبیاً منحرفاً عن علی رضی اللہ عنہ۔ (ھدی الساری ۲/۱۱۶)

یعنی جوز جانی ناصبی تھا اور حضرت علی سے منحرف تھا۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا حوالوں سے واضح ہوگیا کہ جوز جانی ناصبی تھا اور اصحاب علی سے تعصب رکھتا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امام جوز جانی کی جرح قابل قبول ہوتی ہے کہ نہیں؟

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ھدی الساری ۲/۱۶۷ میں واضح لکھا ہے۔

ان جرحه لا يقبل فی أهل الكوفة لشدة انحرافه ونصبه۔

ترجمہ: یعنی جوزجانی کی جرح اہل کوفہ کے حق میں اس کی شدتِ انحراف اور ناصبیت کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے۔

اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام جوزجانی کے بارے میں لکھا:

لا عبرة بحطه على الكوفيين۔ (میزان الاعتدال ۱/۴)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ جوزجانی متشدد تھا اور اس کی اہل کوفہ پر جرح قابل قبول نہیں ہے۔ لہٰذا جوزجانی کا ان اکابرین محدثین کو شیعہ کہنا غلط ہے۔

اور مزید یہ کہ جوزجانی کے قول میں کسی لفظ کا مفہوم اور اشارہ تفضیل کا نہیں ہے۔ لہٰذا محمود سعید ممدوح کا یہ احتمال مردود ہے۔ مزید یہ کہ اگر ان میں تشیع موجود بھی ہے تو ہمیں نقصان نہیں کیونکہ ہم تو اہل سنت کے مذہب کے داعی ہیں۔ اہل سنت کا اصول ہے کہ اس شیعہ سے روایت کرنا جائز ہے جو صدوق ہو اور اپنے مذہب کی طرف داعی نہ ہو۔ مزید یہ ہے کہ پیش کردہ ناموں میں تمام لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر تفضیل نہیں دیتے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں جس کو بدعت صغریٰ سے متصف کیا جاتا ہے اور یہ کہ چند افراد کا اختلاف کرنا نہ تو اجماع کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی جمہور کے فیصلے کو بدل سکتا ہے۔ شیخ سعید ممدوح کے پیش کردہ حوالوں میں خود امام اعمش، ابونعیم، ابواسحاق سبیعی، اور ابان بن ابی تغلب شیخین کی تفضیل کے قائل ہیں۔

منصور بن المعتمر کا عقیدہ:

امام منصور بن المعتمر پر تشیع کا الزام بھی ہے مگر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تشیع کے بارے میں تصریح کرتے ہوتے لکھتے ہیں۔

قلت: تشيعه حب وولاء فقط۔

ترجمہ: یعنی منصور بن المعتمر کی تشیع صرف محبت ہے اور اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

(سیر الاعلام النبلاء، رقم: ۱۸۱)

یعنی ان کا مذہب حب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھا نہ کہ تفضیل علی المرتضیٰ بر شیخین۔

ابو غسان مالک بن اسماعیل نہدی، عبید اللہ بن موسی العبسی اور ابو نعیم کا مذہب

ابو غسان مالک بن اسماعیل نہدی، عبید اللہ بن موسی العبسی، اور ابو نعیم کے مذہب کے بارے میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحقیق انیق پیش کرتے ہوئے انکی تشیع کے بارے میں لکھتے ہیں:

قلت: و قد كان أبو نعيم فضل بن دكين، و عبيد الله (بن موسى العبسي) معظمين لأبي بكر و عمر، و إنما ينالان من معاوية و ذويه . رضي الله عن جميع الصحابة۔ (سیر الاعلام النبلاء، رقم: ۱۳۲)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان محدثین پر تشیع کا اطلاق تفضیل شیخین کے انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کی وجہ تھا۔ اس تحقیق سے ایک بات واضح ہوگئی کہ ہر شیعہ تفضیل علی رحمۃ اللہ علیہ کا منکر نہیں ہوتا کیونکہ محدثین کرام نے دیگر صحابہ کرام سے بغض رکھنے اور ان پر لعن طعن کرنے والوں کی بارے میں خاموشی اختیار کرنے والوں پر بھی شیعہ کا اطلاق کیا ہے۔

عبید اللہ بن موسیٰ العبسیؒ کا عقیدہ

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ مزید تحقیق کرتے ہوئے عبید اللہ بن موسیٰ العبسی کے تشیع کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حدثنا عبيد الله بن موسى رحمۃ اللہ علیہ حدثنا مالك بن مغول عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه قال قال علي رضي اللہ عنہ خيرنا بعد نبينا ﷺ أبو بكر و عمر رضي الله عنهم۔

و روايته مثل هذا دال على تقديم للشيخين، و لكنه كان ينال من خصوم علي۔

قال ابن منده: كان أحمد بن حنبل يدل الناس على عبيد الله، و كان معروفا بالرفض، لم يدع أحدا اسمه معاوية يدخل داره۔

(سیر الاعلام النبلاء، رقم: ۲۱۵)

اس تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شیخ محمود سعید ممدوح نے ہر شیعہ کو جو تفضیل علی علیہ السلام کا

قائل لکھا ہے، یہ بات اصول کے خلاف، غلط اور مردود ہے۔ کیونکہ ہر شیعہ کا عقیدہ ایک جیسا نہیں ہوتا اور نہ ہی شیعہ اور سنی کے درمیان تمیز صرف شیخین کی محبت یا حقارت پر موقوف ہے۔ شیعہ کی تعریف ہر دور میں مختلف رہی ہے لہٰذا جب بھی کسی راوی کی تحقیق کریں تو اسکا عقیدہ جاننا بہت اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ بعض اوقات راوی شیخین کی تعظیم تو کرتا ہے مگر حضرت عثمان یا دیگر اصحاب کے بارے میں رائے اچھی نہیں رکھتا۔ اور بعض اوقات کچھ راوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراضات تو نہیں کرتے مگر ان لوگوں کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حرف گیری کرتے ہیں۔ ایسے راویوں پر بھی محدثین اور اصولیین نے شیعہ ہونے کا اطلاق کیا ہے۔ لہٰذا شیعہ کی تعریف بھی ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ شیخ سعید ممدوح لفظ شیعہ سے تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل کا قاعدہ بنا بیٹھا ہے۔ جو کہ اس کی جہالت اور بغض صحابہ اور شیعہ سے محبت اور خود شیعہ ہونے کی دلیل ہے۔

حسن بن صالح بن حی ہمدانی کا مذہب

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 296 مترجم پر لکھا ہے کہ "اور رہے حسن بن صالح بن حی ہمدانی کوفی تو وہ زیدی المذہب تھے پھر حسن بن صالح شیخین پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم میں منفرد نہیں ہیں۔

جواب: حسن بن صالح باوجود مشہور محدث ہونے کے چند معاملات میں مائل بہ بدعت تھے، حسن بن صالح بن حی الہمدانی کو محدثین نے شیعہ، زیدی بلکہ افراد والا زیدی لکھا ہے۔ حسن بن صالح الہمدانی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ دیکھئے میزان الاعتدال 496/1، تہذیب/تہذیب 285/2 علامہ زرکلی نے الاعلام 193/2 پر حسن بن صالح کو زیدیہ فرقوں میں ایک فرقہ البتریہ کے اکابرین میں شمار کیا ہے۔

فرقہ بتریہ، جو کہ زیدیہ کا فرقہ ہے۔ اس کا آغاز حسن بن صالح اور کثیر النواء الابتر دو اشخاص سے ہوا۔ فرقہ بتریہ کہ عقائد شیعہ فرقہ جریریہ یا سلیمانیہ کے عقائد کے موافق تھے مگر فرق اتنا ہے کہ فرقہ جریریہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتا تھا مگر فرقہ بتریہ نے حضرت عثمان کے بارے میں توقف کیا اور نہ ان کی برائی کی اور نہ ہی ان کی تعریف کی ہے۔ اس تحقیق کے دوران حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تذکرۃ الحفاظ رقم: 203 پر یہ تصریح مل گئی کہ حسن بن صالح میں خارجیت کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ حسن بن صالح کے فرقہ زیدیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ایسے تمام اشخاص جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کریں ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ یوں یہ لوگ اس اعتبار سے خوارج کی طرح ہیں۔ (تفصیل ملاحظہ کریں الفرق بین الفرق ۔ابو منصور بغدادی ص 71,72)

اور یہ مذکورہ قول ان پر حجت ہے جو زیدیوں کو اہل سنت میں داخل کرنے کی بھر پور کوشش کر رہے ہیں۔

لہٰذا اگر کسی شخص کو محدثین کرام ثقہ یا ثبت یا تعریف کریں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کے مذہب کی تعریف کر رہے ہیں بلکہ اس کی تعریف اس کے ضبط حدیث اور روایت حدیث کے بارے میں ہوتی ہے۔ اسی طرح حسن بن صالح الہمدانی تو ثقہ محدث مگر ساتھ ہی ساتھ وہ زیدی، شیعہ اور مائل بہ خارجیت تھا۔ لہٰذا جب عقیدے کی بات آئے گی تو ان کا حوالہ اہل سنت و جماعت پر کوئی اثر انداز نہیں ہوگا۔

زیدی فرقہ کے عقائد

عرض یہ ہے کہ سعید ممدوح جگہ جگہ زیدیوں کے حوالہ جات صرف اہل سنت کے قریب ہونے کے لحاظ سے پیش کر کے عوام الناس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ یاد رہے کہ صرف لفظ زیدی اور اس کی تعریف پڑھ کر مرغوب ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ زیدیوں میں ایسے بھی فرقے ہیں جو شیخین کریمین پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں جیسے کہ زیدیوں کا فرقہ جارودیہ ہے۔ اور یہ بھی پڑھ کر گمراہ نہ ہو جائیے گا کہ فلاں زیدی تو شیخین کریمین کی عزت و تکریم کرتا تھا کیونکہ زیدیوں کا فرقہ سلیمانیہ یا جریریہ ایک ایسا فرقہ ہے جو شیخین کی تو تکریم کرتا تھا مگر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے تھے۔ پھر مزید ایسا زیدی جس کے بارے میں یہ تصریح ملتی ہے کہ وہ شیخین کریمین کی بھی عزت و تکریم کرتے تھے اور صحابہ کرام کے بارے میں برے خیالات نہ رکھتے تھے مگر وہ شیخین کریمین پر تبراء (یعنی کہ برأت و بیزاری) کرنے والوں سے اظہار بیزاری بھی نہیں کرتے تھے۔ ایسے فرقے کا نام یعقوبیہ ہے۔ لہٰذا ایسے زیدیوں کے مذہب سے بچنا لازمی اور ضروری ہے۔

۱- مسعودی نے مروج الذہب 220/3 پر زیدیوں کے 8 فرقے بیان کیے ہیں۔

۲- ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ نے مقالات اسلامین 132/1 پر زیدیہ کے 6 فرقے بیان کئے ہیں۔

۳- اسفرائینی نے التبصیر ص 16 پر زیدیہ کے 3 فرقے لکھے ہیں۔

۴- شہرستانی نے الملل والنحل 154/1 پر زیدیہ کے 3 فرقے بیان کیے۔

۵- امام رازی نے المسلمین ص 34 میں زیدیہ کی تعداد 3 ہی بیان کی ہے۔

معلوم ہوا کہ زیدی فرقہ اہل سنت جماعت سے خارج ایک فرقہ ہے اور صرف ان کا شیخین کریمین کی عزت یا باقی صحابہ کرام پر سکوت کرنا اور محدثین کا ایسے شخص کو ثقہ و متقی لکھنا ان کے صحیح العقیدہ ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا سعید ممدوح کے اس دھوکہ اور فریب سے ضرور بچئے گا۔ یاد رہے کہ محدثین کرام جس مقام پر ثقہ اور ساتھ ہی اسکی بدعقیدگی اور بدعت کا ذکر کریں تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ روایت میں تو ثقہ ہے مگر عقیدہ میں بدعتی ہے اور جہاں کوئی اسکی بدعقیدگی کی روایت آئے تو اس کو رد کیا جائے گا۔

محدث عبدالرزاق کا عقیدہ

محدث عبدالرزاق پر محدثین نے تشیع کا الزام وارد کیا ہے۔ مگر وہ اس تشیع میں غالی نہ تھے بلکہ وہ تو افضلیت شیخین کے قائل تھے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر اعلام النبلاء 573/9 پر سند کے ساتھ محدث عبدالرزاق کا قول نقل کیا ہے۔

حدثنا عبدالله بن أحمد سمعت سلمة بن شيب، سمعت سلمة بن شيب سمعت عبدالرزاق يقول: ما انشرح صدري قط أن أفضل عليا على أبي بكر و عمر فرحمها الله، ورحم عثمان وعليا من لم يحبهم فما هو بمؤمن، أوثق عملي حبي إياهم۔

ترجمہ: "سلمۃ بن شیب کہتے ہیں میں نے عبدالرزاق سے سنا ہے فرماتے تھے۔ بخدا میرا دل اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر پر فضیلت دوں......

یہ کلام تاریخ دمشق 190/36، تہذیب التہذیب 280/6، تہذیب الکمال 60/18 مغانی الاخیار 254/3 میزان الاعتدال رقم: 5044 میں بھی درج ہے۔

اب بات یہ ہے کہ جب عبدالرزاق شیخین کریمین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت بھی دیتا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی رحمت کی دعا کرتا تو پھر محدثین کرام نے اسے تشیع کی طرف کیوں منسوب کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبدالرزاق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والوں سے

بغض رکھتے تھے (جن میں جلیل القدر صحابہ اور تابعین بھی شامل تھے۔اس کا اظہار علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ یوں کیا ہے۔

کان یحب علیا رضی اللہ عنہ ویبغض من قاتلہ۔ (تذکرہ الحفاظ 267/1)

یعنی عبد الرزاق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے اور ان کے ساتھ لڑنے والوں سے بغض رکھتے تھے۔ اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلف صالحین نے حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ کے مد مقابل لڑنے والوں سے بغض رکھنے والوں پر بھی شیعہ کا اطلاق کیا ہے۔ لہٰذا ہر ایک شیعہ کو حب اہل بیت کا داعی کہہ کر اور حب اہل بیت کو سنیت کا رنگ دے کر ایسے شیعوں کو اہل سنت میں داخل کرنا علمی خیانت اور کذب بیانی ہے۔جناب والا!، صرف حب اہل بیت کا نعرہ لگا کر صحابہ کرام پر حرف گیری کرنا بھی بدعت اور گمراہی ہے۔لہٰذا علماء اہل سنت نے حب اہل بیت کے ساتھ ساتھ تعظیم صحابہ کرام کو بھی معیار سنت قرار دیا ہے۔

اور مزید یہ کہ اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محدث عبد الرزاق کا اپنا نظریہ بھی تفضیل شیخین اور حب ختنین کا تھا۔لہٰذا ان کو شیعہ کہہ کر یہ ثابت کرنا کہ تمام شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفضیل دیتے تھے لہٰذا یہ بھی شیعہ ہو کر تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے۔ایسی بات کرنا تحقیق کے خلاف اور مردود ہے۔ محدث عبد الرزاق کے اس قول سے معمول ہوا کہ وہ اپنے استاد معمر کے عقیدے سے بھی متفق نہ تھے۔مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام یعنی خلفاء اربعہ سے محبت کے باوجود اگر حضرت علی المرتضی کے مخالفین سے بغض رکھے اس پر بھی شیعہ ہونے کا اطلاق ہوتا ہے۔

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ اور معمر بن راشد کے کا مذہب تفضیل پر ایک تحقیق

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 305 اور 208 مترجم پر معمر بن راشد کو تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائلین میں شمار کیا ہے۔سعید ممدوح ص 304 اور ص 305 پر لکھتا ہے۔

تاریخ دمشق میں امام ابن عساکر سے لیکر امام ابن ابی خیثمہ تک سند کے ساتھ مذکور ہے۔ ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں ہمیں احمد بن منصور بن سیار نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں امام عبد الرزاق الصعنانی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں ایک دفعہ معمر گویا ہوئے اور مسکرا دیئے..... انہوں (معمر) نے فرمایا: مجھے اہل کوفہ پر تعجب ہوتا ہے گویا کہ کوفہ کی بنیاد ہی حب علی پر رکھی گئی ہے

میں نے جس معتدل شخص سے بھی گفتگو کی تو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر افضلیت دیتے ہوئے پایا، حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی میں سے ہیں۔ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ پھر میں نے حضرت معمر سے کچھ عرض کیا: اور انہوں نے محسوس کیا کہ میں اس کو بڑی بات سمجھ رہا ہوں تو انہوں نے فرمایا: کیا ہوا؟ اگر کوئی شخص کہے علی میرے نزدیک شیخین سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کروں گا جبکہ وہ میرے سامنے شیخین کی فضیلت کا ذکر بھی کرے اور اگر کوئی شخص کہے حضرت عمر، سیدنا علی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کروں گا۔ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں میں نے یہ بات حضرت وکیع کو بتائی اور ہم تنہائی میں تھے تو وکیع نے اس کو بہت پسند کیا اور ہنسنے لگے۔ پھر فرمایا: سفیان ہمارے ساتھ اس حد تک نہیں پہنچا تھا لیکن انہوں نے معمر پر اس بھید کو ظاہر کیا جسے ہم سے چھپاتے رہے۔ (تاریخ دمشق 311/3)

جواب: 1۔ یہ واقع بادی النظر میں صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ محدث عبدالرزاق کا اپنا مذہب تو تفضیل شیخین کریمین ہے۔ مزید یہ کہ محدث عبدالرزاق نے اپنے عقیدے کی وضاحت خود کی ہے۔ حافظ ابن عدی لکھتے ہیں:

حدثنا الشرقی ثنا أبو الأزهر سمعت عبدالرزاق یقول أفضل الشیخین بتفضیل علی ایاهما علی نفسه ولولم یفضلهما لم افضلهما کفابی اذراء ان احب علیا ثم اخاف قوله۔

(الکامل ابن عدی 5/312)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عبدالرزاق خود بھی تفضیل شیخین کریمین کا قائل تھا اور مولا علی رضی اللہ عنہ بھی شیخین کریمین کی افضلیت کے قائل ہیں۔ عبدالرزاق کا یہ قول ان لوگوں کے لیے ایک آئینہ ہے جو حب علی رضی اللہ عنہ کا دم تو بھرتے ہیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدے کو نہیں مانتے بلکہ باطل تاویلات کرتے ہیں۔

جناب والا کچھ غور کریں اور اپنی سوچ میں تبدیلی لے کر آئیں۔

ii- تاریخ دمشق لابن عساکر 530/42 والا واقعہ (معمر بن راشد اور عبدالرزاق کا تفضیل کے بارے میں خیال) جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے اپنی کتاب شرح خصائص علی ص 532 اور ص 533 پر "کیا تفضیل باعث نفرت مسئلہ ہے؟" کے عنوان کے تحت درج کیا ہے لہٰذا

مناسب ہے کہ ظہور احمد فیضی صاحب اور سعید ممدوح کو جواب ایک ہی جگہ دے دیا جائے۔

اول تو عرض یہ ہے کہ اس کی سند کو صحیح کہنا دھوکہ اور فریب ہے۔

دوم یہ کہ اس کی سند میں ایک راوی احمد بن منصور بن یسار کی توثیق پیش کریں۔

سوم یہ کہ محدث عبد الرزاق آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ (تقریب التہذیب رقم:4064)

اب جناب آپ کا فرض ہے کہ عبد الرزاق سے، اس سند میں شاگرد احمد بن منصور بن یسار ہے اس کا عبد الرزاق سے قدیم السماع ہونا ثابت کریں کیونکہ محدثین کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مختلط راوی کا حافظہ خراب ہونے سے پہلے کی روایات صحیح اور مختلط ہونے کے بعد کی روایات ضعیف ہوتی ہیں لہٰذا احمد بن منصور کا سماع مختلط ہونے سے پہلے کا دکھائیں وگرنہ اس حدیث کو ضعیف خود ہی مان لیں تو نام نہاد محدثیت کا بھرم بھی رہ جائے گا۔

جناب ایسی ضعیف روایات سے آپ عوام الناس کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں لہٰذا مہربانی کر کے اہل سنت کے عوام بھی اسماء الرجال کے میدان میں بھی مہارت حاصل کریں تاکہ ایسے لوگ آپ کو دھوکہ نہ دے سکیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ محمود سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کی پیش کردہ روایات تحقیق کی روشنی میں ضعیف اور مردود ہیں۔ ایسا راوی جس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو جائے اور اس سے روایت کرنے والا راوی اس کے حافظہ خراب ہونے سے پہلے نہ سنے تو ایسے شخص کی حدیث قبول نہیں ہوتی تو یہاں تو پھر قول ہے۔ لہٰذا ایسے اقوال محدثین کرام کے اقوال اور اصول کی روشنی میں غلط اور ضعیف ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ سعید ممدوح نے ان روایات کو بیان کر کے علمی زیادتی کی ہے۔ لہٰذا ایسی ضعیف روایات کے بل بوتے پر موقف ہرگز ہرگز ثابت نہ ہو گا۔ اور اس روایت کو ثابت کیے بغیر جناب ظہور احمد فیضی صاحب کا بغلیں بجانا بھی فضول ہے۔

شیخ محمود سعید ممدوح کا شاہ ولی اللہ دہلوی پر ناصبیت کا الزام اور اسکی حقیقت

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 307 اور ص 310 پر شاہ ولی اللہ دہلوی پر ان کی کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اور قرۃ العینین بتفضیل الشیخین کے سبب انہیں ناصبیت کی طرف مائل لکھا ہے۔

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 310 [مترجم] پر اس کی وجہ کچھ یوں بیان کرتا ہے:

"خانوادہ علویہ کے امام سیدی احمد بن صدیق فرماتے ہیں کہ شیخین کی علی پر فضیلت کے موضوع پر شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین تالیف کی۔ جس میں وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور خصوصیت کے سلب کرنے میں ابن تیمیہ کے قریب پہنچ گئے بلکہ اس سے بھی افراط، اسراف اور بہت سے مسائل میں حد سے تجاوز کر گئے...... یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ اسے اہل سنت سے خارج اور اہل بدعت میں شامل کر دیں۔"

جواب: عرض یہ ہے کہ سعید ممدوح نے شاہ ولی اللہ دہلوی پر ناصبیت کا مکروہ الزام عائد کیا ہے۔ (رافضیوں کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ اہل سنت کو ناصبی کہہ کر پکارتے تھے)۔ ان لوگوں کا یہ نظریہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے بارے میں صحیح نہیں ہے۔ اگر انہیں فتویٰ لگانے کی ضرورت ہے تو پھر ہمت کر کے امام ابو بکر باقلانی پر ان کی کتاب مناقب الائمہ الاربعۃ کی وجہ سے ناصبی کا فتویٰ لگائیں۔ کیونکہ جتنے مولا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کا رد امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں کیا ہے شاید ہی کسی اور نے تردید کی ہو۔ لہٰذا ابتدا امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے کریں۔ عجب کھیل تماشہ بنا دیا ہے دین کو۔ جہاں مطلب کا حوالہ ہوا فوراً اچک لیا اور جہاں اپنے موقف پر زد پڑے تو فوراً ناصبیت کا فتویٰ جڑ دیا۔ مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کے لیے علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے فوراً حوالہ پیش کرتے ہیں۔ اگر انصاف ہے تو پھر علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ پر ناصبیت کا فتویٰ لگا کر دکھائیں۔

شاہ ولی اللہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص اور ان کی مرتبے کے قائل ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنی ہو تو شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فیوض الحرمین اور القول الجلی ملاحظہ کریں۔ آپ پر اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔

مزید عرض یہ ہے کہ غایۃ التبجیل کا متعدد مقامات پر حاشیہ اور توضیحات جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے کی ہے۔ لہٰذا ظہور احمد فیضی نے حاشیہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا اصل مذہب نقل نہ کر کے علمی زیادتی کی ہے۔ کیونکہ ظہور احمد فیضی کے علم میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا حب علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تھا۔ جس کا بیان انھوں نے اپنی کتاب شرح خصائص علی میں بھی کیا ہے۔ مگر اس مقام پر دجل اور فریب سے کام لیتے ہوئے ان کے عقائد سے پردہ پوشی کی۔

اس پر ظلم یہ کہ شیخ محمود سعید ممدوح اپنی ایک دوسری کتاب میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتا ہے:

و قد قال علامة الهند شاه ولى الله أحمد بن عبدالرحيم الدهلوى فى الإنصاف۔ (تزیین الالفاظ بتمیم تذکرۃ الحفاظ ص ۳۱)

ایک طرف شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو علامۃ الہند کہا اور دوسری طرف ناصبی ہونے کا مکروہ الزام لگا دیا۔

لہٰذا اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ محمود سعید ممدوح کو جہاں سے بھی رطب و یابس ملا اس نے فوراً اُچک لیا۔ مگر تحقیق کی روشنی میں ایسے اقوال باطل اور مردود ہیں۔

نوٹ: غایۃ التبجیل کے ترجمہ کو شائع کروانے میں جناب سید عظمت حسین شاہ گیلانی کا بڑا اہم کردار ہے۔ جناب سید عظمت شاہ صاحب نے ایک مضمون حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شان اور عظمت پر لکھا تھا جو کہ انوار رضا، لاہور کے مولو دکعبہ نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔ لہٰذا سید عظمت حسین شاہ صاحب کی یہ ذمہ داری تھی کہ حاشیہ یا پھر ابتداء میں شیخ محمود سعید ممدوح کی اس بات پر اختلافی نوٹ درج کر دیتے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تفضیل اور اس کا تحقیقی جائزہ

محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 212 پر لکھتا ہے۔ معمر کے قول منهم سفيان الثوری (یعنی سفیان ثوری بھی تفضیل علی کے قائلین میں سے ہیں) پھر سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 213 پر لکھتا ہے۔

بندہ ضعیف کہتا ہے کہ المعرفہ والتاریخ کی ایک روایت اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے:

۱- محمد بن سری بیان کرتے ہیں ہمیں عبدالرزاق نے بیان کیا، انہوں نے حضرت معمر سے نقل کیا کہ میں نے امام زہری سے سوال کیا کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما میں سے کون افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: خون خون، عثمان افضل ہیں۔

۲- حضرت معمر فرماتے ہیں ثوری فرمایا کرتے تھے ابوبکر اور عمر اور خاموش ہو جاتے۔

ابن ابی سری بیان کرتے ہیں میں نے امام عبدالرزاق سے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے؟

توانہوں نے جواب دینے سے انکار کر دیا۔
۳- اور انہوں نے کہا: سفیان ثوری کہا کرتے تھے ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم پھر خاموش ہو جاتے تھے۔
جواب: عرض یہ ہے کہ جب مختلف فیہ مسائل کی تحقیق ہو تو اسناد کی تحقیق کرنا بڑا اہم کام ہے کیونکہ مسئلہ افضلیت، فضائل سے متعلق مسئلہ نہیں ہے۔ اس لئے ضعیف سند والی روایات اور اقوال قابل قبول نہ ہونگے۔ سعید ممدوح کی پیش کردہ روایات کا تجزیہ ملاحظہ کریں۔
پہلے قول میں عبدالرزاق بن ہمام نے یہ قول عن سے پیش کیا ہے اور یہ بات سب پر واضح ہے کہ عبدالرزاق بن ہمام مدلس ہے اور طبقہ ثالثہ کے مدلس کا صیغہ عن سے روایت کرنا محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتا ہے۔
دوسرا یہ کہ عبدالرزاق بن ہمام کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا اور ایسے راوی کی وہ تمام روایات ضعیف ہو جاتی ہیں جو حافظہ خراب ہونے کے بعد کی ہوں۔ اس قول میں عبدالرزاق سے محمد بن ابی سری کا سماع قبل از اختلاط ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت عند المحدثین ضعیف اور مردود ہوگی۔ مختلط کی روایات پر گذشتہ صفحات پر تفصیلی کلام گذر چکا ہے۔
تیسرا یہ کہ محمد بن ابی سری صدوق راوی ہے مگر اس سے غلطیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔

محمد بن ابی سری رضی اللہ عنہ پر محدثین کرام کی جرح

محدثین کے اقوال محمد بن ابی سری کے بارے میں ملاحظہ کیجئے۔
۱- ابو علی الجیانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کثیر الغلط۔ (کمال علی تھذیب الکمال، رقم:4276)
۲- مسلمہ بن قاسم نے کہا: کثیر الوھم۔ (اکمال علی تھذیب الکمال، رقم:4276)
۳- ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کثیر الغلط۔ (تھذیب التھذیب:425/9)
۴- ابن وضاح نے کہا: کثیر الغلط۔ (تھذیب التھذیب 425/9)
۵- علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صدوق عارف له اوھام کثیرۃ۔
(مغانی الاخیار رقم:454)
6- امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لین الحدیث۔ (الجرح وتعدیل رقم:452)

7- امام ابن جوزی نے کہا: ضعیف لین الحدیث۔ (الضعفاء والمتروکین رقم:3175)

8- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صدوق عارف لہ اوھام کثیرۃ۔

(تقریب التہذیب رقم:6263)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محمد بن ابی سری کثیر الوہم راوی ہے۔لہٰذا ایسے راوی سے استدلال کرنا اور وہ بھی ایسا راوی جس نے عبدالرزاق سے ان کے حافظے کے بعد سنا۔ایسی روایات عندالمحدثین ضعیف ہوتی ہیں۔

اسی طرح محمود سعید ممدوح کے پیش کردہ اقوال نمبر 2 امام ثوری اور عبدالرزاق اور قول نمبر 3 ثوری سے مروی اقوال میں عبدالرزاق مختلط راوی ہے اور محمد بن ابی سری کا سماع عبدالرزاق سے حافظہ خراب ہونے کے بعد کا ہے لہٰذا ایسی روایات ضعیف اور نا قابل قبول ہوتی ہیں۔

جناب والا! اسماء الرجال کا میدان بچوں کا کھیل نہیں۔جو چاہا لکھ دیا۔اس میدان میں بڑے بڑے پھسل جاتے ہیں۔لہٰذا اصول وضوابط کی روشنی میں تحقیق ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔لہٰذا آپ کی جہالت والی توجیہات آپ کو ہی مبارک ہوں۔اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے بچائے جو حق بات کو بھی بے جا تاویل کرنے پر مجبور کر دے۔

امام معمر سے مروی سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدے کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 213 پر شیخ محمود سعید ممدوح لکھتا ہے:

امام عبدالرزاق بیان کرتے ہیں ہمیں حضرت سفیان ثوری نے بتایا: میں نے خواہش کی کہ ابوعروہ (معمر) کے ساتھ تنہائی میں ایک شب ملاقات ہو۔امام عبدالرزاق فرماتے ہیں: ہم نے حضرت معمر سے عرض کی کہ ابوعبداللہ آپ سے شب کی تنہائی میں ملاقات کے متمنی ہیں تو انہوں نے اجازت مرحمت فرمائی۔امام عبدالرزاق فرماتے ہیں: پھر ان دونوں کی ملاقات ہوئی، پھر جب صبح ہوئی تو میں نے امام معمر سے عرض کیا: یا اباعروہ آپ نے انہیں کیسا پایا؟ فرمایا: وہ بھی ایک شخص ہے۔پر تم کسی بھی کوفی کو ٹٹولو گے تو اس میں یہ چیز ضرور پاؤ گے،گویا انہوں نے تشیع کی طرف اشارہ کیا۔(بحوالہ سیر العلام النبلاء 569/9)

جواب: عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا قول تحقیق کی روشنی میں صحیح نہیں ہے۔

۱- کیونکہ اس میں عبدالرزاق راوی کا حافظہ خراب ہے۔اور اصول ہے کہ خراب حافظہ والے راوی کے روایات حافظہ خراب ہونے کے بعد قابل احتجاج نہیں ہوتیں۔

۲- عبدالرزاق سے روایت کرنے والا راوی محمد بن ابی سری کثیر الوہم راوی ہے اور کثیر الوہم راوی کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

۳- اور یہ کہ عبدالرزاق سے محمد بن ابی سری کا قدیم دور میں جب عبدالرزاق کا حافظہ صحیح تھا، سننا ثابت نہیں ہے۔جس کی وجہ سے روایت ضعیف اور مجروح ہے۔

جناب ذرا اختلاط پر لکھی ہوئی کتابوں کا ہی مطالعہ کر لیتے تو ایسی باتیں تحریر نہ کرتے۔لہٰذا ایسی کمزور روایات کا سہارا لے کر عوام الناس کو بہکانا ایک جرم عظیم اور لغو عمل ہے۔ہم انشاء اللہ ہر مقام پر شیخ سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کی خبث باطنی اور اسماء الرجال کے میدان میں جہالت کو واضح کرتے رہیں گے۔تفضیلیہ اسے اپنا بڑا محقق مانتے ہیں اور جناب ظہور احمد فیضی صاحب کی غلط بیانیوں اور جہالت پر تو مستقل کتاب ترتیب دے رکھی ہے۔ان شاء اللہ جلد منظر عام پر آئے گی۔

دسویں باب کا جواب

حدیث واثر میں غور وخوض کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح نے ص 311 تا ص 334 تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر وارد احادیث اور آثار پر اعتراضات کئے ہیں۔ ان اعتراضات کا تحقیقی جائزہ ملاحظہ کریں۔

غاية التبجيل ص 311 پر ایک روایت نقل کی ہے۔

"سب سے پہلے ہم حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کا جائزہ لیتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

كنا في زمن النبي ﷺ لانعدل بأبي بكر أحداً ثم شرك اصحاب النبي ﷺ لانفاضل بينهم۔

ترجمہ: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کسی کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ۔ پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے، ان کے مابین مفاضلہ نہیں کرتے تھے۔ (مسند احمد 2/14 بخاری رقم: 3677,3655)

اعتراض: سعید ممدوح نے ص 312 پر اس حدیث پر متعدد اعتراضات نقل کئے۔

i- یہ حدیث اشکال زدہ ہے اور بالاتفاق اس کا ظاہر معنی متروک ہے، کیونکہ یہ اس قرآن کے مخالف ہے جس نے سابقین کو اور ان لوگوں کو فضیلت دی جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا۔ پھر یہ ان احادیث نبویہ کے خلاف ہے جن میں تواتر کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت کی دوسری جماعت اور بعض کی بعض پر فضیلت آئی ہے اور بعض احادیث میں کسی واحد صحابی کے مناقب آتے ہیں اور یہ قول ان احادیث سے بھی متصادم ہے جن میں اہل کساء کی خلفاء اربعہ کی، عشرہ مبشرہ کی اور امہات المومنین کی تفصیل آئی ہے اور یہ سابقین کی تفضیل میں جو فرمودات اور احادیث عظیمہ واقع ہوئی ہیں سب کے خلاف ہے۔ مثلاً ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ میں نے اپنی امت کے لیے وہ کچھ پسند کرلیا جس کو اس کے لیے ابن

مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے پسند کیا۔ اور جنت کا حضرات عمار، بلال، سلمان رضی اللہ عنہم اور مقداد کے لیے مشتاق ہونا۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے فضائل کی احادیث اور حضرات عباس، حمزہ، جعفر، عمار، حذیفہ، ابوذر اور انصار رضی اللہ عنہم کے فضائل میں آنے والی احادیث کے بھی خلاف ہے۔

جواب: اس اعتراض کے بعد سعید ممدوح کی علمی حیثیت واضح ہوگئی ہے، جب کسی کو یہ ہی نہیں معلوم کہ نفس مسئلہ کیا ہے؟ اور اس پر دلائل کیا دینے ہیں؟ ایسا شخص عالم نہیں ہوسکتا اور اگر عالم مان بھی لیا جائے تو امت میں شر پھیلانے کے مترادف ہی ہوگا۔ سعید ممدوح کو یہ معلوم نہیں کہ مسئلہ افضلیت الگ چیز ہے اور فضیلت علیحدہ چیز ہے، کسی روایت سے صحابی کی فضیلت سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ وہ افضل بھی ہوگا اور یہ کہ اس کی افضلیت مطلقاً ثابت ہوگئی۔ جناب والا فضیلت اور افضلیت کے درمیان فرق کو ملحوظ خاطر رکھ کر تحریر لکھیں۔ ہمیں مندرجہ مذکورہ صحابہ کرام کے فضائل سے کوئی انکار نہیں ہے۔ ہمارا موقف تو افضلیت مطلقا کا ہے جس کی بنیاد تقویٰ اور اللہ کا قرب ہے۔ ہر صحابی کی اپنی اپنی جگہ ایک منفرد مقام اور فضیلت ہے۔ فضائل میں تو ضعیف احادیث بھی معتبر ہیں مگر مسئلہ افضلیت میں تو احادیث صحیحہ ہی درکار ہوتی ہیں۔ پھر عرض یہ ہے کہ آپ نے یہ جتنی روایات کا ذکر کیا ہے۔ یہ روایات مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے متعارض کیوں نہیں ہیں۔ کیونکہ خود آپ نے ایک پورا باب مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر باندھا ہے جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی روایت ہو تو پھر تاویل پر تاویل مگر جب خصائص علی آئیں تو پھر آپ تاویل کو باطل قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔ عجب دوہرا معیار ہے۔ مسئلہ افضلیت کو سمجھنے کے لیے اسی لئے کتاب کے ابتداء میں اصول وضع کر دیئے ہیں تاکہ اس مسئلہ میں کوئی تفضیلی الجھانے کی کوشش نہ کرے۔ آپ کی تمام مذکورہ بالا روایات سے صحابہ کرام کے فضائل تو ثابت ہوتے ہیں مگر افضلیت کسی بھی صورت ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسا اعتراض سعید ممدوح کے اپنے ذہن کی اختراع ہے۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کسی بھی صورت میں ان روایات کے متعارض نہیں ہے۔ شاید سعید ممدوح اور ان کے حواریین کو تعارض کا مطلب نہیں معلوم کیونکہ بعض اوقات تعارض صوری ہوتا ہے اور بعض دفعہ تعارض حقیقی۔ اب یہ تو تعین کر دیں کہ اس مقام پر تعارض صوری ہے یا تعارض حقیقی؟ تب معلوم ہوگا کہ علمی مبلغ کتنا ہے؟ مزید یہ کہ خلفاء اربعہ تو خود سابقین میں شامل تھے۔ یعنی فی الخلافہ۔ (مجمع الزوائد 69131)

اعتراض: سعید ممدوح ص 312 مترجم پر لکھتا ہے:

"پھر یہ اشکال استوی الناس (تمام لوگ برابر تھے) کے الفاظ سے مزید شدید ہو جاتا ہے۔ بھلا کیونکر حضرات ابو عبیدہ، سعد، طلحہ اور بلال رضی اللہ عنہم طلقاء اور مؤلفۃ القلوب قسم کے لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں۔"

جواب: احادیث کے بعض طرق مرجوح اور بعض متن راجح ہوتے ہیں المعجم الکبیر اور دوسری کتابوں میں لفظ "استوی الناس" سے اس حدیث کے تمام طرق کو بالائے طاق رکھ دینا علمی زیادتی ہے۔ بخاری شریف رقم: 3655 اس کی اصح روایت ہے جہاں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ صحیح بخاری رقم: 3696 میں "لا نفاضل بینهم" وغیرہ کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کسی کو افضل نہ کہنے سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ بعد میں اجماع امت بھی اس پر نہیں ہوا ہوگا۔ پھر مزید یہ کہ ایک روایت دوسری روایت کی تشریح بھی کرتی ہے۔ استوی الناس (تمام لوگ برابر تھے) سے مراد دوسرے طرق سے یہ سمجھ آئی ہے کہ اس سے مراد سکوت ہے جیسا کہ احادیث میں سکت کے الفاظ موجود ہیں۔ جناب عالی اگر اہل سنت پر اعتراض کرنے سے فرصت ہو تو دیگر طرق احادیث پر متوجہ بھی ہو جائے شاید کہ آپ کو یہ الفاظ بھی نظر آجاتے۔ عن ابن عمر قال کنا فی زمن نبی ﷺ إذا قیل من خیر الناس بعد رسول الله ﷺ قیل أبوبکر و عمر و عثمان و علی۔ اور یہ روایت بھی نظر آ جاتی۔ عن ابن عمر قال کنا وفینا رسول الله ﷺ نفضل أبابکر و عمر و عثمان و علیا"۔

لہٰذا ان طرق سے واضح ہو گیا کہ استوی الناس (تمام لوگ برابر تھے) سے سعید ممدوح کا اپنا نکتہ نکالنا غلط اور مردود ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر تو اجماع تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل تھے۔ یہ بھی عرض ہے کہ ہماری دلیل بخاری کی اصح روایت رقم: 3655 ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے دیگر طرق جس میں مسند ابی یعلی رقم: 5602 صحیح ابن حبان رقم: 7251 وغیرہ میں نسکت کے الفاظ یعنی خاموش ہو جاتے بھی ثابت ہیں۔ ان الفاظ سے کم از کم یہ معلوم ہوا کہ استوی الناس (تمام لوگ برابر تھے) کا مطلب یہ نکلا کہ وہ اس مسئلہ میں کسی کو کسی پر تفضیل نہ دیتے اور خاموش ہو جاتے تھے اور یہ کہ چپ رہنے اور کسی کو کسی پر تفضیل دینے سے یہ کیسے مطلب نکل آیا کہ تمام صحابہ کرام برابر ہیں۔ لہٰذا

ایک سند کو لے کر اپنا معنیٰ اور مطلب اخذ کرنا اور دوسرے مشہور اور قریب المتواتر طریق کو چھوڑ دینا علمی خیانت ہے۔

اعتراض: شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 314 پر لکھتا ہے کہ:

''یہ قول (حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ) کے موقف کے بھی مخالف ہے کیونکہ انہوں نے باہمی تنازع کے وقت اس کو دلیل کے طور پر نہیں اپنایا تھا۔ مثلاً

۱- سقیفہ بنو ساعدہ میں کسی نے بھی اسے دلیل نہیں بنایا حالانکہ ان میں مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور نہ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتے وقت اس کو دلیل بنایا۔

۲- اور یہ قول اس کے بھی منافی ہے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب شوریٰ میں برابری قرار دی تھی۔

۳- یہ قول مجلس شوریٰ میں واقع ہونے والے تمام امور کے اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی صحابہ کے ساتھ (شہادت فاروقی کے بعد) مشاورت کے بھی منافی ہے بلکہ عبدالرحمن بن عوف نے تو آغاز ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔

۴- یہ قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذاتی موقف کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل خلافت میں رغبت رکھتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ ''پھر وہ ان سے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ امید پر تھے''۔ (فتح الباری 193/13)

۵- اور یہ قول خود ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مجلس شوریٰ میں موقف کے بھی خلاف ہے کیونکہ انہوں نے مجلس شوریٰ میں اس کو حجت نہیں بنایا خصوصاً جبکہ وہ مجلس شوریٰ کے ایک رکن تھے۔

۶- اور یہ قول خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، کی ان تصریحات کے بھی خلاف ہے جو ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں منقول ہیں۔

جواب: سعید ممدوح کے ان بھونڈے اعتراضات کے جوابات ترتیب سے ملاحظہ کریں۔

۱- سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت میں کسی صحابی نے اس کو اس لئے دلیل نہیں بنایا کیونکہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مشاہدات تھے اور یہ کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک نہ تھا جسے صحابہ کرام دلیل کے طور پر پیش کرتے۔ خلافت کے اختلاف کے موقعہ پر صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق قریش کو اپنا خلیفہ بنایا۔ مزید یہ کہ بعض اوقات روایات کا

متن بتانا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اس کا مفہوم ہی اہم ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے قریش کو تو اپنا خلیفہ احادیث نبوی کی روشنی میں بنا دیا مگر میرا سوال یہ ہے کہ انصار اور مہاجرین نے کس بات کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ چنا۔ صحیح بخاری کی صحیح روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیدنا، خیرنا اور احبنا الی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بول کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی اور پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہی الفاظ دہرائے اور بیعت کی اور پھر تمام انصار اور مہاجرین نے اس پر بیعت کی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام انصار اور صحابہ مہاجرین کو آپ کی افضلیت کے بارے میں علم تھا مگر ایک خاص دلیل کی بجائے عمومی دلیل کے تحت سب کو ان کی افضلیت کا معلوم تھا۔ اب اگر ایک شخص میں بہت ساری خصوصیات اور فضیلتیں موجود ہوں تو ایسے مواقع پر فرداً فرداً تمام خصوصیات بیان کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اس سے اخذ شدہ نتیجہ پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے جب سعید ممدوح ایسے اعتراضات کرتا ہے تو کچھ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انصار اور مہاجرین نے ویسے ہی بغیر کسی بات کے سیدنا صدیق اکبر رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ چنا۔ مزید یہ کہ جب صحابہ کرام اتنے اہم مسئلہ پر دلیل سن کر خلافت کا حق دار قریش کو سمجھتے ہیں تو پھر بغیر کسی دلیل کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ کیسے بنا سکتے ہیں۔ ہر صحابی کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا بہت اچھی طرح علم تھا۔ اسی لئے خلافت پر اختلاف تو ہوا مگر سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

۲- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصحاب شوریٰ کا بنانا بھی اس حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت بہتر شخص کو جانتی ہے اور اس معاملہ میں وہ بہترین شخص کو ہی چنے گی۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک مشاہدہ اور تجربہ تھا جبکہ صحابہ کرام اپنی زندگیوں میں خصوصاً شیخین کریمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر ہی گامزن تھے اور شورائیت کا پرچار بھی تو منظور تھا یہ تو ایسا ہی اعتراض ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم پر کوئی اعتراض کرے اور دلیل یہ دے کہ اگر معلوم تھا تو پھر صحابہ کرام سے مشورہ کیوں کرتے تھے۔

۳- مجلس شوریٰ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قول کی کسی بھی

صورت نفی نہیں ہوتی کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تو اپنے مشاہدات اور تجربات کا اظہار کیا کہ ہم صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد بعض طرق میں سکوت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اب جیسے سعید ممدوح نے ہم پر اعتراض کیا کہ مجلس شوریٰ میں اس حدیث سے استدلال نہ کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام اس نص/حدیث کے خلاف تھے تو ہمارا یہ سوال ہے کہ کیا مجلس شوریٰ میں اس حدیث کو پیش نہ کرنا اور اس پر خاموشی اختیار کرنا اس کے صحیح ہونے کو مستلزم نہ ہوگا؟

۴- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خلافت میں رغبت رکھنا تو درست ہے مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ شیخین کریمین افضل نہیں ویسے بھی ہمارا اس معاملہ میں موقف جمہور کے تابع ہے کہ حضرت عثمان سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ مگر اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے لہٰذا اس اثر کو غلط کہنا ویسے بھی مردود ہے۔

۵- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اس روایت کو دلیل نہ بنانا اس کے صحت کے منافی نہیں ہے کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کسی مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطلقاً افضل نہیں کہا بلکہ ان کا بڑا ادب اور فضائل بیان کیا کرتے اور یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ فضائل نقل کرنا افضلیت کو مستلزم نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے استدلات سے اس حدیث کو مشکوک بنانا مردود اور باطل ہے۔ مزید یہ کہ آپ کا سوال آپ پر ہی پھینک دیتے ہیں کہ یہ سکوت تفضیل میں تھا یا کہ خلافت میں؟ ذرا غور کیجئے گا۔ اور اگر مزید تسلی چاہیے تو کتاب السنۃ ابن خلال رقم 572 تا رقم 591 کا مطالعہ کر لیں۔ انشاء اللہ آئندہ کوئی اعتراض نہیں کرینگے۔

قول ابن عمر رضی اللہ عنہ پر یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے اشکال کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ابن عبدالبر کے حوالہ سے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث پر کچھ یوں اعتراض نقل کرتا ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 315 اور ص 316 پر کچھ یوں لکھتا ہے۔

"امام ابن عبدالبر الاستیعاب میں لکھتے ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے

اس قول سے دلیل لی ہے تو ان پر امام یحییٰ بن معین نے اعتراض فرمایا ہے اور ان کی مذمت میں سخت کلام فرمایا ہے کیونکہ اس قول کا قائل اس اجماع کے خلاف ہے جس پر سلفاً اور خلفاً اہل سنت کے تمام فقہاء اور محدثین کرام قائم ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ حضرت عثمان کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ اس میں انہوں نے کبھی اختلاف نہیں کیا۔ ان کا اختلاف فقط سیدنا علی و عثمان رضی اللہ عنہما کے مابین تفضیل میں ہے اور اسلاف کرام نے سیدنا علی اور حضرت ابوبکر کی تفضیل میں بھی اختلاف کیا ہے اور ہم نے جو سب کے اجماع کا ذکر کیا ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول وہم اور غلط ہے۔"

جواب: ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بڑی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں جو کہ اعتراض کی بجائے خود سعید ممدوح کے گلے میں پھنس گئی ہیں۔

1- ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتراض کیا اور سخت الفاظ میں کلام کیا۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے جس قول سے استدلال کیا: "ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم **و یسکتون فتکلم فیھم بکلامٍ غلیظ**۔ (الاستیعاب 213/2) اس قول کو نقل کرنے میں ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ سے میری تحقیق کے مطابق تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ اول تو یہ کہ **فتکلم فیھم بکلامٍ غلیظ** کے الفاظ یحییٰ بن معین کے نہیں بلکہ کسی نچلے طبقہ کے راوی کے ہیں۔ دوم یہ کہ ابن معین سے اپنی کتابوں میں کوئی قول ایسا نقل نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے قدیم ترین اور ثقہ شاگرد عباس الدوری اس سے مختلف الفاظ نقل کرتے ہیں۔ عباس الدوری تاریخ یحییٰ بن معین رقم: 2285 پر لکھتے ہیں:

قلت یحیی: من قال أبوبکر و عمر و عثمان؟ فقال: ھو مُصیب... و من قال أبوبکر و عمر و عثمان وسکت فھو مصیب. قال یحییٰ. و أنا اقول: أبوبکر و عمر و عثمان و علی ھذا مذھبنا و ھذا قولنا.

معلوم ہوا کہ جس نے اس حدیث کی وجہ سے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کہہ کر سکوت کر لیا وہ یحییٰ بن معین کے قول پر مصیب یعنی ثواب پر ہے۔ لہٰذا اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ سے اس کلام کو نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے۔

2- ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بعد بڑی اہم بات بیان کی ہے کہ ”اس قول کا قائل اس اجماع کے خلاف ہے جس پر سلفاً اور خلفاً اہل سنت کے تمام فقہاء اور محدثین کرام قائم ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

قارئین کرام! ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے چند اہم نکات واضح ہوئے ہیں۔

i- اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ سے استدلال کرنے والا اجماع کے خلاف ہے۔

ii- اجماع کن کا ہے؟ اس بارے میں ابن عبدالبر لکھتے ہیں سلفاً اور خلفاً اہل سنت کے تمام فقہاء اور محدثین کرام کا۔

iii- کس بات پر اجماع ہے؟ اس بارے میں ابن عبدالبر لکھتے ہیں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس لئے رد کر رہے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سکوت کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اہل سنت کے تمام فقہاء کرام اور محدثین کرام کا اجماع ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد افضل سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ لہٰذا سکوت کرنا ٹھیک نہیں اور اسی لئے اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ٹھیک نہیں۔

مزید عرض یہ ہے کہ اگر اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے رد کرنا چاہتے ہیں تو پھر جناب عالی ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی تمام باتیں مانیں۔ اگر ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طرف یہاں اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ کا انکار اور رد کیا ہے تو دوسری طرف سلفاً وخلفاً اہل سنت کے تمام فقہاء کرام اور محدثین کرام کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ اس حوالے کے بعد یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ جناب ہمارے خلاف جو حوالہ پیش کیا اس نے تو آپ کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق

سعید ممدوح نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے منافی امام مالک کا قول نقل کیا ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 317 پر امام مالک کا قول نقل کیا ہے:

”میں (امام مالک) نہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہوں اور

نہ ہی دوسروں کو ان پر۔ پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے مدینہ مقدسہ میں اپنے مشائخ کو اسی رائے پر پایا ہے۔" (الاستذکار 242-240)

اس پر ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام مالک کا یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت ابن عمر سے منقول نافع کی یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ امام مالک سب لوگوں سے زیادہ حضرت نافع اور ان کی حدیث کا علم وفہم رکھتے تھے...... اگر ان کے نزدیک ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی نافع کی یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ یہ قول نہ کرتے۔

جواب: سعید ممدوح جو حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی آڑ میں اپنا مقصد پورا کرنا چاہتا ہے وہ اصول کی روشنی میں ثابت کرنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن سی بات ہے کیونکہ امام مالک سے مروی صرف یہ ایک قول ہی نہیں بلکہ بتصریح شیخ محمود سعید ممدوح، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ تفضیل میں 14 اقوال منقول ہیں۔ اور ان 14 اقوال میں سے صرف ایک قول خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کے بعد توقف اختیار کیا ہے۔ (المدارک 2/46)

اور یہ موقف بالکل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے مطابق ہے۔ جناب عالی! امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول کو اس مقام پر نقل کر کے دیگر اقوال کو صرف نظر کر کے یہ کہنا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر صحیح نہیں ہے یہ بالکل علمی خیانت ہے۔ اگر حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ میں یہ قول نہیں ہے تو وہ تو اس سے ماجور ہیں مگر جناب آپ کو تو یہ قول معلوم تھا اور اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص 84 مترجم کے حاشیہ میں آپ نے اس کو نقل بھی کیا۔ مگر اس مقام پر جناب نے اس قول کو چھپا کر ایک بڑے مردود عمل کا مظاہرہ کیا ہے۔

مناسب ہوگا کہ مذہب مالکی میں افضلیت کس کو ہے؟ اس کا تعین کر دیا جائے تاکہ شیخ ممدوح کے تمام اعتراضات رفع ہو سکیں۔

فقہ مالکی کے ایک اہم عالم ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والحق أن أفضل الصحابة أبوبكر رضي الله عنه ثم عمر رضي الله عنه ثم عثمان رضي الله عنه ثم علي رضي الله عنه و قد روى هذا عن مالك رحمة الله عليه و روى عنه أيضاً الوقوف في تفضيل بعضهم على بعض. و روى عنه ايضا تفضيل أبي بكر رضي الله عنه على عمر رضي الله عنه ثم الوقوف عن المفاضلة بين

علی و عثمان رضی اللہ عنہما۔ و الاول الذی یعتمد علیہ من مذھبہ۔

(الذخیرہ ج ۱۳ ص ۲۳۳، البیان والتحصیل ج ۲ ص ۲۲۸)

یعنی حق ہے کہ صحابہ میں افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ امام مالک سے روایت کیا گیا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے درمیان فضیلت دینے میں خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ اور پہلا قول (صحابہ میں افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) پر ہمارے مذہب پر فتویٰ یا اعتبار ہے۔

اس تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ مذہب مالکی میں معتمد علیہ قول خلفاء اربعہ کی ترتیب وار افضلیت کا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی دوسرے اقوال پر مذہب مالکی میں اعتماد نہیں ہے۔ لہٰذا شیخ ممدوح کا یہ حوالہ بھی فضول اور لغو ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 319 پر نمبر 5 کے تحت لکھا ہے۔ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث میں شبہ محسوس کر لیا تھا اور وہ (شبہ) ان کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت، ان کے علم، ان کے جہاد اور ان کی سبقت سے خاموشی ہے اور کبھی کبھار تو وہ سکوت کو بعض فضائل مرتضوی کے مترادف (ہم معنیٰ) سمجھتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے بہتر ہیں پھر ابو بکر پھر عمر اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تین خوبیاں عطا کی گئیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک خوبی مجھے حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ (بیش قیمت) اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی اور ان سے ان کی اولاد ہوئی۔

۲- آپ نے مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کروا دیئے ماسوا ان کے دروازہ کے۔

۳- اور آپ نے خیبر کے روز پرچم انہیں کو عطا فرمایا......

چونکہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہ مشکل المفہوم ہے اس لئے علماء کرام اس کی ایسی توجیہات میں

مشغول ہوئے جو اس کو ظاہری معنیٰ سے حقیقت کی طرف لے گئیں۔ اگر آپ چاہیں تو امام خطابی کی معالم السنن 18/7 اور کرمانی کی شرح بخاری ملاحظہ فرمائیں۔

جواب: سعید ممدوح کے پیش کردہ حوالہ جات خود اس کے لیے وبال جان بن جاتے ہیں۔ آپ ذرا سعید ممدوح کے اعتراضات کی حقیقت بھی ملاحظہ کریں۔

۱- سعید ممدوح اس لئے پریشان ہے کہ اس نے یا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے تمام طرق پر نظر نہیں رکھی اور اگر رکھی ہے تو پھر جان بوجھ کر اس کو چھپا رہا ہے اور دوسری بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے بعض طرق میں خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کا ذکر ہے اور چند طرق میں شیخین کریمین کی افضلیت اور مولا علی رضی اللہ عنہ کے خصائص اور فضائل کا بیان ہے۔ ان تمام طرق کا مطالعہ کر کے یہ واضح ہوتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی فضیلت کے ساتھ ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو مولا علی رضی اللہ عنہ کے خصائص اور فضیلت کا حقیقت میں ادراک تھا لہٰذا ان کی فضیلت کا بھی ذکر کر لیا تاکہ کوئی شخص خلفاء ثلاثہ کے بعد سکوت کرنے سے مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا منکر نہ سمجھ بیٹھے۔ جیسا کہ سعید ممدوح اور ان کے حواریوں نے سمجھا۔

مزید یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بعض طرق میں چاروں خلفاء کا باترتیب ذکر موجود ہے۔ لہٰذا کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہیں بنتی۔ اور اگر شوق ہے تو تاریخ دمشق کی جلد ۳۹ ملاحظہ کرلیں آپ کو ایسی روایات نظر آجائیں گی۔

شیخ محمود سعید ممدوح کا غایۃ التبجیل ص 319 پر یہ لکھنا کہ "خود ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث (خلفاء ثلاثہ کی افضلیت) میں شبہ محسوس کرلیا تھا" ایک عجیب دعویٰ ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر کوئی مرفوع حدیث نہیں بلکہ ان کا اپنا فرمان ہے جو کہ مشاہدے اور تجربے پر مشتمل تھا۔ لہٰذا حدیث کے تمام طرق پر نظر نہ رکھنے والے اکثر اوقات سعید ممدوح کی طرح ٹھوکر کھا بیٹھے ہیں۔ اللہ ہمیں ایسے شر سے محفوظ فرمائے۔

۲- سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے سعید ممدوح نے یہ واویلا مچانا شروع کر دیا کہ سکوت سے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان نہیں کیا۔ تو جناب عرض یہ ہے کہ سکوت یا عدم بیان سے نفی لازم نہیں آئی۔ آپ کے پیش کردہ اثر ابن عمر (جس میں مولا علی رضی اللہ عنہ کے

فضائل موجود ہیں) بحوالہ فتح الباری 15/7 میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مولا علی رضی اللہ عنہ کی صرف 3 فضائل بتائیں ہیں۔

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی سے نکاح 2۔ مسجد کی طرف راستہ کھلنا

3۔ خیبر میں پرچم دینا

اب آپ یہ بتائیں کہ اس اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مولا علی رضی اللہ عنہ کے صرف یہ ہی 3 خصائص تھے باقی کوئی فضیلت نہ تھی تو پھر آپ کیا جواب دیں گے؟

ظاہر ہے کہ آپ اس پر ناصبی ہونے کا فتویٰ لگا دینگے اور اگر پھر اسی تحقیق کو پیش نظر رکھ کر یہ کہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ ہی فضائل صحیح ثابت تھے باقی ان کے نزدیک ثابت نہ تھے تو پھر آپ پر کیا گزرے گی۔ لہٰذا اپنے باطل خیالات اپنے پاس رکھیں اور اہل سنت کے ایک متفقہ عقیدہ کو نہ چھیڑیں۔

علامہ ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق:

اگر یہ مفروض ہو کہ اثر مذکور صحیح طور پر ثابت ہے اور اس کو آیت مذکورہ والذین امنوا واتبعتھم الخ کے ساتھ ملانا فضلیت کی بنا پر ہے۔ جیسا کہ مخالف کو وہم ہوا ہے تو پھر اس اثر کی روشنی میں معنی یہ ہوگا کہ ہر وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت میں سے ہے خواہ فاسق، دائمی شرابی زنا کا مرتکب اور تمام گناہوں کا رسیا کیوں نہ ہو خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہے۔ حالانکہ یہ قول باطل اجماع، صریح نصوص اور بداہت عقل کے خلاف ہے۔

اسی طرح مذکورہ تقریر کے مطابق حضور علیہ السلام کی ذریت کا وہ شخص گنہگار حضرت علی رضی اللہ سے بھی افضل ہوگا۔ پھر اگر ہم کہیں کہ ملحق (جس کو ملایا گیا) ملحق بہ (جس کے ساتھ ملایا گیا ہے) کے درجہ کے مساوی نہیں ہوتا بلکہ اس سے ادنیٰ ہوتا ہے (تو مطلب یہ ہوگا جناب علی بھی ادنی ہوں) کیونکہ تمام ذریت مصطفیٰ تو ملحق بہ ہوگا۔ جیسا کہ سیدہ فاطمہ ملحق بہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ألحقنا بھم ذریتھم سے ظاہر ہے تو حضرت علی ذریت کے ساتھ ملحق ہوں گے لہٰذا ان سب سے ادنیٰ ہونگے۔ اور اگر ہم کہیں کہ ملحق بغیر واسطہ کے ملحق بہ کے مساوی ہوتا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ تمام ذریت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ افضلیت میں مساوی ہیں اور پھر دو قول کہ افضلیت یا مساوی کے ہیں قطعاً باطل ہیں اور یہ

کیسے صحیح ہو سکتے ہیں حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ نے جناب علی کو حضرات حسنین کریمین سے افضل بتایا ہے۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حاکم نے مستدرک میں اور ابن عسا کر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسن وحسین جنت میں جنتی جوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں سے بہتر ہیں۔

گذشتہ تقریر کے مطابق حضرت سیدنا موسیٰ وحضرت سیدنا عیسیٰ اور انبیائے کرام علیہم السلام کی ذریت خلفائے اربعہ سے افضل ہوئی۔ حالانکہ یہ اجماع اور صریح احادیث کے خلاف ہے۔

اسی تقریر پر تمام مومن فضیلت میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ملنے والے ملحق ہو جائیں گے اور رتبہ کے لحاظ سے خلفائے اربعہ کے مساوی قرار پائیں گے کیونکہ سب ذریت آدم ہیں اور ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اور اس قول کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اگر اس اثر سے وہی مراد ہو جو مخالف نے لی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلثہ پر افضل ہیں تو اس کی تردید حضور علیہ السلام کے بعض روایات میں وارد اس فرمان سے ہو جاتی ہے کہ لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان اور پھر جناب علی رضی اللہ عنہم۔ اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول بھی اس کا رد کرتا ہے فرمایا اس امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان اور پھر میں رضی اللہ عنہم۔ ان سب کا تفصیلی ذکر احادیث افضلیت کے بیان میں گزر چکا۔

اس کا رد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ صریح فرمان بھی کرتے ہیں فرمایا جس نے مجھے شیخین پر فضیلیت دی میں اسے مفتری کی سزا دوں گا اور زانی کی حد لگاؤں گا۔ اور اس کی مثل دیگر اقوال بھی کہ بہت پہلے گزر چکے ہیں۔

بالفرض اس اثر کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنت میں حضور علیہ السلام کے درجے میں ہونے کا معنیٰ ظاہر ہے کہ پردے اٹھا دیئے جائیں گے۔ ان کے رہنے کا مقام بھی حضور ﷺ کے ساتھ ہوگا۔ علامہ ابن حجر مکی رحمتہ اللہ نے الصواعق المحرقہ میں مسند احمد کے حوالے سے حدیث مرفوع نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ سے ان حسنین سے اور ان کے والدین سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا۔ پھر حدیث نقل کرنے کے بعد علامہ مذکور نے فرمایا یہاں معیت سے مراد حضور علیہ السلام کے ساتھ رہنا نہیں بلکہ یہ اس

جہت سے ہے کہ وہاں پردے اٹھا دیے جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہے:

مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء والصٰلحین و حسن اولئک رفیقا۔

ترجمہ کنز الایمان: پس یہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا انبیاء صدیقین شہدا اور صالحین میں سے اور یہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔ انتھی۔

لیکن مخفی نہیں کہ اس معنی کو مراد لینے کی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں رفع حجاب (پردوں کا اٹھنا) ان کے محبین کی نسبت زیادہ اتم و اکمل ہوگا۔ فتدبر

اگر ہم تسلیم کرلیں کہ مراد معیت سے حضور علیہ السلام کے ساتھ رہنا ہی ہے تو بھی یہ افضلیت کو تو متلزم نہیں و گرنہ حضور علیہ السلام کی تمام ازواج مطہرات کے روز قیامت حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ ہی کے درجے میں ہونے میں کیا شک ہے۔ لیکن اس کے باوجود خلفائے ثلثہ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) پر ان کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ کہ ایک دن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ فخر کیا اور کہا کہ آپ کی نسبت میں تو نبی مصطفیٰ کے قریب ہوں۔ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگرچہ آپ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کے قریب ہیں لیکن آپ کو حضور علیہ السلام کے جسم کا ٹکڑا ہونے کا شرف حاصل نہیں۔ لہذا آپ میری نسبت حضور سے دور ہوئیں اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن میں جنت میں حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ علیہ السلام کے درجے میں ہوں گی اور آپ کا شمار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے درجے میں ہوگا۔

اگر ہم مان لیں کہ یہاں جنت کی معیت مراد نہیں بلکہ فضلیت و رتبہ کی معیت مراد ہے تو یہ فی نفسہ صحیح ہی نہیں کیونکہ یہ تو اس کو متلزم ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابراھیم و حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے بھی افضل ہوں اس وجہ سے کہ اس صورت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کے ساتھ ملے ہونے کا فضل کامل حاصل ہوگا۔ حالانکہ یہ اجماع کے مخالف ہے۔
(الطریقہ الاحمدیہ حقیقۃ القطع بالا فضلیۃ، قلمی)

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 320 اور ص 321 پر لکھا ہے:

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے خلاف مذہب رکھتے تھے اور وہ افضلیت مرتضوی ر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تصریح فرماتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت عثمان

کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

وہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے غزوہ احد میں پسپائی دکھائی تو اللہ نے انہیں قتل کر ڈالا۔ پھر اس شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ان کے متعلق مت پوچھو! کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ان کا مرتبہ نہیں دیکھا؟

(بحوالہ مصنف 11/232، فضائل صحابہ رقم: 1012، خصائص علی رقم: 106-102/04)

میں کہتا ہوں۔ پھر اجماع کے دعوؤں، رفض کی تہمت اذرا یعنی صحابہ پر عیب لگانے کا الزام اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو موخر ماننے پر اصرار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تفضیل کے قائلین پر فکری دباؤ پر مبنی عبارات وغیرہ کا کیا ٹھکانہ رہا؟

جواب: عرض یہ ہے کہ شیخ محمود سعید ممدوح کا یہ لکھنا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ افضلیت علی المرتضیٰ کے قائل تھے، صراحتاً اور واضح جھوٹ ہے۔ پیش کردہ روایت میں کسی بھی مقام پر افضلیت کا نام و نشان نہیں ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل کو بیان کرنے کو انکی افضلیت کی دلیل بنانا ایک قبیح حرکت ہے۔ اور یہ مذموم حرکت شیخ ممدوح نے اس کتاب میں متعدد مقامات پر کی۔ جو کہ جھوٹ کے مترادف ہے۔

اگر حدیث کی صرف ایک سند پر نظر ہو تو نتیجہ اکثر اوقات غلط ہی نکلتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضیلت کی متعدد مقامات پر مختلف طرق اور متون وارد ہوئے ہیں۔ کسی حدیث میں شیخین کی افضلیت ہے، کسی حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ہے، کسی حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت وارد ہے، کسی روایت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور ان کا دفاع کیا گیا ہے اور کسی روایت میں مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلتیں بیان کیں ہیں۔ یہ تمام احادیث ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ کسی مقام پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کے دفاع سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ وہ مولا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے منکر ہیں اور کسی مقام پر مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلتیں بیان کرنے سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ وہ حضرت عثمان کی افضلیت کے منکر ہیں۔

جناب عالی! ذرا بخاری شریف باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ پڑھ لی ہوتی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مکمل موقف سامنے آجاتا۔

"امام بخاری نے ایک روایت نقل کی کہ اہل مصر سے ایک شخص آیا اس نے کہا! اے ابن عمر! میں آپ سے چند چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ سو آپ مجھے ان کے بارے میں بتائیے! کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں بھاگ گئے تھے! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا! ہاں۔ اس نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ وہ غزوہ بدر میں غائب تھے اور حاضر نہیں ہوئے تھے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا! ہاں۔ اس نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ وہ بیعت رضوان میں غائب تھے اور حاضر نہ تھے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہا: ہاں۔ اس نے کہا اللہ اکبر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آؤ! میں تم کو (ان کی وجہ) بیان کرتا ہوں، رہا ان کا غزوہ احد کے دن بھاگنا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کی مغفرت فرما دی اور رہا ان کا غزوہ بدر میں غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا) ان کے عقد نکاح میں تھیں وہ بیمار تھیں (حضرت عثمان ان کی تیمارداری میں مصروف تھے) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کو بدر میں حاضر ہونے والے شخص کے برابر اجر ملے گا اور مال غنیمت سے حصہ ملے گا اور رہا ان کا بیعت رضوان سے غائب ہونا (تو اس کی وجہ یہ ہے) کہ اگر مکہ والوں کے نزدیک حضرت عثمان سے زیادہ معزز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ اس کو مکہ میں بھیج دیتے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیج دیا اور بیعت رضوان حضرت عثمان کے مکہ جانے کے بعد ہوئی تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا، پس اس ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر مارا اور فرمایا: یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے۔ پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اب ان جوابات کو اپنے ساتھ لے جاؤ"۔

(صحیح بخاری رقم: 3699 باب مناقب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ)

قارئین کرام! اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سوال پوچھنے والے شخص کے سوال جو کہ حضرت عثمان کی تنقیص پر مبنی تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا شدید رد کیا اور ان کے فضائل بھرپور طریقے سے بیان کئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مناقب عثمان رضی اللہ عنہ کے باب میں نقل کیا۔ کیونکہ اس حدیث سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی چند فضیلتیں ظاہر ہوئی ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ کا ان کو معاف کرنا۔

2- غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود جہاد کا اجر ملنا۔

3- جہاد میں شریک نہ ہوئے اور پھر بھی مال غنیمت سے حصہ ملا۔ یہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں ملی۔

4- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دینا اور یہ ایک عظیم الشان فضیلت ہے۔ اگر علماء کرام کو اعتراض نہ ہو تو ایک بات ضرور کرونگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دائیں ہاتھ کہا۔ تو اس فرمان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کا ایک حصہ قرار نہیں پائیں گے؟ اس پر ذرا غور کیجئے گا بڑے فوائد کو شامل ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان کی بہت ساری فضیلتیں ظاہر کیں ہیں۔

نکتہ: اب اس مرحلہ پر سب سے اہم سوال یہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ اس شخص کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنا اس کا یا تو رافضی ہونا اور یا تو خارجی ہونا ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مذاہب کے لوگ صحابہ کرام کی تنقیص کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ظاہر ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں سوال کرنے والا رافضی یا خارجی تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص کے جواب میں دلائل دیئے اور حضرت عثمان کی فضیلت واضح کی۔ بالکل اسی طرح سعید ممدوح کی پیش کردہ اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما بحوالہ المصنف 232/11 فضائل الصحابۃ رقم: 1012 میں بھی کسی شخص نے سوال کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنا اور پھر ساتھ ہی مولا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص یا تو ناصبی تھا یا خارجی تھا اس لئے اس کے موقف کی تردید کے لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل کو بڑے عمدہ طریقے سے بیان کیا۔ اس بات کو صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت بھی ثابت کرتی ہے۔

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نیک اعمال بیان کیے، فرمایا: شاید اس بات سے تمہیں تکلیف ہوئی ہے؟ اس شخص نے کہا: ہاں! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری ناک کو خاک آلود کرے پھر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا، پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے نیک اعمال بیان کیے، فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں سے یہ گھر متوسط گھرانہ ان کا ہے۔ پھر فرمایا: شاید اس بات سے بھی تمہیں تکلیف ہوئی ہے! اس نے کہا: ہاں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ

نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری ناک کو خاک آلود کرے! دفع ہو جا! اور میرے خلاف جو کر سکتا ہے وہ کر۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۷۰۴، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

مزید یہ کہ شیخ محمود سعید ممدوح کی پیش کردہ روایت میں یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما افضلیت مرتضوی بر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے؟ فضائل سے افضلیت ثابت کرنا جہالت ہے کیونکہ فضائل کی جہت جدا ہے اور افضلیت کی جہت جدا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے سے تو مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ کہ افضلیت اور یہ کہ اختلاف افضلیت میں ہے نہ کہ فضیلت میں۔ فضیلت ایک الگ چیز ہے اور افضلیت ایک جدا چیز ہے۔ لہٰذا اس کا فرق ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ مزید یہ کہ حدیث کا مضمون اور سیاق و سباق کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے وگرنہ اس کا حال سعید ممدوح جیسے ہی ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں حق بات کہنے کی ہمت عطا فرمائے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 321 پر لکھا ہے۔

"میں (سعید ممدوح) نے اس حدیث کی توجیہ میں جو سب سے بہترین قول پایا ہے وہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول خلافت کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بعض طرق میں آیا ہے کہ مذکورہ خیریت اور افضلیت کا تعلق خلافت کے ساتھ مقید ہے...... ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا...... یقیناً تم مانتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں کہا کرتے تھے: ابو بکر رضی اللہ عنہ، پھر عمر رضی اللہ عنہ یعنی خلافت میں۔ مزید غایۃ التبجیل ص 322 پر لکھتا ہے۔

ایسا ہی اصل حدیث میں ہے اور اسی طرح عبید اللہ نے از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ...... ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں کہا کرتے تھے۔ اس امر کا زیادہ حقدار کون ہے؟ پھر خود ہی کہتے تھے حضرت ابو بکر پھر عمر رضی اللہ عنہ (فتح الباری 17/7) اس آخری مسلک سے حدیث میں موجود اشکال یقیناً زائل ہو جاتا ہے کہ تقدیم کا تعلق خلافت سے ہے اور اس سے قبل وضاحت آ چکی ہے کہ خلافت کی تقدیم سے تفضیل لازم نہیں آتی۔

جواب: سعید ممدوح کی علمی قابلیت اس مسئلہ پر مزید واضح ہو جاتی ہے۔

1- ایک تو یہ کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ والے اثر (افضلیت امۃ خلفاء ثلاثہ) پہ سعید ممدوح نے غایۃ

التبجیل ص 321 پر تقریباً 7 احتمالات وارد کئے تھے اور خود ہی آخری توجیہ کے بارے میں لکھتا ہے میں نے اس حدیث (ابن عمر رضی اللہ عنہما) کی توجیہ میں جو سب سے بہترین قول پایا ہے وہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول خلافت کے ساتھ خاص ہے"۔ تو معلوم ہوا کہ اول چھ توجیہات اور اعتراضات سب کے سب فضول تھے (یعنی کہ بہتر نہ تھے) جس کی وجہ سے محمود سعید ممدوح کو آخری توجیہ کو بہترین کہا اور ظاہری بات ہے کہ احتمالات اور توجیہ میں بہترین احتمالات یا احتمال کے بعد باقی احتمال خود بخود معدوم اور ضعیف ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا سعید ممدوح جو لکھتا ہے اس کا رد بھی خود ہی کر دیتا ہے۔ عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لیے اس نے یہ طریقہ استعمال کیا ہے۔ لہٰذا عوام الناس ایسے احتمالات اور توجیہات دیکھ کر بالکل نہ گھبرائیں۔

2- دوسرا یہ کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں "یعنی فی الخلافة" (یعنی خلافت میں) کے الفاظ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اپنے الفاظ نہیں بلکہ کسی راوی کا اضافہ ہے۔ مزید یہ کہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر میں "فقیل ھذا فی التفضیل وقیل فی الخلافه" الفاظ نقل کئے ہیں اور یہ بات چھپی ہوئی نہیں کہ قیل کا لفظ صیغہ تمریض اور مجہول کا ہے جو کہ روایت کی کمزوری کو ظاہر کر رہی ہے۔ (ملاحظہ کریں الاستیعاب 156/3)

3- تیسرا یہ کہ ذرا روایات کے متعدد طرق بھی پڑھ لیا کریں، وگرنہ نتائج اخذ کرنے میں ٹھوکر ہی لگے گی۔ امام خلال نے کتاب السنۃ رقم: 578 پر ایک حدیث نقل کی ہے:

ثنا ابو عبدالله، قال ثنا أبوسلمة الخزاعی وشاذان عن عبدالعزیز بن أبی سلمة عن عبیدالله عن نافع عن ابن عمر فی التفضیل یرید أبابکر ثم عمر ثم عثمان۔

اس سند میں تو واضح طور پر فی التفضیل کے الفاظ وارد ہیں۔ یعنی کہ یہ بیان مسئلہ افضلیت میں ہے نہ کہ خلافت میں۔ مزید یہ کہ اہل سنت کے مجتہدین نے خود اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مطلقاً تفضیل مراد لی ہے۔ ذرا کتاب السنۃ ابن خلال رقم: 572 تا 580 بغور مطالعہ کریں جس میں امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال بھی شامل ہیں۔ اپنی عقل و سمجھ کو حرف آخر نہ سمجھیں۔

4- غایة التبجیل ص 321 پر جو روایت "إنکم تعلمون... یعنی فی الخلافة" نقل کی ہے۔ اس کی سند تاریخ دمشق 163/39 پر اور معجم الکبیر رقم: 13181 پر بھی درج

ہے اس کی سند عبد الله بن یسار عن سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے اور اس کے متن میں یعنی فی الخلافۃ راوی کا اضافہ ہے مگر اصح ترین طرق میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔

5- غاية التبجيل ص 322 پر جو روایت " كنا نقول في عهد رسول الله ﷺ من يكون أولى هذا الامر؟ فنقول، أبوبكر، ثم عمر نقل کی ہے۔ اس مذکورہ حدیث سے افضلیت مطلقہ کی نفی کیسے ثابت ہوتی ہے؟ کیا خلافت میں افضل ہونے سے افضلیت مطلقہ کی نفی ہو جاتی ہے؟ بڑی ہی عجیب دلیل ہے کیونکہ افضلیت اور خلافت خاصہ ایک دوسرے کی ضد نہیں ہے۔ کیونکہ خلافت میں افضلیت اس بات کو ثابت نہیں کرتی کہ خلیفہ میں افضلیت مطلقہ کی خاصیت نہیں پائی جا سکتی۔

مزید عرض یہ ہے کہ یہ بات متعدد وجوہات کی بنا پر مسموع نہیں ہے۔

۱- یہ کہ خلیفہ ہونے سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ وہ شخصیت افضل نہ ہو گی۔ خلافت اور افضلیت میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ خلیفہ افضل نہیں ہوتا۔ اکثر تفضیلی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ خلافت اور افضلیت ایک دوسرے کے متلازم نہیں ہیں۔ جناب والا! اس بات سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ خلیفہ افضل نہیں ہو سکتا؟ آپ لوگوں کی یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی خلاف ہے۔

۲- اگر آپ کی توجیح کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر کیا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث قابل قبول ہو گی؟

قال كنا نقول ورسول الله ﷺ حي أفضل هذه الأمة بعد نبيها ﷺ أبوبكر و عمر و عثمان فيسمع ذالك رسول الله ﷺ فلا ينكره.

ترجمہ: یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے افضل اس امت کے بعد اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوبکر و عمر و عثمان ہیں پس یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمع اقدس تک پہنچتی اور حضور انکار نہ فرماتے۔

(المعجم الکبیر من اسمہ عبد اللہ بن عمر، جلد ۱۲، صفحہ ۲۸۵، رقم ۱۳۱۳۲، مجمع الزوائد، جلد ۹، صفحہ ۴۹، رقم الحدیث ۱۴۳۸۵)

پھر تو آپ کی توجیح سے تو یہ ثابت ہو گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلافت پر تو اتفاق تھا مگر مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع اور اتفاق نہ تھا۔ اور یہ بات کسی کو بھی قابل قبول نہ ہو گی۔ اس کا جو بھی جواب ہو گا ہمارا بھی

وہی جواب ہوگا۔

۳- بالفرض اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق خلافت سے ہے۔ پھر اس توجیح کے مطابق تو خلافت شیخین پر نص قائم ہوجاتی ہے۔ لیکن اہل سنت کا تو یہ قول ہے کہ چاروں خلفاء کرام پر نص ظاہری موجود نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کا استدلال اور جواب لغو ہوا۔ اور خلافت کی نص بے کار گئی۔

۴- اور یہ کہ اگر آپ کی بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ جہاں بھی افضلیت کا قول موجود ہے تو اس افضلیت سے مراد خلافت میں افضلیت ہے۔ تو جناب والا! تفضیلی حضرات تو نام نہاد مسئلہ افضلیت پر علماء کرام کے حوالے جو پیش کرتے ہیں کہ مسئلہ افضلیت ظنی ہے۔ یہ اقوال کس کے متعلق ہیں، خلافت کے متعلق یا مطلقاً افضلیت کے متعلق؟

اگر وہ اقوال جن سے آپ احباب مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کی عوام الناس میں کوشش کرتے ہیں۔ ان اقوال کا تعلق خلافت سے ہے تو خلافت ظنی ثابت ہوتی ہے۔ مگر اس پر تو اجماع ہے کہ خلافت خلفاء راشدین قطعی ہے۔ اور اگر آپ کے پیش کردہ اقوال کا تعلق مطلقاً افضلیت مطلقہ کے ساتھ ہے تو پھر آپ کی توجیح (افضلیت کا تعلق خلافت سے ہے) غلط ثابت ہوجاتی ہے۔

۵۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۹ رقم الحدیث: ۱۴۳۸۵ قال كنا نقول ورسول الله ﷺ حي أفضل هذه الأمة بعد نبيها ﷺ أبوبكر وعمر وعثمان فيسمع ذالك رسول الله ﷺ فلا ينكره کے متن کو اگر غور سے ملاحظہ کریں تو اس میں أفضل هذه الامة بعد نبيها ﷺ کے الفاظ واضح موجود ہیں۔ اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر نے رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کے بعد افضل الامت کہا ہے۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کے بعد افضل کہنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق افضلیت مطلقہ کے ساتھ ہے۔ اور اس کا تعلق خلافت میں افضلیت سے بنتا نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی افضلیت خلافت میں نہیں بلکہ مطلقاً افضلیت ہے۔ اور خلفاء ثلاثہ کو نبی کریم ﷺ کے بعد افضل الامت کہا گیا ہے۔

اعتراض: کچھ لوگ مسئلہ افضلیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ مسئلہ افضلیت ایک حیثیت سے نہیں بلکہ اس کا تعلق تو مختلف جہتوں سے ہے۔ یعنی افضلیت میں جہتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اس

سلسلہ میں کچھ اکابرین کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں۔ان حوالوں میں فاتح قادیانیت قبلہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ملا برخوردار ملتانی کی کتاب غوث الاعظم سے پیش کرتے ہیں۔

جواب: اگر مسئلہ افضلیت کا تعلق مختلف جہتوں سے ہے یعنی ایک صحابی کسی خاص چیز میں افضل ہیں اور دوسرے صحابی کسی دوسری چیز میں افضل ہیں۔تو جناب والا! پھر آپ لوگوں پر متعدد سوالات قائم ہوتے ہیں۔

۱۔ آپ لوگ جو عوام الناس میں کبھی علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ، کبھی علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ اور کبھی امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے مسئلہ افضلیت کو ظنی کہا ہے۔تو یہ علماء کرام کس جہت کے بارے میں مسئلہ افضلیت کو ظنی کہتے ہیں؟

۲۔ اگر مسئلہ افضلیت میں مختلف جہتوں کا اعتبار ہوتا ہے تو علماء کرام نے دیگر جہتوں سے دیگر صحابہ کرام کو افضل کہنے کا قول اپنے عقیدے میں کیوں نہیں کیا؟ صرف ایک ہی جہت کا اعتبار کیوں کیا؟ اور کتب عقائد میں درج کیوں کیا؟

۳۔ جن علماء کرام نے افضلیت مطلقہ اور افضلیت جزوی کی تقسیم کی ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہوگی؟

۴۔ کچھ لوگوں نے جو مختلف جہتوں کا اعتبار کر کے حضرت ابو بکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ کا خیر اور حضرت علی المرتضیٰ کو افضل کہا۔علماء کرام اور محدثین کرام نے ایسے اقوال کو برا قول کہ کر رد کر دیا ہے۔

ا۔ امام عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے اقوال کے بارے میں لکھا ہے کہ و ھذا تھافت من القول۔ یعنی کتنا برا اور گراہوا قول ہے۔(شرح التبصرہ ج ۲ ص ۱۳۸)

ب۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و عزاہ الخطابی لقوم، و حکی ھو قولا آخر بتقدیم أبی بکر من جھۃ الصحابۃ و علی من جھۃ القرابۃ۔ قال: و کان مشایخنا یقول: أبو بکر خیر، وعلی افضل۔ قال المصنف:ھذا تھافت فی القول۔

مفہوم: امام خطابی نے حکایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی تقدیم صحابی ہونے کی جہت سے ہے اور حضرت علی المرتضیٰ کی قرابت داری کی جہت سے ہے۔اور کہا کہ بعض مجہول مشائخ نے یہ بھی کہا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خیر ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ افضل

ہیں۔مصنف نے کہا کہ یہ بہت گرا ہوا اور برا قول ہے۔(فتح المغیث جلد ۳ ص ۱۰۶)

۶۔ قبلہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ملا برخوردار ملتانی کی کتاب غوث الاعظم سے پیش کرنا بھی مفید نہیں۔کیونکہ اگر اس حوالہ میں افضلیت میں مختلف جہتوں کا بیان ہے تو قبلہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آخری کتاب تصفیہ مابین سنی وشیعہ میں اس نظریہ کو بیان نہیں کیا گیا۔بلکہ قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب نے تو خلافت مطلقہ کے لیے افضلیت کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

اس مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ افضلیت میں جہتوں کی بحث کرنا صرف اور صرف لوگوں کو الجھانا ہے۔وگرنہ اجماع صرف اور صرف شیخین کی افضلیت پر ہی ہے۔اور ان کی افضلیت مطلقہ پر ہی امت کا تعامل ہے۔

۷۔ مزید یہ کہ شیخ ممدوح کی پیش کردہ روایت کی سند معجم الکبیر رقم: 13391 پر موجود ہے۔اس کے ایک راوی یوسف بن خالد السمتی کو حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کر کے اس کو کذاب کہا ہے۔(مجمع الزوائد رقم 8915 باب الخلفاء الاربعۃ)

۸۔ غاية التبجيل ص 322 پر اس کی متابعت فضائل صحابہ رقم: 63 سے پیش کی گئی ہے مگر اس کتاب کے محقق ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس نے حاشیہ میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہے۔

عبداللہ بن عمر العمری پر علماء کرام کی آراء ملاحظہ کریں۔

عبداللہ بن عمر العمری اور محدثین کرام

i- حافظ ابن حجر نے کہا: ضعیف عابد۔(تقریب التہذیب رقم:3489)

ii- یعقوب بن شیبۃ نے کہا: صدوق ثقه، في الحديث اضطراب۔

(خلاصہ تہذیب الکمال ص207)

iii- امام یحیٰ نے کہا: ضعیف۔(ضعفاء عقیلی)

iv- امام بخاری نے کہا: كان يحيى بن سعيد يضعفه۔

(تاریخ الکبیر 145/5۔ضعفاء صغیر رقم:65)

v- امام ابوحاتم نے کہا: يكتب حديث لا يحتج به۔(الجرح والتعدیل 110/5)

vi- امام نسائی نے کہا: لیس بالقوی۔ (الضعفاء رقم:62)

vii- امام صالح جزرہ نے کہا: لین مختلط الحدیث۔ (تہذیب التہذیب 327/5)

viii- ابن سعد نے کہا: کثیر الحدیث یستضعف۔ (تہذیب 327/5)

ix- امام بخاری نے کہا: ذاھب الحدیث لاأروی شیئاً۔ (تہذیب 328/5)

x- امام احمد حاکم نے کہا: لیس بأقوی عندھم۔ (تہذیب 328/5)

xi- ابوزرعہ نے کہا: کان یزید فی الاسانید ویخالف وکان رجلاً صالحاً۔

(تہذیب 327/5)

xii- ابن المدینی نے کہا: ضعیف۔ (میزان الاعتدال 465/2)

xiii- ابن حبان نے کہا:

حتی غفل عن حفظ الأخبار وجودۃ الحفظ لأثار فوقع منا کیر فی روایۃ حتی فحش خطوہ فاستحق الترك۔ (المجروحین 14/2)

کچھ محدثین کرام نے اس کی توثیق بھی کی ہے مگر اصول کے مطابق یہ راوی ضعیف ہے اور خاص طور پر یہ کہ اس کی روایات میں منکر باتیں آجاتی ہیں۔ لہٰذا ایسی ضعیف سند کی روایات سے آپ ہی استدلال کریں جبکہ اس کے مقابلے میں صحیح بلکہ اصح ترین روایات موجود ہیں۔ اور صحیح کے مقابلہ میں شاذ اور ضعیف حدیث سے استدلال کرنا مردود ہے۔

نکتہ: اہم بات یہ ہے کہ سعید ممدوح خود جس نظریے کو قائم کرنے کے لیے دلائل جمع کرتا ہے۔ آخر میں خود ہی اس نظریے کو مشکوک اور بے بنیاد بھی بنا ڈالتا ہے۔

اسی لئے اس تمام اقوال کے بعد غایۃ التبجیل ص 322 پر خود لکھتا ہے:

لیکن اس مسلک (یعنی تفضیل خلافت میں ہے) کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کو استعمال کیا اور نہ ذکر کیا اور نہ ہی شدید مخاصمت کے باوجود کسی خلیفہ کے انتخاب کے وقت اسے بطور دلیل پیش کیا بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں عبیداللہ بن جراح کو خلیفہ نامزد کرتا پھر میرا رب مجھ سے پوچھتا: تمہیں کس چیز نے اس پر آمادہ کیا؟ تو میں عرض کرتا: یارب میں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ یہ اس امت کا امین ہے......

اور ان روایات کو نقل کرنے کے بعد خود ہی سکوت کر بیٹھا۔ جس سے واضح ہوگیا کہ اس

حدیث کو خلافت میں پیش کرنا جہالت ہے اور ان تاویلات باطلہ سے خود محمود سعید ممدوح کے موقف کو کوئی فائدہ وتقویت نہیں ملی۔لہٰذا معلوم ہوا کہ ایسی تمام روایات اور تاویلات سے محمود سعید ممدوح صرف عوام الناس کو مسئلہ افضلیت میں الجھانے کی کوشش میں لاتا ہے اور ایسی تاویلات عوام الناس کو بہکانے کی خاطر لانا ایک مردود عمل ہے۔

اہم نوٹ: حضرت عبداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کے اس حدیث پر تفضیلیہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس حدیث میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا۔اس اعتراض کے محدثین کرام نے متعدد جوابات دیے ہیں مگر تفضیلیوں کے امام شیخ محمود سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل پر محدثین کرام کی ان تاویلوں کو ماننے سے انکار کیا اور ان پر طعن کیا۔

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ شیخ محمود سعید اگر چند کتابوں پر نظر ڈال لیتا تو اس کو متعدد ایسی روایات مل جاتیں جس میں مولا علی رضی اللہ عنہ کے نام کی واضح تصریح موجود ہے۔

عن ابن عمر قال کنا فی زمن النبی ﷺ إذا قیل من خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ قیل أبوبکر و عمر و عثمان و علی۔

ترجمہ: یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کہا کرتے اس امت میں سب سے خیر و بہتر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ہیں۔(تاریخ دمشق جلد ۳۹ ص ۱۶۳)

ایک اور طریق کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی قول ہے کہ

عن ابن عمر قال کنا و فینا رسول ﷺ نفضل أبابکر و عمر و عثمان و علیا۔

ترجمہ: یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تفضیل دیتے تھے ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کو۔(تاریخ دمشق جلد ۳۰ ص ۳۴۶)

ان مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دیگر طرق میں شیخین کے بعد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام موجود ہے اور اس طرح اس پر اعتراضات لایعنی ہیں۔اور یہ بھی یاد رہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی افضلیت شیخین کی روایت متواتر ہے۔راقم کے علم میں اسکی ۱۰۰ سے زائد سندیں ہیں۔

تفضیل میں قول علی رضی اللہ عنہ پر کلام کا تحقیقی جائزہ

مسئلہ افضلیت پر ایک روایت مولا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا: اے ابو جحیفہ کیا میں تمہیں اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت کے افضل شخص کے متعلق نہ بتلاؤں؟ میں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں فرماتے ہیں: حالانکہ میں کسی کو ان سے افضل نہیں سمجھتا تھا، فرمایا: اس امت میں اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد افضل شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر ہیں اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص ہے اور اس کا نام نہ لیا۔ (مسند احمد 106/1)

شیخ محمود سعید ممدوح نے اس حدیث پر چند ایک علمی اور عقلی استدلال کے ذریعے جواب دینے اور اس میں تاویل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر پچھلے تمام اعتراضات کی طرح وہ ان اعتراضات میں خود پھنس کر رہ گیا ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 325 پر سعید ممدوح لکھتا ہے اس اثر (قول صحابی رضی اللہ عنہ) پر بحث کے دو مقام ہیں۔

(مقام اول: سبب)

ایک جماعت نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی برائی میں تجاوز کیا پھر ایسا تاثر دیا کہ ان کے کلام کا یہ مفہوم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مؤید ہے۔ حالانکہ یہ ان پر بہتان اور قبیح جرم ہے۔ لہٰذا مناسب تھا کہ آغاز ہی میں اس کا سد باب کر دیا جاتا اور چونکہ یہ جماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محب اور انہیں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتی تھی اس لئے اس کی عقیدت کی زد حضرت ابو بکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم تینوں پر پڑتی تھی (وہ یوں کہ شیخین کریمین کی تو انہوں نے براہ راست برائی کی تھی اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اس برائی کا سبب ٹھہرتے تھے) لہٰذا امام عالی رضی اللہ عنہ نے ایک واضح موقف لیتے ہوئے خود پر شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو ترجیح دی اور انہیں مقدم رکھا اور حد سے تجاوز کرنے والوں پر شیخین پر بہتان باندھنے والوں کو وارننگ دی کہ اگر انہوں نے انہیں شیخین پر فضیلت دی تو وہ انہیں وہ سزا دیں گے جو بہتان تراش کو دی جاتی ہے اور چھوٹی سے بڑی سزا کی وارننگ اور دھمکی دینا سد باب کے طور پر تنبیہ کے ادنیٰ سے اعلیٰ درجے کی طرف میلان ہوتا ہے اور اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ واجب بات اس

سے کم پر پوری نہ ہوئی ہوتو وہی سخت طریقہ واجب ہوتا ہے اور مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تحفظ واجب ہے اس لئے کہ اگر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے اور اس کی عام اشاعت کرتے تو مفاضلہ ومقابلہ کی ایسی نامناسب راہ کھل جاتی جو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی برائی کی طرف لے جاتی۔لہٰذا شیخین کے بارے میں تبادلہ خیال میں حد سے بڑھنے والوں کو روکنا واجب تھا اور یہ واجب اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا تھا جب تک انہیں جائز سے نہ روکا جاتا اور وہ افضلیت مرتضوی کا تذکرہ ہے اور شاید یہ فیصلہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے اقضیٰ الصحابۃ ہونے کی طرف لطیف اشارہ کر رہا ہے۔

جواب: سعید ممدوح کا روایات کے طرق پر نظر بہت کم ہے یا پھر جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے۔اصل میں تحقیق تو یہ ہونی چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وہ کونسے لوگ تھے جو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر اعتراضات کرتے اور پروپیگنڈا بھی کرتے کہ شاید مولا علی رضی اللہ عنہ کا بھی عقیدہ شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہی ہے۔راوی کا یہ کہنا کہ 'ان کی یہ جرأت فقط اس لئے ہے کہ ان کا گمان ہے کہ ان کی یہ جرأت آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے موافق ہے"۔یہ ان کا اپنا فہم اور ادراک ہے سعید ممدوح نے اس تلاش اور کوشش کو ترک کر دیا تاکہ اصلیت واضح نہ ہوسکے۔مگر حقیقت چھپانے سے نہیں چھپتی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

منهم عبدالله بن سبا و كان عبدالله اول من اظهر ذلك۔

(لسان المیزان رقم: ۴۲۵۳)

معلوم ہوا کہ ان افراد میں عبداللہ بن سبا موجود تھا۔اور وہ پہلا شخص تھا جس نے شیخین کا مرتبہ گرانے کی کوشش کی اور انکی تنقیص کی۔لہٰذا محمود سعید ممدوح کو ایسی جماعت کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محب قرار دینا بات کو موڑنے کے مترادف ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہوا کہ یہ قول عبداللہ بن سبا کا تھا اور یہ واضح ہوگیا کہ یہ افراد نام نہاد محبان علی رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت تھی جو دراصل یہودیوں اور رافضیوں کا ایک ٹولہ تھا اور جس نے اسلام کی بنیادیں ہلا کر رکھ ڈالیں تھیں۔ یہی لوگ تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا سمجھتے تھے اور صحابہ کرام پر لعن طعن کرتے تھے اور یہ ہی فرقہ سیدنا علی المرتضیٰ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھتا تھا۔اسی لئے مولا علی رضی اللہ عنہ نے متعدد مقامات پر شیخین کریمین کی افضلیت کا اعتراف کیا اور ان کی شان عظیم بیان کی۔اب سوال اور قابل تحقیق بات یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابن سبا کی جماعت کو شیخین کریمین سے افضل کہنے کی وجہ سے حد المفتری

لگائی یا کہ انہیں شیخین کریمین کو برا سمجھنے پر حد لگائی اس میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

۱- سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں شیخین کریمین کو برا یا لعن طعن کرنے کی وجہ سے حد المفتری نہیں لگائی کیونکہ اس روایت میں الفاظ ''حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر ان کے اس حق سے ہٹ کر کر رہے تھے جس کے وہ اسلام میں مستحق تھے'' واضح کر رہے ہیں کہ وہ اس موقعہ پر تنقیص نہیں بلکہ ان کا اصل مرتبہ جو تھا اس سے کم بیان کر رہے تھے اور ان کا یہ درجہ افضل الصحابۃ تھا۔ مزید یہ کہ اگر وہ صحابہ کرام کی برائی کرتے تو راوی اسی وقت شیخین کی فضیلت اور فضائل بیان کرتا جو کہ کسی پر عیاں نہیں تھے مگر راوی حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہ کیا۔

۲- سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے شیخین کریمین کے اتنے فضائل مروی اور آثار مشہور ہیں کہ کسی کو یہ شک و شبہ تک نہ تھا کہ مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کبھی شیخین کی تنقیص کر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ موقف بھی غلط ہے۔

۳- سیدنا علی رضی اللہ عنہ اگر شیخین کی تنقیص کی وجہ سے حد المفتری لگاتے تو پھر اپنے اس فیصلے میں شیخین کی تنقیص کرنے والے کا نام ضرور لیتے کیونکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ قاضی حد لگانے سے پہلے اس کی وجہ ضرور بیان کرتا ہے۔ مولا علی رضی اللہ عنہ تو فصیح انسان تھے۔ انہیں اس طرح کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مزید یہ کہ حد المفتری کی سزا سنا کر اس کی دوسری وجہ بیان کرنا عہدہ قضا کے بھی خلاف ہے۔

۴- کیا سعید ممدوح کو مولا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری کا علم نہیں کہ وہ حد المفتری لگا رہے ہیں وہ اس کی اصل وجہ بنانے سے گریز کریں۔

۵- مزید یہ کہ ایک عجیب سی بات لگتی ہے اگر واقعتاً مولا علی رضی اللہ عنہ کی محب جماعت ہوتی تو پھر اسے مولا علی رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرنا ضروری تھا مگر ایسی سزا دینے سے واضح ہو گیا کہ وہ جماعت محب علی رضی اللہ عنہ کی نہیں تھی۔

۶- حیرانگی کی بات ہے کہ سعید ممدوح نے ص 326 پر لکھا ہے کہ ''اور مقام صحابہ کرام کا تحفظ واجب ہے'' جناب عالی اگر مولا علی رضی اللہ عنہ کو مقام صحابہ کرام کا تحفظ کرنا تھا تو وہ اس سزا کی علت اور وجہ بھی مقام صحابہ کرام کو بناتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا قاضی ہو اور سزا دیتے وقت وجہ دوسری بیان کریں یہ ناممکن سی بات ہے۔

۷- سعید ممدوح ویسے تو حب علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ کرتا ہے مگر مولا علی رضی اللہ عنہ کے مکمل فیصلے کو ماننے

میں تاویل کا راستہ اپناتا ہے۔ ویسے بھی سعید ممدوح کی باطل تاویلات اس کے اپنے موقف پر بھی پورا نہیں اترتیں۔

نکتہ: چند تفضیلی حضرات نے دوران گفتگو یہ نقطہ اٹھایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر حد المفتری کا اعلان کیا جو صحابہ کرام کو برا بھلا کہتے اور مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہتے (یعنی تنقیص صحابہ کے ساتھ مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضلیت دیتے) ان پر یہ فتویٰ نہیں لگتا جو صحابہ کرام کی عزت کریں اور مولا علی رضی اللہ عنہ کو تفضیل دیں۔

مگر عرض یہ ہے کہ یہ تاویل تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان تو اس بات کو واضح کررہا ہے کہ حد المفتری کی سزا کی وجہ افضلیت ہے نہ کہ تنقیص صحابہ کرام رحمۃ اللہ علیہ۔

8- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تفضیل شیخین کا بیان متعدد مقامات اور متعدد لوگوں کے سامنے تھا۔ بہت ساری روایات میں مولا علی رضی اللہ عنہ مطلقاً شیخین کریمین کی افضلیت کے بارے میں بیان کرتے ہیں اور اپنے منبر پر اس کا اعلان کرتے ہیں۔

اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ سعید ممدوح کی تاویلات باطل اور مردود ہیں۔

اعتراض: سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 326 پر مقام ثانی کے عنوان سے لکھتا ہے۔

کسی کی قطعی افضلیت اور اس قطعیت کی شہرت صحابہ کرام اور تابعین میں سے امام علی رضی اللہ عنہ کے کبار ساتھیوں کے نزدیک مقرر معلوم نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا جن میں ان کے فرزند حضرت محمد ابن حنفیہ بھی شامل ہیں۔ اگر یہ بات صحابہ و تابعین کے نزدیک روشن، قطعی، واضح اور اجماعی ہوئی درانحالیکہ ان میں علماء وفقہا بھی تھے اور وہ اس مسئلہ میں متاخرین کی طرح مخاصمت کا شکار بھی ہوتے تو وہ اس سوال کے محتاج نہ ہوتے اور نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ از خود اس مسئلہ کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس فرماتے۔

جواب: سعید ممدوح کا یہ اعتراض بھی غلط ہے۔

۱- ایک جماعت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کرنا (بابت افضلیت) اس بات کو متلزم نہیں کہ وہ لوگ ان کو جانتے نہیں تھے۔ بعض اوقات انسان کسی سے سوال دوسرے کو جواب دینے کی خاطر پوچھتا ہے۔ کبار تابعین جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے انہیں یہ معلوم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سبائی اور رافضی لوگ بھی محب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے

دلوں میں شیخین کریمین کا صحیح مقام واضح نہیں یا وہ ان پر الزام تراشی کرتے ہیں۔ اگر ان جید صحابہ کرام کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضلیت کا سوال کرنے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان کے نزدیک یہ مسئلہ معروف نہ تھا تو جناب عالی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شیخین کریمین کے خصائص بیان کرنے سے کیا آپ یہ مطلب نکالیں گے کہ ان صحابہ و تابعین کے دور میں صحابہ کرام کی فضیلت مشہور و معروف نہ تھی اس لئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرنا پڑا۔ جناب عالی آپ کا یہ مدعا اور دعویٰ حقیقت سے دور اور غلط ہے۔

۲- اگر صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضلیت کا سوال کر رہے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس سوال کے ذریعے سبائیوں کو مولا علی رضی اللہ عنہ کی زبانی ارشاد سنانے کی کوشش کر رہے تھے کیونکہ سبائی فرقہ کا دعویٰ تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چاہنے والے تھے۔ لہٰذا صحابہ تابعین نے سوال کے ذریعے یہ واضح کر دیا کہ اے سبائی فرقہ! اگر تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ماننے والے ہو تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا ارشاد بھی انہی کی زبانی سن لو اور یہی مقصد ابن حنفیہ کا بھی تھا۔

۳- بر سبیل تنزل یہ مان بھی لیا جائے کہ ایک جماعت یا محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کو مسئلہ افضلیت شیخین کی شہرت معلوم نہ تھی تو اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ ان کے نہ جاننے سے نفی ہو جائے۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔ صحابہ میں سے کوئی ایک میرے علم میں ایسا نہیں جس سے خاص چیزوں کا علم رہ نہ گیا ہو۔ وہ چیزیں دوسرے اشخاص سے فرداً فرداً منقول ہوتی ہیں جنہیں دوسرے حضرات نے محفوظ کر لیا ہوتا ہے اور ان سے بعد والے گھروں سے اس کا زیادہ امکان ہے۔ تمام چیزوں کا احاطہ اور گھیراؤ کسی شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔

(الاستذکار 188/1-36/11)

۴- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ کو بیان کرنا اس لئے نہ تھا کہ صحابہ کرام اور تابعین کو معلوم نہ تھا بلکہ ان کا بیان کرنا ان لوگوں کے لیے تھا جو کہ روپ بدل کر حب علی کا نعرہ لگا رہے تھے۔ جناب والا جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ، صحابہ کرام خصوصاً شیخین کریمین کے خصائص بتائیں تو اس سے کیا یہ لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اور تابعین کے نزدیک یہ مسئلہ روشن، قطعی اور واضح نہ تھا۔ اللہ ایسی باطل تاویلات سے محفوظ فرمائے۔ آمین

اعتراض: سعید ممدوح ص 327 غاية التبجيل پر لکھتا ہے:

''یہ اثر اس بات کی تصریح ہے کہ بعض وہ صحابہ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں تھے، وہ انہیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے تھے۔ لہٰذا اس سے اور اس جیسے دوسرے آثار سے اجماع کے دعوے مخدوش ہو گئے۔''

جواب: ۱- جناب والا وہ کون سے صحابہ کرام ہیں جو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مطلقاً افضل ہونے کے قائل ہیں۔ کوئی صحیح سند سے افضلیت کلی یا مطلقاً ثابت کریں۔

۲- چند صحابہ کرام کے فضیلت کے اقوال جن سے آپ استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے بارے میں یہ واضح کریں کہ وہ شیخین کی زندگی کے اقوال ہیں یا ان کی حیات کے بعد کے ہیں۔

۳- جن صحابہ کرام سے جزوی فضیلت کے اقوال مروی ہیں ان میں اکثر اقوال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کے دوران وارد شدہ ہیں جو کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں بیان کیے جو کہ برحق اور سچ ہیں مگر ان اقوال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ شیخین کریمین کے مقابلے میں ہیں۔

۴- اگر کوئی قول بر سبیل تنزل ایسا مل جائے کہ جس میں یہ موجود ہو کہ وہ باقی صحابہ کرام سے افضل ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ باقی صحابہ کرام سے مراد کیا ہے؟ باقی صحابہ کرام سے مراد ان کی زندگی میں موجود صحابہ کرام یا تمام کے تمام صحابہ کرام؟ اس کا جواب دینا تو ضروری ہے وگرنہ آپ اس مسئلہ میں الجھے ہی رہیں گے۔

۵- غرض یہ ہے کہ اجماع سے پہلے کا اختلاف اور اجماع کے بعد کا اختلاف بھی اجماع کو نہیں توڑ سکتا اور ایسے تمام اعتراضات فضول ہیں۔

اعتراض: غاية التبجيل ص 327 پر لکھا ہے۔

صحابہ کرام خصوصاً کبار صحابہ رضی اللہ عنہم خوف، ڈر، تقویٰ اور رہبت والے تھے اور جس کا یہ حال ہو وہ بلا ضرورت اپنی فضیلت یا افضلیت بیان نہیں کیا کرتا۔

جواب: ہم آپ کی اس بات سے متفق ہیں مگر اس سے نتیجہ یہ نکالنا کہ اپنی فضیلت یا افضلیت بیان نہ کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا بھی افضل یا صاحب فضیلت نہ ہو بالکل غلط اور مردود

ہے۔ جہاں ضرورت نہ ہو اس جگہ بیان نہیں کیا جاتا مگر جہاں ضرورت ہو اور وہاں بیان نہ کیا جائے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ ذرا تاریخ اور حدیث کا مطالعہ کریں ہر مقام پر دوسروں کے مقابلے میں مختلف صحابہ کرام نے اپنے فضائل اور اہمیت کھل کر بیان کئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیخین کو فضیلت دینا ایک اہم سوال ہے؟ جناب صرف شیخین کریمین کے الفاظ ہی کیوں؟ یہ دونوں شخصیات ہی کیوں؟ دیگر جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تو موجود تھے۔ جناب عالی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خصوصاً ان دو شخصیات کی تفصیل بیان کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ جسے آپ بالکل تاویلات کے ذریعے ہضم کر جائیں۔ جناب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ترتیب سے نام لینا اور ان سے خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد افضل شخص کا پوچھنا پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد افضل ترین شخص کا پوچھنا اس بات کی تصریح ہے کہ ان کا یہ قول کسر نفسی یا عاجزی کے طور پر نہ تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا اور پھر یہ کیسے کسر نفسی ہے کہ خود اس کے منکر کو حد مفتری یعنی 80 کوڑوں کی سزا بھی سنائیں۔ عجب تضاد کی وادی میں گھوم رہا ہے محمود سعید ممدوح۔

اگر بالفرض مان لیں کہ اس قول کے لیے وہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس گیا ہوگا۔ مگر جب امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اس پر جواب دیا تو پھر حکیم بن جبیر، امام باقر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں گیا؟ کیونکہ شیعیہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں تو پھر حکیم بن جبیر اتنی حیرت کا اظہار کیوں کر رہا ہے۔

اس سند میں ایک راوی حکیم بن جبیر شیعی پر محدثین کرام جرح ملاحظہ کریں۔

حکیم بن جبیر الکوفی اور محدثین کرام کی جرح

1- علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متروك، ضعفه جمهور۔ (مجمع الزوائد رقم: 8149،14677)

2- امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ضعيف الحديث۔ (مضطرب العلل ومعرفۃ الرجال: 798)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے مقام پر کہا ہے:

ضعيف الحديث، مضطرب، وهو رافضي۔ (ضعفاء للعقیلی، رقم: ۳۸۹)

۳- امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: كوفي يترك۔ (سوالات البرقانی، رقم: 100)

۴- امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے کہا: وله احاديث منكرة۔ (شرح علل الترمذی 205/1)

۵- امام جوزجانی نے کہا: کذاب۔ (احوال الرجال رقم:21)

۶- امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لا استحل ان راوی۔ (الضعفاء والمتروکین، رقم:974)

۷- امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ضعیف۔ (الضعفائ، رقم:129)

۸- علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متروك۔ (الکاشف رقم:1197)

۹- ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

کان غالیاً فی التشیع کثیر الوھم فیما یروی۔

ترجمہ: غالی شیعہ تھا، اپنی مرویات میں بہ کثرت وہم کا شکار ہوتا۔ (المجروحین 246/1)

10- حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فیہ رفض۔ (المغنی فی الضعفاء، رقم:1685)

11- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ضعیف رمی بالتشیع۔ (تقریب التھذیب، رقم:1468)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: متروك۔ (مختصر زوائد مسند البزار ج ۲ ص ۶۱۱)

حافظ ابن حجر نے ایک اہم مقام پر کہا:

قلت: بل ھو شبه الموضوع، عبداللہ بن بکیر (الغنوی) و شیخه (حکیم بن جبیر) ضعفان۔ (اتحاف المھرۃ ج ۱۱ ص ۳۳۱)

12- امام جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کذاب۔ (میزان الاعتدال رقم:2215)

13- ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

لیس بشئ لا یکتب الحدیث، کان یتکلم فی عثمان۔

(تاریخ اسماء الاصغفاء والکذابین، رقم:151)

ترجمہ: یعنی یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔

14- امام ابوعبداللہ النیساپوری نے کہا: الغلوہ فی التشیع۔ (اکمال علی تھذیب الکمال، رقم:1310)

15- امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ضعیف الحدیث غال فی التشیع۔

ترجمہ: یعنی ضعیف اور تشیع میں غلو کرنے والا تھا۔ (اکمال علی تہذیب الکمال رقم:1310)

16- ابوالعرب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ضعیف۔ (اکمال علی تہذیب الکمال، رقم:1310)

17- ابن الجارود نے کہا: ضعیف۔ (اکمال علی تہذیب الکمال، رقم:1310)

18- امام ابوالحاکم الکبیر نے کہا: فی الحدیث شیئی یسیرو والغالب فی الکوفین التشیع۔ (اکمال علی تہذیب الکمال رقم:1310)

19- امام ساجی نے کہا: غیر ثبت فی الحدیث فیه ضعف۔ (اکمال علی تہذیب الکمال رقم:1310)

20- امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لیس بالقوی۔ (معرفۃ السنن والاثار، رقم:۱۳۳۳۲)

21- حافظ قیسرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لا شیئی۔ (تذکرۃ الحفاظ، رقم:۸۳۲)

22- امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حکیم بن جبیر ضعیف۔ (فیض القدیر، رقم:۲۶۷۶)

23۔ ابن ترکمانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فی سندہ حکیم بن جبیر، قال أحمد ضعیف، منکر الحدیث۔ (الجواہر النقی ج اص ۴۳۶)

24- امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لیس بشئی۔ (تاریخ الدوری، رقم:۱۳۶۳)

25- امام حاکم نے کہا: یغلوہ فی التشیع، ترکوہ۔ (مستدرک الحاکم، رقم الحدیث:۲۰۵۹)

26- امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حکیم بن جبیر ضعیف۔ (مختصر زوائد مسند البزار، رقم الحدیث:۱۳۳۱)

27- امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ضعیف الحدیث، منکر الحدیث له رأی غیر محمود۔ نسأل الله السلامة۔ (الجرح والتعدیل ج ۳ص ۲۰۲)

ترجمہ: ضعیف اور منکر الحدیث ہے، اس کی رائے اچھی نہیں تھی۔ (شیعہ تھا) اللہ تعالیٰ سے ہم سلامتی کے خواستگار ہیں۔

28- امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر کہا: ضعیف غال فی التشیع۔ ضعیف اور تشیع میں غلو کرنے والا ہے۔ (علل الحدیث، رقم:۱۵۵۳)

29- ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فانه قلیل الحدیث وله أحادیث منکرة۔ (شرح علل ترمذی ج اص ۲۰۵)

30- امام ابن الهادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجروح۔ (تنقیح التحقیق، رقم الحدیث:۱۱۱۴)

31- امام طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متروك الحدیث۔ (ذخیرۃ الحفاظ، رقم:۱۹۶۸)

32- حافظ عراق الکنانی نے کہا: حکیم بن جبیر ضعفوه، متهم بالرفض۔

(تنزیۃ الشریعۃ، رقم:۱۰۵ ج ا ص ۲۰۵)

33- حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متروك الحديث۔ (التمھید ج ۴ ص ۱۰۲)

34- امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ضعيف۔ (شرح الزرقانی ج ۴ ص ۵۴۸)

35- علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حكيم بن جبير و هو ضعيف۔

(عمدۃ القاری ج ۲۹ ص ۵۴، باب سورۃ قل أعوذ برب الناس)

36- امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ حکیم بن جبیر سے روایت کیوں نہیں لیتے؟ اُنھوں نے کہا: میں آگ سے ڈرتا ہوں، مجھے ان سے بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈر آتا ہے۔

(التاریخ الاوسط للبخاری: ج ۳ ص ۳۱۲، فقرہ: ۴۹۱، الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۲۰۱)

امام ابوزرعہ الرازی نے کہا: محله الصدق إن شاء الله۔ (الجرح وتعدیل ج ۳ ص ۲۰۲)

37- مگر بعد ازاں امام الرازی حکیم بن جبیر کو ضعیف قرار دیا۔ (الضعفاء ج ۲ ص ۶۱۲)

38- امام ابن مہدی حکیم بن جبیر سے روایت نہیں لیتے تھے۔ (تاریخ الاوسط ج ۳ ص ۶۳۵)

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ حکیم بن جبیر ضعیف، مضطرب، متروک، شیعہ اور رافضی راوی ہے جس کی روایت کسی بھی اصول کے تحت قابل قبول نہیں ہوتی۔ اور شیخ محمود سعید ممدوح ایسے راویوں کی روایت سے اپنا مطلب نکالنے چلے ہیں۔ اس روش کے تحت بعض اسماء الرجال سے نابلد لوگ لوگوں کی محفلوں میں اسی روایت کو پیش کر کے اپنا مطلب نکالنے کے سعی لا حاصل کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن بکیر الغنوی اور محدثین کرام کی جرح

اس سند میں دوسرا راوی عبد اللہ بن بکیر الغنوی ہے۔ اس کے بارے میں محدثین کی آراء ملاحظہ کریں۔

۱- ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عتيق الشيعة۔ (میزان الاعتدال رقم: 4233)

۲- امام ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: من اهل الصدق وليس بقوى۔ (میزان الاعتدال رقم: 4233)

۳- بن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مناكير۔ (مختصر الکامل ابن عدی رقم: ۱۰۸۵)

۴- امام بزار رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: كوفي يتشيع۔ (کشف الاستار عن الزوائد البزار، رقم: ۱۷۳۸)

۵- علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: منكر الحديث۔ (دیوان الضعفائ، رقم: ۲۱۳۴)

۶۔ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وھو ضعیف۔ (مجمع الزوائد، رقم الحدیث: ۹۵۲۹)

۷۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: عبد اللہ بن بکیر و شیخہ ضعیفان۔

(اتحاف المھرۃ، ج۱۱ص ۳۳۹)

عبد اللہ بن بکیر کو یحییٰ بن معین نے لا باس بہ اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں درج کیا ہے مگر جمہور محدثین کے نزدیک عبد اللہ بن بکیر الغنوی ضعیف اور شیعہ راوی ہے۔

اس حدیث کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ حکیم بن جبیر اور عبد اللہ بن بکیر الغنوی شیعہ اور ضعیف راوی ہیں۔

اعتراض: محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۳۳۳ [مترجم] پر لکھتا ہے۔

حکیم بن جبیر ضعیف راوی ہے لیکن علماء کرام تفسیر میں ضعیف راوی کی روایت قبول کرنے پر متفق ہیں تو پھر آثار کی شرح کا کیا حکم ہوگا؟ بلکہ وہ آثار کی روایت میں بھی تجاوز کرتے ہیں۔ یہ تمام بحث التعریف کے مقدمے میں تفصیلاً مذکور ہے اور جو چیز اس اثر کی صحت پر دلالت کرتی ہے وہ اس کا مرفوع حدیث کے معنیٰ میں ہونا ہے۔ بے شک حضرت ہارون، حضرت موسیٰ کے بعد لوگوں میں افضل تھے تو واجب ہے کہ اسی طرح سیدنا علی المرتضیٰ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دلالۃ المطابقہ کی رو سے سب لوگوں سے افضل ہوں۔

جواب: شیخ محمود کا مذکورہ بالا بیان کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ حکیم بن جبیر خالی ضعیف نہیں بلکہ متروک، کذاب اور شیعہ راوی ہے۔ عرض یہ ہے کہ اگر کسی حدیث یا روایت میں کوئی ثقہ راوی ہو مگر شیعہ ہو اور راویت اپنے عقیدے کے مطابق بیان کرے تو وہ قابل قبول نہیں بلکہ رد اور مردود ہو جائے گی اس روایت میں تو ضعیف ہونے کے علاوہ حکیم بن جبیر متروک، غالی تشیع اور رافضی ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کی روایت کی تشریح جو کہ شیعوں کے عقیدے (کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں) کو تقویت دیتی ہے جو کہ ہر حال میں مردود اور قابل رد ہے۔ لہٰذا ایسے رافضی اور متروک راویوں کی روایت آپ کو ہی مبارک ہو۔ اور یہ کہ متروک راوی کی روایت تو تشریح میں بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔

مزید یہ کہ امام زین العابدین کا اپنا عقیدہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما کا ہے۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات انکے عقیدہ تفضیل شیخین کے بارے میں ملاحظہ کریں۔

۱۔ امام ابن السمان کتاب الموافقہ میں فرماتے ھیں کہ امام زین العابدین جناب سید الشہداء خاتم آل عبا سبط رسول الثقلین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم سے اور انہوں نے حضرت علی کرم اللہ

وجہہ الکریم سے روایت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے بعد کسی ایسے شخص پر سورج نہ طلوع ہوا نہ غروب جو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر ھو۔

(تفسیر عزیزی، تفسیر سورۃ اللیل جلد ۳ صفحہ ۴۰۴)

۲- قال (یحیی بن سعید الانصاری): من أدرکت من أصحاب النبی ﷺ و التابعین لم یختلفوا فی أبی بکر و عمر و فضلهما، إنما کان الاختلاف فی علی و عثمان۔ (شرح اصول الاعتقاد، رقم: ۲۶۰۹)

ترجمہ: یعنی میں (یحییٰ بن سعید الانصاری) نے جن صحابہ کرام کو پایا وہ اختلاف نہیں کرتے تھے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں اور اختلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں اختلاف تھا۔

یحییٰ بن سعید الانصاری کے شیوخ میں امام زین العابدین، علی بن الحسین الہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے۔ (تہذیب الکمال، رقم: ۶۸۳۶)

لہٰذا صحیح روایات کے مقابلہ میں مجروح روایت کا سہارا لے کر اپنا مطلب نکالنا مردود عمل ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سعید ممدوح کی تمام تاویلات اور اعتراضات باطل اور غلط ہیں۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 328 پر ہے:

اپنی ذات سے افضلیت کی نفی میں سیدنا علی منفرد نہیں۔ دوسرے حضرات ان پر سبقت کر چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کے عظیم اجتماع میں اپنی ذات سے افضلیت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔

جواب: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کہ ''میں تم سے بہتر نہیں ہوں'' سے استدلال کر کے افضلیت کے منافی سمجھنا غلط ہے ہم پہلے اس بات کو ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود ایک معترض کے جواب میں اپنی فضیلتیں اور اس منصب کے اہل ہونے کے دلائل دیئے ہیں۔ تفصیل پچھلے صفحات میں ملاحظہ کریں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شیخین کریمین کی فضیلت کا اقرار اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تمام صحابہ کرام سے بہتر نہ ہونے کا قول کسی بھی طرح ایک جہت اور ایک وجہ نہیں رکھتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خصوصاً نبی کریم ﷺ سے افضل ہونے کا سوال کرنا ایک شرعی سوال تھا۔ دوسرا تقابل میں سوال کرنے

اور مطلقاً خود کے بارے میں رائے رکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متعدد مقامات پر افضلیت شیخین پر محبین کو شیخین کی افضلیت کا درس دیا۔ اب درس اور سوالات کے جواب کو کسر نفسی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے جبکہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے عہدہ کے لیے اپنی ذات کی نفی کی۔ کیونکہ عہدہ قبول کرنے میں ہمیشہ سے سلف صالحین جھجکتے ہی رہے ہیں۔ خود سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بارے میں جو ارشاد فرمایا کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ مگر جہاں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور اہلیت پر اعتراض اٹھا وہاں انہوں نے بڑے ہی پرزور طریقے سے اپنے فضائل بیان کئے۔ لہٰذا سعید ممدوح کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین سے افضل کہنے کو کسر نفسی پر محمول کرنا غلط ہے۔

مزید یہ کہ حدیث کا متن اور شواہد یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخین کریمین کی افضلیت حقیقت کے اظہار کے لیے بیان کی۔ اگر ایسا ہی تھا پھر وہ تمام صحابہ کو اپنے آپ سے افضل کہتے جیسے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو اپنے سے خیر بہتر کہا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ سعید ممدوح کے احتمالات کی کوئی علمی و تحقیقی حیثیت نہیں ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 331 پر لکھا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد "تواضع و عاجزی تھا" کی تائید اس سے بھی ہوئی ہے جو بلاذری نے ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ جب شام تشریف لے گئے تو کثیر عزہ نے ان کے سامنے یہ اشعار عرض کئے:

"اے ہدایت یافتہ کے مہدی فرزند آپ نے ہمیں ہدایت دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ سب سے بہتر ہستی کے فرزند ہیں۔ آپ حق کے امام ہیں، ہمیں شک نہیں، اے ابن علی تشریف لائیے، علی کی مثل نہیں۔" (الانساب الاشراف)

حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کثیر عزہ کے قول کو برقرار رکھا، اگر وہ سمجھتے کہ ان کے والد کا قول اپنے ظاہر پر ہے تو وہ کثیر عزہ کے قول کو برقرار نہ رکھتے۔

جواب: آپ کے پیش کردہ حوالہ انساب الاشراف 1406/3 میں یہ قول بلا سند ہے۔ جب تک کوئی قول سند سے منقول نہ ہو اسے حجت بنانا اور اس پر کلام کرنا مردود عمل ہے۔ لہٰذا ایسے اقوال آپ کو ہی منظور ہوں۔ بغیر سند کے اقوال پر تبصرہ صرف سند ثابت کرنے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

لہذا بغیر سندوں کے اقوال نقل کرنا جہال کا طریقہ ہے۔ مزید یہ کہ اس کلام میں شیخین کریمین بداہت عقلی سے مستثنیٰ ہیں۔

اثر مرتضوی پر امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی تقریر کا تحقیقی جائزہ

غاية التبجيل ص 332 پر سعید ممدوح لکھتا ہے۔

ہم اثر مرتضوی (حد المفتری) پر اپنی بحث کا اختتام سید التابعین اور امام اہل بیت کرام امام علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے بیان پر کر رہے ہیں تا کہ اس کا اختتام مشک پر ہو۔ جب میں مذکورۃ الصدر بحث لکھ چکا تو اس کے بعد میں امام علی بن حسین اور ان کے فرزند امام باقر رضی اللہ عنہ کے کلام پر مطلع ہوا جو کہ اہل انصاف کے نزدیک خالص حجت اور گذشتہ بحث کی تائید کرنے والا ہے۔ حکیم بن جبیر از شعبی از ابو جحیفہ نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

''ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ شروع کر دیا تو ہم نے پوچھا ان میں سے افضل کون تھا؟ فرمایا: اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت کا افضل شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر عمر ہے۔ اگر میں چاہوں تو ایک اور شخص کا نام بھی لے سکتا ہوں۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں ہم نے سمجھا وہ شخص آپ خود ہیں۔ حکیم فرماتے ہیں: میں نے علی بن حسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین رضی اللہ عنہ) سے یہ بات کہی تو انہوں نے اپنا ہاتھ میری ران پر مارا اور فرمایا: سعید بن مسیب موجود ہیں انہوں نے سعد بن مالک رضی اللہ عنہ (ابو وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا: انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہوئے سنا تمہاری منزلت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک بجز اس کے کہ میرے بعد نبی نہیں ہوگا تو کونسا شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام؟ حکیم فرماتے ہیں پس وہ مجھ پر غالب آگئے مجھے کچھ نہ سوجھا کہ میں کیا کہوں، پھر میں ابو جعفر (امام محمد الباقر بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں یہ بات عرض کی تو انہوں نے فرمایا تم سچ کہتے ہو یہ حدیث ہے لیکن ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے آپ پر فضیلت دیتا ہے حالانکہ حقیقت میں مکرم اور افضل وہی ہوتا ہے۔

(معجم الشیوخ لابن الاعرابی رقم: 487)

پھر سعید ممدوح لکھتا ہے حکیم بن جبیر شیعی ہیں اور ان میں کلام ہے لیکن علماء کرام تفسیر میں ضعیف راوی کی روایت قبول کرنے پر متفق ہیں تو پھر آثار کی شرح کا کیا حکم ہوگا؟ بلکہ وہ آثار کی روایت میں تجاوز کرتے ہیں۔ پھر شیخ سعید ممدوح اپنی کتاب کے 334 پر لکھتا ہے۔ بے شک حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ کے بعد لوگوں میں افضل تھے تو واجب ہے کہ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دلالۃ المطابقۃ کی رو سے سب لوگوں سے افضل ہوں۔

جواب: عرض یہ ہے کہ سعید ممدوح کی پیش کردہ روایت اور اس کی تشریح گھڑی ہوئی لگتی ہے۔ اول تو خود امام زین العابدین سے افضلیت شیخین کا عقیدہ ثابت ہے۔

دوم اس کا راوی حکیم بن جبیر شیعہ راوی ہے جب شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ سمجھتے ہیں تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول (شیخین کی افضلیت کے متعلق) کو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرنے کا کیا مقصد؟ کیا یہ ایسا عقیدہ تھا کہ جو کسی دوسرے شیعہ کو معلوم نہ ہو؟ حالانکہ شیخ ممدوح کا تو دعویٰ یہ ہے کہ تمام شیعہ کا عقیدہ تفضیل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جناب والا! اس روایت کا متن ہی اسکے جھوٹ اور من گھڑت ہونے پر دلیل ہے۔

حکیم بن جبیر نے اس قول کی نہ تو شرح بیان کی ہے اور نہ ہی اسکی تفسیر بیان کی ہے۔ شیخ ممدوح کا اسکی تشریح اور شرح کو حکیم بن جبیر کی طرف منسوب کرنا علمی خیانت ہے۔ کیونکہ اس روایت میں تشریح نہیں بلکہ متن میں زیادتی ہے۔ اور اصول حدیث میں یہ بات واضح موجود ہے کہ ثقہ کی زیادتی اپنے سے زیادہ ثقہ سے قابل قبول نہیں ہوتی جبکہ یہاں تو حکیم بن جبیر ضعیف، متروک اور رافضی راوی ہے۔ اسکی زیادت ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

اگر بالفرض حکیم بن جبیر نے اس قول کی تشریح یا شرح بھی بیان کی ہوتی تو پھر بھی حکیم بن جبیر کی یہ تشریح یا شرح اصول الحدیث کی رو سے مردود اور باطل ہوتی۔ کیونکہ حکیم بن جبیر تو ضعیف ہونے کے علاوہ متروک اور رافضی بھی ہے۔

اور اس روایت کا دوسرا راوی عبداللہ بن بکیر الغنوی بھی غالی شیعہ راوی ہے۔ اور علماء کرام نے اس اصول کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ بدعتی (رافضی، شیعہ وغیرہ) کی وہ روایت جو اس کے مذہب کے معاون ہو اس کو رد کر دیا جاتا ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

المختار أنه ان كان داعيا الى بدعته و مروجا له رد و ان لم يكن كذلك قبل الا أن يروى شيئا يقوى به بدعته فهو مردود قطعاً۔ (مقدمہ در مصطلحات حدیث مع مشکوۃ ا مترجم ا ص ۶۔۷)

ترجمہ: یعنی بدعتی کے بارے میں مذہب مختار یہ ہے کہ اگر وہ بدعت کا داعی اور اس کا رائج کرنے والا ہو تو مردود ہے ورنہ مقبول. بشرطیکہ وہ ایسی چیز روایت نہ کرتا ہو جس سے اس کی بدعت کو تقویت پہنچتی ہو کیونکہ اس صورت میں تو وہ قطعاً مردود ہے۔

❀❀❀❀

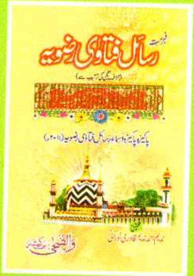

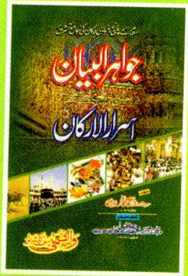

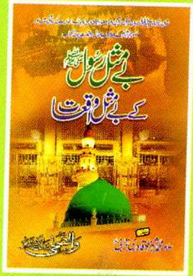

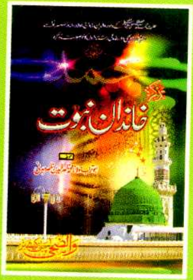

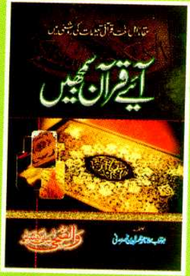

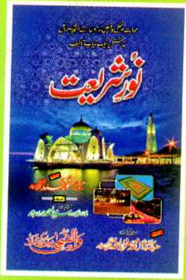

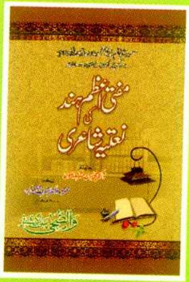

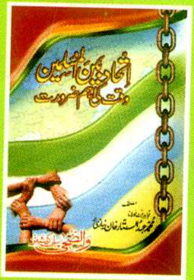

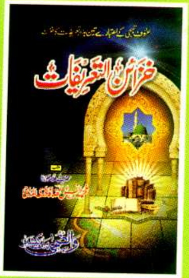

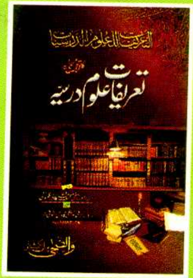

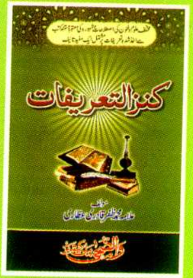

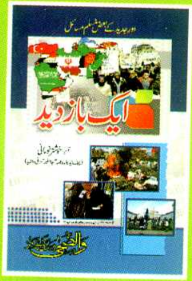

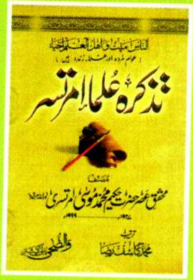

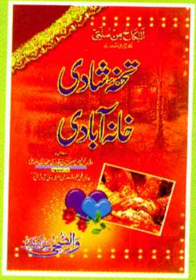

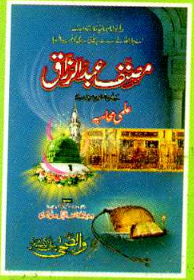

والضحیٰ پبلی کیشنز

ستا ہوٹل داتا دربار مارکیٹ لاہور

0300-7259263,0315-4959263